

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

باسمہ تعالیٰ

مشخصات

| | |
|-------------------|---|
| نام کتاب | اسلام کا معاشی نظام |
| تالیف | علامہ سید محمد رضی زنگی پوریؒ |
| تجدید نظر | حجۃ الاسلام و المسلمین مولانا سید محمد زکی باقری |
| صفحات | ۲۶۳ |
| قیمت | ۱۰۰ روپے، ۵ روپا |
| سنه اشاعت | ۲۰۱۲ء |
| کورڈی زبانگ | وزیر حسن چنہو |
| زیر اهتمام | ادارہ اصلاح لکھنؤ |
| مطبوعہ | ناردن آفیسٹ پرنس، لکھنؤ |
| ناشر | حوزہ علمیہ باقر العلوم والبلاغ آرگانائزیشن، علی پور (الحمد) |

اسلام کا معاشی نظام

تالیف

علامہ سید محمد رضی زنگی پوری اعلیٰ اللہ مقامہ

تجدید نظر

حجۃ الاسلام و المسلمین مولانا سید محمد زکی باقری

ناشر :

حوزہ علمیہ باقر العلوم والبلاغ آرگانائزیشن علی پور (الحمد)

ایک نظر---

اس فانی دنیا میں اگر کوئی باقی رہتا ہے تو بس وہی جس نے اپنے علمی کارناموں سے اپنے بتا کی نشانیاں چھوڑا ہو۔ اور ایسے انسان بہت کم ہیں جنہوں نے اپنے پیچھے ایسی یادگاریں چھوڑی ہو جو انسانیت کی خدمت کھلانے کے قابل ہو۔ ایسی علمی کاروائیں جو زمانے کے گزر جانے کے بعد بھی ان کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آتا ان کے کارنا میں تازہ پھولوں کی خوبیوں دیتی ہیں۔ ان علمی کارناموں میں سے ایک مہکتا اور تازہ پھول یہ عظیم کتاب: ”اسلام کا معاشی نظام“ ہے جس کو حجۃ الاسلام مولانا سید محمد رضی زنگی پور نور اللہ مرقدہ نے قلم بند فرمایا ہے۔

پانچ سال قبل عشرہ محرم کے دوران مدیر ماہنامہ مجلہ ”طہرہ“ حجۃ الاسلام مولانا حیدر عباس صاحب قبلہ دامت برکاتہ نے اس کتاب کو عنایت فرمایا تو میں راستے ہی میں چند صفحوں کو پڑھکر اس کتاب اور صاحب کتاب کو خراج تحسین پیش کرتا رہا۔ حق وہی جو صاحبان حق کدیں مولائے کائنات علی ابی طالب علیہم السلام روی وارواح العالمین مقدمہ فداء نے فرمایا: ”لا میراث کالا دب“ علم و ادب جیسی کوئی اور میراث نہیں ہے۔ اس کے بعد میں نے اسی کتاب کے مطالب کو محور بنا کر محرم و صفر کے مجالس کو پڑھا بارگاہ رب العزت میں قبولیت کی بھیک مانگتا ہوں۔

علم اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے جو ہر دور ہر زمانے میں ہر انسان و انسانیت کے لئے مفید ہو کتاب حاضر اس بات کے لئے میں ثبوت ہے۔ دور حاضر میں جس بحران سے ہر ملک خواہ وہ جہان اول کے نام سے یاد کیا جائے خواہ ہو جہان سوم سے سب کے سب معاشی بحران کے دو چار ہیں جس کا حل سوائے اسلام کے کوئی اور نہیں ہے جس کو مکتب اہل بیت علیہم السلام نے عملی طور پر اس کو ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔

دور جدید ہے اور دنیا اپنے سائنسی پیش رفت پر نازل ہے مگر جب ہم انسانی اقدار کو انسانیت سوز حالت میں دیکھ رہے ہیں ہر طرف ناقص انسانی خون برہا ہے حقوق انسانی کو وہ پامال کر رہے جو دعویٰ دار حقوق انسانی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اب انسان کو انسان کہنا بھی ایک غیر انسانی اقدار ہے۔ یہ دور ”فی ضلال مبین“ تبدیل ہو چکا ہے۔ انسان کو پھر ”نور مبین“ یعنی اسلام پر کامل عمل کی ضرورت ہے۔

اسلام کی نگاہ میں محرک عمل (Motivation factors) ایمان بالله، ایمان بغیب، جذبہ، ایشار جو کہ صرف و صرف ”اللہ کی محبت“ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے: ”قل انکتہم تحبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يَحْبِبُكُمُ اللَّهُ“ اے رسول (ص) ان مسٹرنیں کو بتلا دو اگر وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو میری پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت کریگا (آل عمران: ۳۱)۔ یہ جذبہ اسی کے ہاتھ آیگا جو چند روزہ دنیا کی مادی زندگی سے آگاہ ہو: ”أَنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقاءَ نَارٍ رَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأْنَاءُ نَوْا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اِيَّاتِنَا غَافِلُونَ“ بیشک جو لوگ ہماری ملاقات (اللہ کی رضا) کی تمنا نہیں رکھتے اور اس دنیا کی زندگی سے خوش ہیں اور انہیں اطمینان بھی ہے (یہ کہ بس یہی سب کچھ ہے) اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ (یونس: ۷)

یو، ان، او (O N U) کے دستور پر نگاہ ڈالیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے سب کچھ اسلام ہی کی تعلیم سے لیا گیا ہے (ویسے انسان کے پاس اسلام سے پہلے تہذیب و تمدن نامی کوئی چیز موجود ہی نہ تھی) مگر کمی کس چیز کی ہے اس دستور میں؟ ہم اسلام کے پروانوں کی نگاہ میں جس چیز کی کمی ہے وہ ہے ”محرك عمل (Motivation factors)“، ”اگر محرك عمل مادی اغراض نہ ہوتے تو یہ دستور کسی حد تک انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف کے پھیلانے میں کارگر ثابت ہوتا۔ یو، ان، او (O N U) میں ”وٹو پاور اور مستقل عضویت (Viteo Power and Permanent Membership)“، قوانین اس بات کا بین ثبوت ہیں کی دو رجید انسانیت کے جذبے سے عاری ہے اور مسائل کا حل ”وقت و طاقت Power and Strength“ کو صحیح ہے جسکا قرآن مجید نے یہ کہ کر کے انکار کر دیا ہے کہ ”والعاقبة للمتقين“ متقین ہی کے ہاتھوں کامیابی ہے۔ ”بقائے اصح Survival of the Fittest“ سماجیات کے مقولہ کی غلط تعبیر ”وقت و طاقت Power and Strength“ ہے۔ اس کی فطری قرآنی عدل و انصاف سے جڑی تعبیر ”متقین، اور صالحین“ ہے جو نہیں قوت کے حصول کے خواہاں نہ ہی دنیا کے منابع کو ایک طبقہ میں لانے کا جذبہ بلکہ اگر حکومت و قوت و طاقت کا حصول بھی ہوگا تو فقط دنیائے انسانیت میں عدل و داد سے مزین کرنا ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں مقام ذیقار (صفین کے نزدیک جگہ کا نام ہے) مولا امیر المؤمنین علیہ السلام کو دیکھا آپ اپنی جوئی سی رہے ہیں، انہیں تعجب ہوا اور اس موقع پر مولा کا عمل کچھ سازگار نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مولा نے پوچھا: ما قیمة هذه النعل؟ اے ابن عباس کیا قیمت ہے اس جوئی کی؟ میں نے کہا: لا قیمة لها۔ اس کی کوئی قیمت نہیں۔

مولانے فرمایا: وَاللَّهُ لَهُ أَحْبَ الَّذِي مِنْ أَمْرِكُمْ إِلَّا إِنْ أَقْيلَ حَقًا أَوْ إِذْفَعَ بَاطِلًا: ا خدا کی قسم تھماری حکومت میرے نزدیک اس بے قیمت جوئی سے بھی کم ہے مگر یہ کہ (اس حکومت کے ذریعہ) میں حق کو قائم کروں اور باطل کو مٹاؤں۔ (نیج الملاعنة: خ ۳۳) اس معیار انسانیت کو سوائے اسلام اور وہ بھی مكتب احلیت کے علاوہ اور کہیں نہیں دیکھ پائیں گے۔

آج ساری دنیا میں عموماً اور جہاں اول میں خصوصاً ایک فطری آواز بلند ہو رہی ہے جس کا اگر خلاصہ کیا جائے تو ایک ہی محور ہے دنیائے انسانیت تلاش عدل و داد میں سرگردان ہے اور اسی کی جانب اشارہ ہے سرکار رسالت مکتب کی حدیث میں جہاں پر آپ نے آیندہ حالات کی جانب خوش خبری دی ہے جو کہ شیعہ اور سنی دونوں مکاتب میں یہ حدیث تو اتر کا درج رکھتی ہے: ظہور امام محدثی کی جانب متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: يَمْلأُ الْأَرْضَ ظُلْمًا وَ عَدْلًا بعد ما ملئت ظلمًا وَ جُورًا: زمین کو عدل و داد سے بھر دیا گجب کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہو گی۔ (المعجم الكبير طبرانی: ج ۱۰ ص ۱۳۳)

آج کی دنیا میں جو معاشی نظام چل رہے ہیں خواہ وہ کسی بھی نام سے ہو جیسے نظام سرمایداری، نظام اشتراکی، وغیرہ سب میں کئی خامیاں موجود ہیں سب سے بڑی خامی حاکموں کی لجام کو تھامنے کا کوئی موثر طریقہ موجود نہیں ہے۔ ان کے اختیارات اتنے کہ سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں اور کوئی باز پرس کرے بھی تو یہ لوگ ظاہری قوانین ہی کا سہارا لے کر نک جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام نے جس بات کی جانب توجہ دلائی ہے وہ حاکم کا بارگاہ رب العزت میں جواب دہ ہونا اسی طرح جس طرح ایک عام انسانوں کی باز پرس ہوتی ہے۔

مولانا امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے ایک ہونے والے مصر کے گورنر ملک اشتر کو تفصیلی فرمان دیا ہے جو دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی رہنمائی کسی حاکم کے لئے نہیں ہو سکتی: جس کے اہم نکات پر توجہ کریں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آج کے بلکہ ہر زمانے کے حاکموں کے لئے ایک مکمل دستورِ عمل ہے جس پر عمل کیا جائے تو دنیا جنت بن سکتی ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ: عمل صالح، تقویٰ الہی، ہمیشہ بارگاہ رب العزت میں جواب دہ رہنے کا خوف، عدالت، عوام کے درد سے آشنائی اور ان کا مدارکرنا، خواص یعنی ایک مخصوص طبقہ کو خوش کر کے عوام کی اکثریت جو مستحق ہیں اور انسان ہونے کے ناتے برابر حق رکھتے ہیں کو کبھی ناراض نا رکھیں، مذہب ہی نہیں بلکہ انسانی اقدار کو اپنا نسب لعین بنائیں اور اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ مظلومین کی آہ کو خالق کا ناتا سنتا ہے۔ (فتح البالامہ: اقتباسات از خط: ۵۳)

آج کی چھ ۶ عرب انسانی آبادی میں صرف دو ۲ فی صد انسانی خون خوار افراد کے ہاتھوں سُمٹی ہوئی ہے۔ اور کسی ازم کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ مگر یہ کہ دنیا آج بھی اس چوکٹ پر سجدہ کرے جہاں انسانی اقدار کی بنا پر رضا کارانہ اپنے مال و دولت کو صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر دیں گواں دنیا میں بظاہر گھاٹے ہی میں کیوں نہ ہوں: یو شرون علی انفسہم و لو کان بهم خصاصہ: اپنے نفسوں کو واپس کرتے ہیں حالانکہ خود گھاٹے میں ہوتے ہیں (الحشر: ۹)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ غافلین کون ہیں اور کیوں ہیں: ان الذين لا یرجون لقاء نا و رضوا بالحياة الدنيا و اطمئنوا بها والذين هم عن آياتنا غافلون۔ جو لوگ ہماری ملاقات کی قناؤں نہیں رکھتے اور دنیا یہی کی حیات سے راضی رہتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ (یونس: ۷)

ان کے اس غفلت کی وجہ: یعلمون ظاهرا من الحياة الدنيا و هم عن الآخرة هم غافلون۔ (یوگ) دنیا کی ظاہری حیات سے واقف ہیں اور آخرت کی (ناتم ہونے والی نعمتوں) سے غافل ہیں۔ (روم: ۷)

ججۃ الاسلام مولانا سید محمد رضی زنگی پور نور اللہ مرقدہ کی یہ کتاب ایک نادر سعی بلیغ ہے جس میں انہوں نے معاشریات کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھی ہے۔ دل تو چاہتا یہ تھا کہ اس کی شرح لکھی جائے مگر انہی بے بضاعتی اور مصروفیات نے مجبور کر دیا کہ اس کو اس کی اصل، ہی پر باقی رکھا جائے۔ ہاں کوشش یہ کی گئی ہے کہ منابع احادیث کو اس کتاب کے پڑھنے، والوں کی آسانی کے لئے حدیث کے پہلوہی میں درج کر دیا جائے۔

سب سے بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہوں جس نے یہ توفیقِ محبت فرمائی کہ اس کتاب کو تجدید نظر کے ساتھ مونین کی خدمات میں پیش کی جائے۔

گرّ تبول افتدرز ہے عزو شرف

میں ججۃ الاسلام مولانا سید احمد رضا الحسني دامت برکاتہ کا مشکور ہوں جنہوں نے مصنف کا تعارف تحریر فرمایا اور اس کتاب کی پروف روڈیٹنگ میں بھی کوشش رہے۔ اس کے ساتھ مہ نامہ اصلاح کے مسویں کا جو اس کتاب کے طبع کرنے میں مددگار ثابت ہوئے۔

آخر میں حوزہ علمیہ باقر العلوم والبلاغ آگنا تریشن علی پور کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کے نشر کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی۔

تعارف

از: حجۃ الاسلام مولانا سید احمد رضا الحسینی دامت برکاتہ

بر صغیر میں لکھنؤ کو شیعیت کا مرکز قرار دیا جاتا تھا اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شاہان اودھ نے فیض آباد سے جب دارالسلطنت منتقل کر کے لکھنؤ بنا یا تو مہمی اور قومی معاملات میں علماء کی ضرورت ہوئی اور ملک سے اکابر علماء کو دعوت دی گئی، مدارس و حوزات کو قائم کیا گیا مساجد و امام بارگاہ اور روضوں کی تعمیرات ہوئیں یہی سبب ہیکہ علماء و مونین و طلاب کی ایک کثیر تعداد تھی جس نے لکھنؤ کا رخ کیا اور اس مرکز سے وابستگی اختیار کی، لیکن وسائل کی عدم فراہمی کی وجہ سے ایسے بھی علاقے تھے جہاں سے طلاب نہیں آسکتے تھے لہذا اگر قریب میں کوئی عالم دین فراہم ہو جاتا تو یہ علمی لشکری پوری کرتے۔

سادات کی ایسی ہی ایک بستی، زنگی پورے ہے جو شہر غازی پور سے ۱۹۵۶ء سے ۱ کلو میٹر مغرب کی جانب واقع ہے، اس بستی کو ہمیشہ سے شہرت اس وجہ سے حاصل رہی ہے کہ یہاں پر مشہور علماء و افاضل شعراء و ادباء اور جدید علوم کے ماہرین اور گورنمنٹ کے اندر بڑے عہدوں پر فائز افراد گذرے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ اس بستی زنگی پور میں علماء کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی اور وہاں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اگر کسی طالب علم کو علم دین حاصل کرنے کا شوق ہوتا تھا تو مجھے یہ کہ کسی معروف مدرسہ میں جا کر تحصیل علم کرے، وہاں کے مقامی علماء کے سامنے زانوئے ادب تھہ کر کے شرف تلمذ حاصل کرتا تھا۔

انہیں بزرگ اور قابل ذکر علماء میں علامہ سید محمد رضی زنگی پوری اعلیٰ اللہ مقامہ بھی تھے جو ایک جيد عالم دین مفسر قرآن، محدث و مورخ اور بہترین استاد اور انتظام کا رئیس تھے اور ایک ہم جہت شخصیت کے مالک تھے آپ کی بے علمی و تبلیغی خدمات کی دھائیوں پر مشتمل ہے، انہیں ہم جہت صلاحیتوں کی وجہ سے آپ کو بنا رس کے مشہور علمی درس گاہ جو ادیان و علوم جوادیہ عربی کا چک کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور آپ نے جو طلباء کی تربیت کی اور شاگرد بنائے انہوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی، علامہ سید محمد رضی زنگی پوری کی عملی و قلمی کاؤشیں مختلف اور مفید موضوعات پر ہیں جو نہ صرف مومنین کیلئے قابل استفادہ ہیں بلکہ طلباء اور علماء کیلئے بھی ایک بڑا علمی سرمایہ ہیں۔

اختصار کے ساتھ چند کتابوں اور مقالات کا ذکر نہ منونہ کے طور پر کرنا چاہتا ہوں ”تفصیر وبداء“ کے عنوان سے ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ۱۹۵۴ء میں تحریر فرمایا جسے علماء کے درمیان پذیرائی حاصل ہوئی اور عوام کیلئے بیحد مفید ثابت ہوا، خدا نے اصول تصرف قانون حکمت کے عنوان سے واضح اور مدلل انداز تحریر اختریار کیا ہے اور فلسفیانہ گفتگو کر کے باطل خیالات و نظریات کی دھیان بکھیر دیں ہیں۔

”ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت“ کے عنوان سے ۵۵ صفحات پر مشتمل ایک کتاب ۱۹۵۶ء میں تحریر فرمائی اور ۱۹۵۷ء میں ”حدوث عالم“ کے عنوان سے ۱۹ صفحات پر مشتمل رسالہ تحریر کیا جس میں مادہ پرستی اور دہریت کے پھیلائے ہوئے قدیم و جدید قسم کے شہہات کو عقلی استدلال

کی روشنی میں باطل کر کے خداشناستی کے راستہ سے ہر طرح کے کائنے کو صاف کر دیا۔ ”دنیا کا آخری انجام“، کے عنوان سے حضرت علامہ زنگی پوری نے ۷۶ صفحات پر مشتمل کتاب تحریر فرمائی علامہ مرتفع عسکریؒ کی کتاب، ام المؤمنین عائشہ، کا ترجمہ مولانا سید محمد باقر نقویؒ نے کیا۔ اس کتاب کے آخر میں علامہ رضی زنگی پوری کا ایک مضمون، آئیہ تطہیر، کے عنوان سے چھپا ہے جو بیحود علمی اور وقوع مضمون ہے۔

شہید ثالث سید نور اللہ شوشتريؒ کی مشہور کتاب ”احقاق الحق“ کے باب کتاب النبوة کا ترجمہ بھی آپ کی خدمات میں شامل ہے، ”عدل و حکمت“ کے عنوان سے ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ۱۹۵۹ء میں تحریر کیا، امام زمانہ علیہ السلام کے حالات و زندگی سے متعلق اسلامی فرقوں میں مختلف افکار و خیالات پائے جاتے ہیں، آپ کے عہد میں اہلسنت کا ایک رسالہ، اروع النہام، کے نام سے نکالتا تھا جسمیں غیبت و رجعت کے موضوع پر شیع پر ختحت تقید کی گئی تھی علامہ رضی زنگی پوری نے اس کے جواب میں ”کشف الظلام عن غيبة الامام“ تحریر کر کے امام مہدی علیہ السلام کی غیبت اور حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کی رجعت کو محققانہ طور پر بیان کیا، یہ کتاب ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

اور علامہ رضی زنگی پوری کے عظیم کارناموں میں ”تفسیر رضی“ ہے یہ تفسیر ان یادداشتیوں پر مشتمل ہے جو جناب علامہ نے رامپور میں تیار کئے تھے۔ نواب صاحب رام پور رضا علی خان کی خواہش پر علامہ حافظ گفایت حسین، مولانا سید محمد دھلوی اور علامہ سید محمد رضی زنگی پوری پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل پایا تھا اور اس بورڈ کے ذمہ ایک جامع تفسیر لکھنے کا کام سپرد کیا گیا تھا لیکن تفہیم ملک کی وجہ سے کام تکمیل نہ ہو سکا، علامہ رضی مرحوم نے اس ضمن میں جو کام کیا تھا اس سے مولانا سید ظفر الحسن صاحب مرحوم نے شائع کیا اس تفسیر کے ۵ حصے ہیں اور پانچوں حصے شائع ہو چکے ہیں۔

انقلاب اسلامی ایران کے بعد آج ہر موضوع پر کتابیں تحریر ہو رہی ہیں لیکن اس قبل بس چند موضوعات تھے جس پر کام ہوا اور بار بار ہوا۔ اقتصاد ایک ایسا موضوع ہے جسکی اہمیت کسی بھی عہد میں کم نہ تھی مگر نجات کیوں اس موضوع پر پہلے بہت کم لکھا گیا، فلسفہ اسلام شہید باقر الصدر نے اقتصادنا، لکھکر علمی دنیا میں ایک بالکل مچاودی اور پوری دنیا میں اسکی پذیرائی ہوئی۔

لیکن اسلام کے اس اہم موضوع اقتصادیات کی ضرورت کو علامہ سید محمد رضی زنگی پوری نے اپنے زمانہ میں محسوس کیا اور ایک مدل اور مضبوط کتاب تحریر فرمائی اور اس کتاب کا نام رکھا، ”اسلام کا معاشی نظام“، اردو ادا طبقہ میں اس کتاب کو بیہد مقبولیت حاصل ہوئی اور شاید اس موضوع پر اردو زبان میں اس کتاب کو پہلی کتاب کہا جاتا ہو۔ اور اس راہ کے سب سے پہلے علامہ رضی مرحوم ہوں۔

سید احمد رضا الحسینی
باب العلم (تورنسٹ) کناؤ

باسمہ تعالیٰ

فاقت کش عوام ان پداخلائقوں میں گرفتار تھے، جو خاصہ نقرہ و افلas ہوا کرتی ہیں۔ اور طبقہ خواص میں وہ بڑی خصلتیں اور بدکرداریاں عام تھیں جن کو سرمایہ دارانہ ذہنیت اپنے ساتھ لایا کرتی ہے۔ عہد ظہور اسلام میں قوم عرب کے حال خراب کی بھیاں کے تصویریں نمایندگان اسلام نے اپنے کلاموں میں کھینچی ہیں، سیرت ابن ہشام میں حضرت جعفر طیار کی وہ تقرید پذیر منقول ہے جو آپ نے نجاشی بادشاہ جب شہ کے دربار میں کی تھی اس کے چند فقرے یہ ہیں:

قبل ظہور اسلام عرب کی دینی و معاشی ابتری اور اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ

حضرت جعفر طیارؑ کی تقریر

أيها الملك! إننا كنا قوماً أهل جاهلية نعبد الأصنام و نأكل الميتة و نأتي الفواحش و نقطع الارحام نسي الجوارو يأكل القوى منّا الضعيف فكنا على ذالك حتى بعث الله عزّ وجلّ علينا رسوله نعرف نسبه و صدقه و امانته و عفافه، فدعانا إلى الله لنوحده و نعبد و نخلع ما كنا نعبد نحن و آبائنا من دونه من الحجارة والآوثان و امرنا أن نعبد الله وحده ولا نشرك به شيئاً و امرنا بالصلوة والنذر كثوة الصيام فعدد عليه امور الاسلام ثم قال وامر بصدق الحديث و اداء الامانة و صلة الرحم وحسن الجوار والكف عن المحaram والدماء ونهانا عن الفواحش و قول الزور و اكل مال اليتيم وقدف المحسنات فصدقناه و آمنا به و اتبعناه على ما جاء به من الله .

(البداية و النهاية، ج ۲، ص ۱۸۲)

”اے بادشاہ! ہم ایک بیتلائے جاہلیت قوم تھے، بتول کو پوچھتے تھے، مردار کھاتے تھے، برے افعال کیا کرتے تھے، قطع رحم اور بنسایہ سے بدسلوکی ہمارا کام تھا قوت والے کمزوروں کو

اسلام کا معاشی نظام

مشیت خداوندی نے مطلع نیر اسلام بنانے کے لئے ایک ایسے خطہ دنیا کو منتخب فرمایا جس کے ساکنین خیر دنیا و آخرت دونوں سے بیگانہ تھے، ظلمت کفر و جاہلیت کی طرح ضيق معاش، فلاکت و افلas کی مصبتیں بھی ان پر سایہ گلن تھیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوم عرب کا حال نہ صرف مذہبی و تمدنی اعتبار سے تمام اقوام عالم سے بدتر تھا بلکہ افلas و مسکینیت اور معاشی مشکلات و شدائی کے لحاظ سے بھی اس کی حالت حد سے سوا خراب تھی اس کی وحشیانہ و جاہلیۃ زندگی نے معيشت کے وسائل کو بھی اس کے لئے نگ کر دیا تھا۔ کسب معاش کے طریقوں میں بھی جاہلیت کے آثار نمایاں تھے فتنہ و فساد و ظلم و جور، قتل و غارت اس کا مرغوب پیشہ تھا۔ رہنمی، خیانت، قمار بازی کا عام رواج تھا، ایسی بدکرداریاں جن کے ذکرہ سے انسانیت کو شرم آتی ہے اس کے لئے قبل فخر ذرا ع معيشت تھے قتل اولاد کا عام رواج تھا۔ غرباء، فقیری و بے مائیگی کے خوف سے، اور اہل دولت و ثروت اپنی فرضی شرافت کے فخر و غور کا سرا و نجا رکھنے کے لئے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔

کھا جاتے تھے۔ اسی حال میں خدا نے ہم پر اپنا ایک پیغمبر ہم میں سے مبعوث کیا جس کا نسب جس کی سچائی امانداری، پرہیزگاری کی خصلتوں کو ہم خوب جانتے تھے۔ اس نے ہم کو خدا کی طرف بلا یا کہ اس کی یکتا کے قائل ہوں، اس کی پرشش کریں۔ اور جن پھر کے بتوں کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوچا کرتے تھے ان کو چھوڑ دیں۔ اور ہم کو یہ حکم دیا کہ فقط خدائے یکتا کی بندگی کریں، اُس کا شریک کسی کو قرار نہ دیں، اور انہوں نے ہمیں نماز، زکوٰۃ، روزے کا حکم دیا۔“

حضرت عفیر طیارہ نے تمام امور اسلام کو شمار کر کے فرمایا کہ:
”انہوں نے ہم کو راست گفتاری امانداری، صدر حجی، ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک، مال حرام اور حون ناحق سے بچنے کا حکم دیا، اور ہم کو بدکاریوں لغوباتوں، مال یتیم کھانے اور پاک دامن عورتوں پر (زنگی) تہمت لگانے سے منع کیا، تو ہم نے ان کی تصدیق کی، وران تمام باتوں میں جو خدا کی جانب سے لائے تھے ان کے پیروں بن گئے۔“

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا بیان

یہ زناب امیر المؤمنین علیہ اسلام نے عرب کی حالت قبل اسلام کی تصویر کھینچتے ہوئے فرمایا ہے:
والناس فی فِتْنَةِ اِنْجَدْمٍ فِیْهَا جَبَّ الْدِّینِ، وَتَرَعَّزَ عَتْ سَوَارِيِ الْيَقِّنِ، وَاتَّخَلَّ
النَّجْرُ وَتَشَتَّتَ الْاَمْرُ وَضَاقَ الْمَخْرُجُ وَعَمِّيَ الْمَصْدِرُ فَالْهَدِیَّ خَامِلُ وَالْعَمِیَّ
شَامِلُ عَصِیِ الرَّحْمَنِ وَنِصْرِ الشَّیطَانِ وَخَذْلِ الْاِيمَانِ فَانْهَارَتْ دَعَائِمُهُ
وَتَنَكَّرَتْ مَعَالِمُهُ وَدَرَسَتْ سَبَلُهُ وَعَفَتْ شَرُّهُ کَہ اطاعوا الشیطان فسلکوا
مَسَالِکَہ وَوَرَدُوا مَنَاهِلَہ، بِهِمْ سَارَتْ اعْلَمَهُ، وَقَامَ لِوَاوَهُ، فِی فِتْنَهُ دَاسِتُهُمْ
بَا حَفَافِهَا وَوَطَئِتُهُمْ بِإِظْلَافِهَا، وَقَامَتْ عَلَیْ سَنَابِکَهَا، فَهُمْ فِیْهَا تَائِهُوْنَ حَائِرُوْنَ

جاہلؤں مفتونوں فی خییر دار و شرِ جیران نومہم سہود، و کھلہم دموع۔
(نهج البلاغہ، خطبہ ۲)

”جس وقت پیغمبر مبعوث ہوئے اس وقت دنیا کا یہ حال تھا کہ لوگ ہر طرف فتنہ و فساد میں مشغول تھے دین و شریعت کی رسی ٹوٹ گئی تھی، یقین کے ستونوں میں تزلزل پیدا ہو گیا تھا۔ اصل (نسل) کے اختلافات پھیلے ہوئے تھے، امر دنیا دین سب بالکل پراکنہ ہو رہے تھے، نجات کے طریقے تنگ اور رہائی کے راستے بے نشان ہو چکے تھے، ہدایت روپیش اور جہالت شامل حال عامہ خلائق ہو رہی تھی، خدا کی نافرمانی کا دور تھا۔ شیطان کی نصرت بدل و جان کی جاتی تھی لوگ فتوں میں سرگردان و پریشان تھے، حیرت اتیاز حق و باطل سے مانع تھی، اپنے نفع و ضر کا علم مفقود تھا وہ اچھے و طعن (مکہ) میں تو تھے مگر بدترین ہمسایوں میں تھے بے خوابی ان کے لئے نیند تھی اور آنسو ان کی آنکھوں کے لئے سرمه تھے۔“

نیز حضرت کا ارشاد ہے:

انَّ اللَّهَ بَعَثَ مُحَمَّداً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَذِيرًا لِّلْعَالَمِينَ وَ
أَمِينًا عَلَى التَّنْزِيلِ وَأَنْتُمْ مَعْشِرُ الْعَرَبِ عَلَى شَرِّ الدِّينِ وَفِي شَرِّ الدَّارِ، مَنِيخُونَ بَيْنَ
حَجَارَةِ خَشْنَ وَحِيَاتِ صَمَّ تَشَرِّبُونَ الْكَدْرَ وَتَاكِلُونَ الْجَشْبَ وَتَسْفَكُونَ
دَمَائِكُمْ وَتَقطَعُونَ أَرْحَامَكُمْ، الْاَصْنَامَ فِيْكُمْ مَنْصُوبَةٌ وَالْاثَّامُ بِكُمْ مَعْصُوبَةٌ.
(نهج البلاغہ، خطبہ ۲۶)

”خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالموں کے لئے ڈرانے والا اور اپنے نازل کئے ہوئے احکام کا اماندار بنا کر بھیجا، اے گروہ عرب! اس زمانہ میں تمہارا حال یہ تھا کہ بدترین دین کے پیروکار تھے اور بدترین گھروں میں رہتے تھے تمہاری سکونت سخت پھرروں اور ایسے

زہر یلے سانپوں کے درمیان تھی جن کے کالے کی دوانہ تھی، بیچڑ سے بھرا پانی پیتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کا ناحن خون بہار ہے تھے، قطع رحم (اپنوں سے بدسلوکی) تمہارا طریقہ زندگی تھا، بت تمہارے درمیان پرستش کے لئے نصب تھے اور کنہگاریاں تمہارے دم سے وابستہ تھیں۔“

اسلام ایک قابل عمل نظام ہے عملی دنیا میں کامیاب ہو چکا ہے

ان اقوال میں عرب جاہلیت کی نہیں، تمدنی، اخلاقی، معاشی، غرض ہر طرح کی پستی و بدحالی کا جوتا ریک مرقع ہمارے سامنے دیا گیا ہے اگر اس کو پیش نظر رکھ کر اس واقعہ پر فکر و غور کیا جائے کہ فقط چند ماہ و سال کے عرصہ قبیل میں اسلامی برکات نے عرب کے نہیں و اخلاقی، دنیوی و معاشی معیار کو کس سرعت کے ساتھ ارتقاء کے بلند ترین مدارج پر پہنچا دیا، انقلاب ذہنیت کے ساتھ ان کے اخلاق و کردار کی دنیا کس طرح مقلوب کر دی ان کے دین کے ساتھ ان کی معيشت دنیوی کاعنوان بھی کس طرح بدل ڈالا، تو اقرار کرنا پڑے گا کہ تعلیمات اسلام کا یہ انقلابی کارنامہ اگر مجذہ نہیں تو تاریخ عالم کا محیر العقول اور بے مثال کارنامہ ضرور ہے جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام دین و دنیا معاو و معاش دونوں کا ایک مکمل قابل عمل اور کامیاب نظام ہے۔ فلسفی نظریہ کے حدود سے نکل کر تجربہ عمل کی دنیا میں بھی اپنی کامیابی کا سکھ بٹھاچکا ہے۔ قوم عرب نہایت درشت مزاج و جاہل طبیعت قوم تھی۔ اثر پذیری و اطاعت گذاری کو اس کی جاہلیت نواز خصوصیات سے کوئی ربط نہ تھا۔ اس کی دنیا و دین کو دیکھتے دیکھتے بدل دینا ایسے ہی نظام کا اثر ہو سکتا ہے، جو انسانی فطرت کے مناسب نظری و عملی دونوں پہلوؤں سے ہر طرح مکمل اور قابل عمل ہو، اور اپنی عملی طاقتتوں کا کامل ترین اسوہ حسنہ دنیا کے سامنے لارہا ہو۔

قرآنی تعلیمات سے روگردانی کا انجام

فَعِنْ ذلِكَ لَا يَقِي بَيْتٌ مَدْرَ وَلَا وَبِرَّ إِلَّا دَخْلُهُ ظَلْمُهُمْ نَزْحَةٌ وَأَوْلَ جَوَافِيهِ نَقْمَةٌ
فَيَوْمَنْذِلًا يَقِي لَكُمْ فِي السَّمَاءِ وَلَا فِي الْأَرْضِ نَاصِرٌ (نَجْ الْبَلَاغَةُ، ص ۱۲۵)

”(جبکہ مسلمان قرآن کی تعلیمات سے مخفف ہو جائیں گے) اس وقت نہ شہریوں کا کوئی مٹی سے بنا ہوا گھر ہوگا، اور نہ بدھیوں کا کوئی بالوں کا خیمه جس میں ظالموں نے رنج و نمذکور کر دیا ہو، اور مصیبۃ نہ نازل کر دی ہو۔ اس دن تمہارا نہ کوئی آسمان میں مددگار ہو گانہ زمین میں۔“

عقلوں نے جب آزادانہ فکر و غور کی فرصت پائی اور فطرت کے تقاضے نے انسانی دماغوں کو مناسب سمجھنے اور سوچنے کی طرف مائل کیا اور عقلیت پسند طبیعتیں درپے تجسس و تحقیق ہوئیں تو ان کے سامنے ایک طرف انسانی خود غرضی نفس پرستی کے ہاتھوں فریادی عیسائیت تھی اور دوسرا طرف دین و مذہب کے پردہ میں روح دین و مذہب کو پامال کرنے والے اکابر مسلمین کے اخلاق و کردار کی کشۂ اسلامیت۔ غرض مجموعی طور پر دنیا ان کے سامنے اندر ہیری تھی للہ انہب سے عام بدگمانی اور دین سے کلی نفرت پیدا ہو گئی، اور غیر مذہبی اصول بلکہ خالص شیطانی نظریات پر نظمات بننے لگے، جن کا غیر منقطع سلسلہ، نسل انسانی کی تباہی و ہلاکت کو دعوت دے رہا ہے، اور حضرت رسالتمناب صلعم کی یہ پیشون گوئی واقعات کی صورت میں، اسلامی دنیا کو بالخصوص دعوت نظر دے رہی ہے:

عالم اسلام کے انقلاب ذہنیت اور اس کے نتائج کی بابت آنحضرتؐ کی خبر غیب:

یاتی علی الناس زمان بطنونهم الہتھم و نسائھم قبلتھم و دنائزہم دینہم و شرفہم متاعہم لا یقی من الایمان الا اسمه ولا من الاسلام الا رسمه ولا من القرآن الا درسہ مساجدہم معمورۃ و قلوبہم خربۃ علمائہم شر خلق الله علی وجه الارض فحی ابتلاہم الله باربع خصال جور من السلطان و قحط من

الزمان و ظلم من الولاة والحكام و شركة مع العدو فعجب الصحابة قيل يا رسول الله أ يبعدون الأصنام؟ قال نعم كل درهم عندهم صنم -

(نحوی الاخبار، ص ۱۲۳۔ متندرک ابو السائل: ص ۳۸۶)

”لوگوں پر ایسا زمانہ عنقریب آنے والا ہے جس میں ان کے پیٹ ان کے معبدوں کے، ان کی عورتیں ان کی قبلہ ہوں گی ان کا دین ان کے دینار ہوں گے مال و متاع ہی پران کے شرف کا دار و مدار ہوگا۔ ایمان کا م Huss نام، اسلام کا فقط نشان رہ جائے گا، قرآن کی تعلیمات بس سبق پڑھادیئے تک محدود ہو جائیں گی مسجدیں تو آباد ہوں گی مکمل ویران ہوں گے ان کے علماء بدترین خلق خدا ہوں گے ایسا زمانہ آئے گا تو خدا چارباتوں میں ان کو مبتلا کرے گا۔ سلطنت کا ظلم، تحطیق و گرانی، حکام کا ظلم، دشمنوں کے ساتھ شرکت“

اس پر صحابہ کو تجنب ہوا، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ بت پوچیں گے تو فرمایا:
”ہاں ہر درہم ان کے نزد یک ایک بت ہو گا۔“

حالات زمانہ کا تقاضا ہے کہ اسلامی نظام معيشت کا واضح خاکہ دنیا کی بے قرار و متجسس نگاہوں کے سامنے لا یا جائے ممکن ہے کہ مضطرب دلوں کو توفیق ربانی اس سے ہدایت پانے اور روشنی حاصل کرنے کی طرف مائل کر دے۔

چند بنیادی باتیں

جن پر اسلامی نظام معيشت کا سمجھنا موقوف ہے

اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کو سمجھنے اور دور جدید کے اقتصادی و معاشی نظمات سے اس کا فرق معلوم کرنے کے لئے چند باتوں کا جان لینا ضروری ہے جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں:
اول: اسلام فقط ذہنی حالت اور قلبی کیفیت اور فلسفی عقائد و نظریات ہی کا نام نہیں ہے جس کا تعلق انسان کی روح و قلب و ضمیر اور محض روحانی زندگی تک محدود ہو، بلکہ وہ نہایت وسیع

اور جامع دستور اعمال اور ہم گیر نظام ہے جس کا تعلق آدمی کی روحانی زندگی کی طرح اس کی دینیوی زندگی سے بھی ہے وہ ایک ایسا مذہب ہے جو عقیدہ عمل کا مخالف ہے، وہ ایسی نظری و ذہنی حالت کا حامی نہیں جس کا ظہور روز مرہ کی زندگی اور ہر طرح کی چال و چلن میں نہ ہوتا ہو، صحیح ہے کہ مذہب اسلام کی جڑ خالص باطنی و روحانی عالم میں قائم کی جاتی ہے اور ایمان کی بنیاد ذہنی دنیا میں رکھی جاتی ہے، مگر جسمانیت کی ظاہری دنیا اور عالم اعضاء و جوارح میں اس کی شاخوں کا نمودار ہونا بھی لازم ہے، وہ اصل کس کام کی جس کی شاخیں نہ تکلیف اور ان کی شاخوں میں پھل نہ آئیں، اسلامی نظریہ یہ ہے کہ عقائد اصول ہیں اور اعمال ان کی فرع، اصل بے فرع اور فرع بے اصل دونوں بے شریز ہیں گی، عقیدہ عمل کے لا حاصل رہے گا اور عمل بے عقیدہ سے پھل حاصل ہونے کی آرزو محض خیال خام ہے، اس کا بیان اس آئیہ مبارکہ میں ہے:

قُلْ هَلْ نُبَيِّكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا。 الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيْهِمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسِسُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (سورہ کہف: ۱۰۲-۱۰۳)

"(اے رسول) کہہ دو! کیا ہم ایسے لوگوں کا پتہ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھائی میں ہیں، (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا ہی کی زندگی میں اکارت ہوئی اور وہ اس خیال خام میں ہیں کہ اپنے اچھے کام کر رہے ہیں۔"

ضمیر و قلب کی طرح اعضاء و جوارح بدن کو بھی اسلام کی حقیقت سے خاص تعلق اور برابر کی نسبت ہے، جب تک وہ مصروف کارنہ ہوں گے اور حرکات عملیہ کا مظہر نہ بنیں گے حقیقت کاملہ اسلام کا وجود غیر ممکن ہوگا، اسی بات کی طرف جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے ارشاد مندرجہ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے:

اسلام مذہب عمل ہے، عمل اس کا عین حقیقت ہے

لانسبن الاسلام نسبۃ لم ینسبها احد قبلی، الاسلام هو التسلیم
والتسليم هو اليقین واليقین هو التصديق والتصدیق هو الاقرار والاقرار هو
الاداء والاداء هو العمل . (نحو البلاغة مطبوع مصر، ص ۹۰)

"میں اسلام کی ایسی صفت بیان کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی، (اسلام کیا ہے؟) وہ تسلیم (حکم خدا کو مانتا ہے) اور تسلیم یقین ہے اور یقین (پیغمبر کی) تصدیق ہے اور تصدیق (اطاعت خدا اور رسول کا) اقرار ہے اور اقرار اداء اطاعت و بنگی ہے، اور اداء عمل ہے"

ان مقدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام عین عمل ہے، جناب امام حعرف صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

سارا ایمان عمل ہے

(۱) الایمان عمل کله . (اصول کافی) "سارا ایمان عمل ہے"- (الکافی: ج ۲ ص ۳۸)

تمام اعضاء و جوارح کا ایمان میں حصہ ہے

(۲) ان اللہ فرض الایمان علی جوارح بنی آدم و قسمما علیہا و فرقہ علیہا .

"خدانے ایمان کو اولاد آدم کے اعضاء و جوارح پر جدا جد تقسیم کر دیا ہے۔"

(متدرک اوسائل: ج ۱۱ ص ۱۳۲)

مختصر یہ کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے عمل کا طالب اور بے عملی سے تنفر اور کاہلی و سستی و بے کاری و بطلات کا دشمن ہے۔ عملی زندگی سے باوجود قوت و استطاعت الگ ہو کر زندگی بس کرنے میں کسی انسان کی بہت افزائی نہیں کرتا ہے۔

اسلام کے نزدیک

مفہوم عبادت بہت وسیع ہے

دوم: عبادت دین اسلام کی اصطلاح میں فقط قلبی و ذہنی اعمال تک محدود نہیں، تفکر و تذکر ایمان و ایقان، گیان و دھیان ہی تک حقیقت عبادت ختم نہیں ہو جاتی، اور نہ صرف نماز روزہ و حج وغیرہ بدین اعمال کا نام عبادت ہے بلکہ عبادت ہر وہ عمل ہے جو خدا کے احکام کے مطابق اس کی خوشنودی و رضامندی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، خدا کی فرمانبرداری و اطاعت کا جذبہ واردہ حقیقت عبودیت و روح عبادت ہے اور ہر وہ کام بندگی و عبادت ہے جس سے مقصود خدا کی فرمانبرداری و تعظیم امر الہی ہو خواہ وہ خالق و مخلوق، معبود و عبد کے روابط سے تعلق رکھتا ہو یا افراد انسان کے باہمی معاملات و حقوق سے یا خون نفس انسانی کے ان حقوق سے جن کا ادا کرنا اس پر لازم ہے یہاں تک کہ اپنے بچوں کو پیار کرنا، ان کو نہسانا کھلانا بھی عبادت میں داخل ہے، جانوروں کی خدمت بھی کارخیر و عبادت ہے۔

اپنے بچوں کو پیار کرنا بھی عبادت ہے

من قبل ولده كتب الله له حسنة ومن فرحة فرحة الله يوم القيمة
 (لیلی الاخبار، ص ۳۳۰-۳۴۰) (ج ۶ ص ۲۹)

”جو شخص اپنے بچے کو پیار کرے گا خدا اس کے نام پر ایک نیکی درج فرمائے گا اور جو آدمی اپنے بچے کو خوش کرے گا خدا اس کو روز قیامت فرحت عطا فرمائے گا“

(۲) جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے مردی ہے:

جاء رجل الى النبي فقال ما قبلت صبياً قط فلما ولى قال رسول الله هذا رجل عندى انه من اهل النار (لیلی الاخبار، ص ۳۲۳-۳۲۴) (کافی: ج ۶ ص ۵۰)

”ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی بچے کو پیار نہیں کیا، جب وہ چلا گیا تو حضرت نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ شخص جہنمی ہے۔“

پیاسے جانوروں کو پانی پلانا بھی عبادت ہے
 جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

من سقى كبدًا حراء من بهيمة او غيرها اظلله الله في ظل عرشه يوم لا ظل الا ظله (لیلی الاخبار، ص ۳۴۷-۳۴۸) (کافی: ج ۶ ص ۵۸)

”جو شخص کسی جلتے ہجکر کو سیراب کرے خواہ وہ حیوان کا ہو یا غیر حیوان کا تو خدا اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا، اس دن جس میں سو اخدا کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔“

اسلام مذہبِ عدل و اعتدال اور انسان کا قدیم ترین مذہب ہے

سوم: اسلام وہ مذہبِ عدل و اعتدال ہے جس کی تاریخ نوع انسانی کی تاریخ سے وابستہ ہے اور جس کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:... هو دین الله قبل ان تكونوا حيث كنتم و بعد ان تكونوا فمن اقر بدين الله فهو مسلم و من عمل بما امر الله عز و جل به فهو مومن (وسائل الشیعہ ج ۱۵ ص ۱۶۸)

”اسلام تمہاری پیدائش سے پہلے بھی خدا کا دین تھا اور اس کے بعد بھی وہ دین خدا ہے جس شخص نے دین الٰہی کا اقرار کیا وہ مسلمان ہے اور جو اس پر عمل کرتا ہے وہ مومن ہے۔“

دنیا میں تبلیغِ اسلام کی غرض قیام عدل و انصاف ہے

پیغمبروں کے ذریعہ اس کو دنیا میں بھیجنے اور رواج دینے کی غرض یہی بتائی گئی ہے کہ بندگان خدا کو عدل و انصاف کے طریقے پر چلا جائے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًاٍ بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُولُ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ... (سورہ حدید: ۲۵)

”ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن مجھے دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان عمل نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“

جور و ظلم و بے اعتدالی اس مذہب کے اصول کے حدود سے باہر ہے وہ آدمی کی طرف سے اپنے ہی نفس پر کیا جائے یا دوسرے انسانوں پر، بانی اسلام نے نہایت صاف اور واضح لفظوں میں فرمایا ہے، ”اسلام کا بنیادی اصول، کسی کو ضرر نہ پہنچا اگرچہ وہ اس کی ضرر سانی کا بدله کیوں نہ ہو: لَا ضرر و لَا ضرار فی الْإِسْلَامِ (۱)، اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار۔“
(نحو الحق: جص ۵۰۶)

(۱) مجمع البحرين میں ہے: الضرر ابتداء او فعل والضرار الجزاء عليه یعنی ”ضرر کسی کو ابتدأ نقصان پہنچانا ہے اور ”ضرار“ کسی کی ضرر سانی کا بدله لینا۔“

یعنی قانون اسلام میں کوئی ایسی دفعہ اور احکام اسلامی میں کوئی ایسا حکم نہیں، جس کے وضع کرنے کی غرض بندگان خدا کو ضرر پہنچانا ہو، یا جن کو صحیح طریقہ پر زیر عمل لانے سے خلق اللہ کو ضرر و نقصان

پہنچتا ہو، نیز اسلام اس پر بھی راضی نہیں کہ کسی کی ضرر سانی کا بدله ضرر سانی سے لیا جائے۔ یہ زرین اصول دستور اسلامی کے لئے بنیاد کی حقیقت رکھتا ہے تو انیں معیشت انھیں کے ماتحت بنائے گئے ہیں لہذا ہر وہ طریقہ جس سے انسانیت پر ظلم ہوتا ہو اور بشریت اس سے ضرر سیدہ ہوتی ہو، غیر اسلامی ہو گا، خواہ وہ کسب دنیا کے لئے اختیار کیا جائے یا طلب آخرت کے لئے عصر حاضر کے ادیان مروجہ ایسے اعلیٰ اصول کی مثال نہیں لاسکتے۔

انسان کے لئے کون سا نظام معاشی مناسب ہو گا؟

چہارم: انسانی زندگی کے لئے معاشی نظام تجویز کرنے اور اس کو زیر عمل لانے سے پیشتر نظرت انسانی پر غور و فکر کرنا اور یہ سمجھ لینا لازم ہے کہ حقیقت انسانیت کیا ہے اس کے ضروریات و لوازم کیا ہوں گے؟ انسانیت کس چیز کا نام ہے؟

انسان کی حقیقت کیا ہے؟

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ ”انسان“ نہ صرف بدن کا نام ہے۔ اور نہ فقط روح کا بلکہ ان دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور حقیقت انسان کا تعلق جسمانیت و روحانیت دونوں سے ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ انسانی حقیقت کے یہ دونوں جزر تربیتی اپنی خواہشیں اور ضرورتیں الگ الگ رکھتے ہیں اور ہر ایک کا رزق اور غذا جس سے وہ وقت و نشونما پاتا ہے، دوسرے کے رزق اور غذا سے مختلف ہے، ہر عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ انسانیت کی صحیح تربیت و پرورش کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ان دونوں جزوں کی خواہش اور ضرورتوں کو ان کے حسب حال اور مطابق نظرت طریقے پر پورا کیا جاسکے۔ اگر صرف صرف ایک خبر کی طرف توجہ کی گئی اور دوسرے کے کونڈر تغافل و بے اعتنائی

کر دیا گیا تو ان کی قوت گھٹتی جائے گی اور رفتہ رفتہ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور یہ بات نشانہ فطرت کے خلاف ہو گی، تجربے سے ثابت ہے کہ فطرت کا کوئی کام اور قدرت کا کوئی عمل ہے فائدہ و بے مقصد نہیں، خدا نے کسی ایسی چیز کو وجود کی نعمت اور ہستی کی خلعت سے سرفراز نہیں کیا جو عبث و بے کار ہو، لہذا حقیقت انسانیت کا کوئی جز جسمانیت یا روحانیت اگر بے فائدہ والا حاصل ہوتا تو فطرت کی دنیا میں اسے جگہ نہ ملتی، اور قدرت خدا اس کو ہرگز پیدا نہ کرتی۔

ظاہر ہے کہ دونوں جزوں (بدن و روح) میں سے کسی ایک جزو کو فنا کر دینے کا نتیجہ خاتمہ انسانیت ہے، اس صورت میں آدمی یا خالص مادی یعنی حیوان ہو گا، یا جس فرشتہ جس کو اس دنیا کی مادیت و جسمانیت سے واسطہ نہیں، صورت انسانیت بہر حال بے شر و لا حاصل رہے گی۔

انسان حیوان بن کر بھی غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بن سکتا

یہاں یہ بات نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے کہ اگرچہ انسان حیوان بلکہ حیوان سے بدتر ہو سکتا ہے مگر اپنی عقلی فطرت اور اس کے تنائج سے الگ نہیں ہو سکتا۔ وہ خالص حیوان بن سکتا ہے مگر حیوان کی طرح غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بن سکتا۔ عقلی فطرت نے اس کو ہستی کے پاؤں میں جو ذمہ دار یوں کے بندھن ڈال رکھے ہیں ان سے آزادی ناممکن ہے وہ مادیت و جسمانیت میں شدت انہاک کی وجہ سے تو حیوان بن سکتا ہے، لیکن حیوانوں کی طرح خوف باز پر خطرہ و مسئولیت سے آزاد نہیں ہو سکتا ہے، ہی طرح انسان ترک دنیا کے ذریعہ فرشتہ بن جانے کی کوشش کر سکتا ہے، مگر فرشتوں کی طرح مادی دنیا سے فطری بے نیازی واستغنا حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ مادی مخلوق ہے اس کی پروش چمنستان دنیا ہی میں ہونا ہے اس کے خل ہستی نے اس چین کی ہوا کھا کر نشوونما پائی ہے اور اسی چین میں بہر حال اس کو رہنا ہے، پھر اس کی یہ

کوشش کے چین دنیا کی ہوانہ لگے جھض نا کام کوشش ہو گی وہ مجرد فرشتہ کبھی نہیں بن سکتا اور بالفرض اس کو مرتبہ ملکیت حاصل بھی ہو جائے تو انسانیت کا فطری شرف کھو بیٹھے گا، جس کی بنا پر وہ مسحود ملائکہ بنایا گیا تھا۔ فرشتے نمائندہ انسانیت کے آگے سر سمجھو تقطیم ہوئے تھے نہ کہ نمائندہ ملکیت کے سامنے انسان کے لئے باعث شرف و مکال اس کی انسانیت ہے نہ کہ ملکی طبیعت اس امر کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اس بات میں استباہ نہیں ہو سکتا کہ روح و بدن کے مجموعہ مرکب انسان کے لئے مناسب فطری وہی نظام معيشت ہو سکتا ہے جو روح و بدن دونوں کی خواہشوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہو جس میں دونوں کو حسب منشاء فطرت ایک ساتھ قوت پانے اور نشوونما کے درجہ تک پہنچنے کا بندوبست کیا گیا ہو۔ بنابر اصول عدل و انصاف اس کا انتظام موجود ہو کہ روحانیت و جسمانیت دونوں میں کسی کے حق میں ظلم واقع نہ ہونے پائے جہاں دونوں کے مفاد نکراتے ہوں ان میں صلح و اعتدال کی حالت پیدا کر دی گئی ہو، حاصل کلام یہ ہے انسان کے لئے ایسا ہی نظام معاشی درکار ہے جو اس کو حقیقی معنوں میں انسان بنائے۔ ایسے نظمات جن کا نصب لعین اور انجام خالص جانور یا مجرد فرشتہ بناتا ہو حسب حال انسان اور نظام اسلامی نہیں ہو سکتے، نظام اسلامی بس وہی ہو سکتا ہے جو اپنی جامعیت و وسعت و اعتدال پسندی کی وجہ سے روحانیت و جسمانیت دونوں پہلوؤں کو مطمئن اور ترقی یافتہ کر سکتا ہو۔ یہ مقام نازک ہے، عقل کے قدم یہاں اکثر پھسل جاتے ہیں، لہذا تو پنج کے لئے کچھ اور کوشش نفع سے خالی نہ رہے گی، ہم کو غور کرنا چاہئے کہ ہم کھاتے پیتے، چلتے پھرتے سوتے جا گتے اور جسمانی لذات سے مسرت اندوڑ ہوتے ہیں پھر کیا ہم انھیں صفتوں کی وجہ سے انسان ہیں؟ اور کیا یہ نظر یہ درست اور مناسب حال انسانیت ہو سکتا ہے؟ اور ہم جھض کھانے پینے، سونے جانے اور چند روز عیش و طرب کے سامانوں میں رہ کر ہمیشہ کے لئے آغوش عدم میں چلے جانے اور ہمکنار فتا ہو جانے

کے واسطے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہم کو دنیا ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور زندگی دنیا ہی تک ہمارا مقصد ہستی محدود ہے ہماری زندگی کے مقاصد دنیا سے آگے نہیں بڑھتے؟ کیا دنیا کامال و دولت اور آرام و چین ہی انسانی سعادت و اقبال مندی و خوش نصیبی کی انتہا ہے؟ عقل انصاف پرور سے پوچھا جائے تو اس کا جواب یہی ہو گا کہ اگر انسان کو محض حیوان صفت بنانا ہوتا، اس کی غرض خلقت زندگی دنیا تک محدود ہوتی، اس کا وجود صرف اس لئے ہوتا کہ چند روزہ زندگی میں کھائے، پیئے، چین کرے اور بالآخر ہمیشہ کے لئے پیوند خاک ہو جائے تو اس کو قوت عقل و شعور نہ دی جاتی اور اس کو انعام بیس نہ بنا یا گیا ہوتا کیونکہ ان چیزوں کو اس کے مقصد ہستی سے کوئی مناسبت نہ ہوتی، اور نہ اس کو اس مقصد کی تکمیل میں ان کی ضرورت پڑتی، بلکہ یہ چیزیں اس کے مذکورہ بالا مقصد ہستی میں بڑی رکاوٹ ہیں، عقلی غم انگیز و شعور انعام بیس اور فکر رخ خیز کا حاصل زندگی دنیوی کی بے لطفی و بد مزگی کے سوا اور کیا ہے، انھیں رکاوٹوں کی بدولت انسان حیوانوں کی طرح خالص اور مکمل سکون دل و بے فکر کی زندگی سے محروم ہے، غم فرط اور رنج دنیا اس کو مکمال عیش و طرب سے روکتا ہے، اس لحاظ سے حیوانات کا حال انسان سے کہیں بہتر ہے، ان کے خیالات کے شیرازے کو حادث دنیا پر بیشان نہیں کرتے ان کے سکون دل میں کوئی خیال فکر انگیز خلل انداز نہیں ہوتا، غبار رخ و مال دنیا سے ان کے آئینہ ہائے دل مکدر نہیں ہوتے وہ اپنی خواہشوں کی تحصیل میں آزاد ہیں۔ ان کی دنیا یعنی عیش و مسرت میں غم فردا و رنج عاقبت کی آندھیاں نہیں اٹھتیں اور غبار فکر انعام محيط فضائیں ہوتا۔ لہذا سیر عقل و ہوش و کشیہ خرد تفکر خیز انسان جسمانی لذتوں اور مسرتوں کے خالص اور کامل ہونے میں آزاد حیوانوں کا مقابلہ کیونکر سکتا ہے؟

جن دماغوں میں اس خیال کی پروش گاہ ہے کہ انسان محض دنیا کے لئے پیدا کیا گیا

ہے۔ وہ دراصل انسانیت و حیوانیت کا دقيق و لطیف تفرقة امتیاز سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتے، اگر ان میں قوت تمیز ہوتی تو اس حقیقت سے ناواقف نہ رہ جاتے کہ حواس کی دنیا عالم حیوانیت ہے اس عالم سے آگے قدم نہ بڑھانے والے کے لئے قوت عقل و ملکہ انجام بینی کی ضرورت نہیں، بد نی وحشی لذتوں اور مسرتوں کے لئے صرف حواس ظاہرہ کی صحت و قوت کی ضرورت ہے، عقل و شعور و قوت انجام بینی کا وجود نہ فقط غیر ضروری بلکہ باعث ضرر ہے، چونکہ حیوانات بس اسی دنیا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان کی زندگی کے مقاصد و اغراض میں ماوراء عالم جسمانی و مادی کسی اور دنیا کا تصویر نہیں لہذا فطرت نے ان کو جو ہر عقل و شعور سے دور رکھا اور صرف حواس ظاہرہ بخشش اور انسانی مشاعر حسی سے زیادہ تو یہ اور مکمل حسی تو تین عطا کیں جن کی وجہ سے وہ جسمانی لذات کو حسب خواہش دل بغیر کسی عقلی مزاحمت اور فکری رکاوٹ کے بھر پور حاصل کرتے ہیں۔ ان کے فطرت کے خزانے کا جو ہر عقل و شعور سے خالی رکھا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ محض حیوانی زندگی بس کرنے اور دنیوی نعمات و لذات سے بہرہ مند ہونے کے لئے عقل و خرد کی حاجت نہیں ہے۔

حیوانیت و انسانیت کے حدود

حسوس ظاہرہ کی دنیا عالم حیوانیت ہے انسانیت کی حدود ہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے نور عقل کا ظہور ہوتا ہے، اور اس کا ظہور یہ ثابت کرتا ہے کہ انسانیت کا علاقہ اس دنیا سے بھی ہے جس میں حواس ظاہرہ کام نہیں دے سکتے۔ اور اس کو ایسی لذتیں اور مسرتیں کبھی نصیب ہو سکتی ہیں جن سے حواس ظاہرہ نا آشنا ہیں، جو لوگ محض ظاہر حیات دنیا کا تصویر رکھتے ہیں وہ حیوانیت و انسانیت کے دقيق فرق اور حقیقت انسانیت کے مقصد ہستی کا حیوانی غرض خلقت سے امتیاز نہیں کر سکتے وہ اس سے غافل ہیں کہ انسان اگرچہ حیوان بھی ہے اور انسانیت

میں حیوانی حصے بھی موجود ہیں مگر صرف وہی مقصود فطرت نہیں ہیں بلکہ یہ حصہ اس لئے رکھ گئے ہیں کہ انسانیت کو خالص ملکیت سے امتیاز پانے میں ان کی حاجت تھی۔ اور ملکیت پر انسانیت کا تفوق ان کی امداد اور اشتراک و تعاون کے بغیر ممکن نہ تھا، انسان کی مرکب فطرت کو سمجھنے والے اس میں شبہ نہیں کر سکتے کہ اس کو ایسے ہی نظام معيشت کی ضرورت ہے جو اس کو خالص حیواناتہ بنائے۔ گواں سے حصہ حیوانیت کی حق تلفی بھی نہ ہونے پائے کیونکہ اس صورت میں وہ فنا ہو کر وجود انسانیت کو بھی ناممکن بنادے گا۔

ایسا جامع نظام وہی ہو سکتا ہے جو اخلاقی بنیادوں پر مرتب کیا جائے اور حیوانیت و انسانیت کے درمیان حالت اعتدال پیدا کرنے والا ہوتا کہ دنیوی معيشت کے وسیع وسائل و اسباب سے اس طرح فائدہ حاصل کیا جاسکے کہ انسان کی عقلی و اخلاقی ترقی میں سدراء نہ بنیں اور حیوانی حصہ معتدل و ترقی یافتہ ہو کر انسانیت کا مددگار بن سکے، وہ نظام جو اس کے خلاف ہو وہ انسانی فطرت کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا۔

سگ دنیا بن جانا آسان ہے مگر انسان عادل بننا مشکل ہے اسی طرح تارک الدنیا و زاہد، خشک بن جانا سہل ہے مگر مرد باعمل بننا دشوار ہے یہی وجہ ہے کہ محض دنیا دار روزاہد خشک عالم میں بکثرت پائے جاتے ہیں، اور انسانی عقولوں نے افراد انسانی کے لئے ابتداء تہدن سے آج تک جتنے نظمات تیار کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی افراط و قفریط اور بے اعتدالی سے خالی نہیں۔

عالِم کے غیر معتدل نظمات معيشت کی دو قسمیں

ایک قسم ایسے نظمات کی ہے جو آدمی کو محض دنیا دار و آخرت فروش بناتے ہیں اس کو نہ ماوراء دنیا زندگی کا تصور ہو سکتا ہے اور نہ اس کی طرف کسی طرح کی اصلاحی توجہ، ایسے ہی لوگوں کا

تذکرہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

(۱) يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ
(سورہ روم: ۷) ”یہ لوگ بس ظاہر زندگی کو بنا کر جاتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔“

(۲) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَرَيَّنَتْهَا نُوقَ إِلَيْهِمْ أَعْمَالُهُمْ فِيهَا وَهُمْ
فِيهَا لَا يَكِيدُونَ . أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبَطَ مَا صَنَعُوا
فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ . (سورہ ہود: ۱۶)

”جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی آزمائش و زینت کا خواہاں ہے ہم اس کے کاموں کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دیدیں گے وہ لوگ اس معاملے میں گھاٹے میں نہیں رکھے جائیں گے، مگر یہ لوگ وہ ہیں جن کے لئے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں، ان لوگوں کی تمام کارگزاریاں اکارت جائیں گی اور دنیا میں جو کچھ کیا کرتے تھے وہ سارے اعمال ملیا میٹ ہو جائیں گے۔“

دوسری قسم ان میں سے ایسے نظمات کی ہے جن کو اختیار کرنے کا حاصل غیر معتدل زہد کے طریقوں پر لگ جانا ہے جس انسان کے لئے نہ صرف دنیا و ما فیها بلکہ خود اس کی ہستی بھی سر اسرمہل، عبث ولا حاصل ہو جاتی ہے اس کی زبان حال، ارشادِ رباني: ”ربنا ما خلقت هذا باطلا“ کی تصدیق کرنے پر تیار نہیں ہوتی اور وہ عملی طور ہر فرمان خداوندی: ”جعل لكم ما في الأرض جميعا“ کو جھلاتا ہے غرض اس کے فلسفہ زندگی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ عالم انسانیت سے اس کو نفرت ہوتی ہے اور تمام دنیا اور خود اس کا دفتر وجود بھی بالکل بے معنی و بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔

صرف اسلام کا نظام معاشی معتدل اور مطابق فطرت انسانی ہے

ان غیر معتدل کے درمیان مسلک اعتدال وہ ہے جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے جناب رسول خدا اور آئندہ حمدی اور ان حضرات کے ساتھ، عارفین کی سیرتیں جس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اس کا خلاصہ علامہ مجلسیؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

انهم ما کانوا یاخذون الدنیا بل الذین و ما کانوا یتربصون و یهجرون
الدنیا باللکلیة و ما کان لهم فی الامور تفریط ولا افراط بل کانوا بین ذالک
تعاما و ذالک هو العدل والوسط بین الطرفین و احباب الامور الی الله تعالیٰ
(شرح اصول کافی، ج ۲، ص ۳۰۹)

”یہ حضرات دنیا کو دنیا کے واسطے نہیں بلکہ دین کے واسطے طلب کرتے تھے رہبانت اور کا طریقہ اور دنیا کو بالکل ترک کر دینا اس کا شیوه نہ تھا ان امور میں افراط و تفریط ان کے یہاں نہ تھی بلکہ وہ حد اعتدال پر قائم تھے اور یہی بات خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے۔“

اعمال انسانی کی بنیاد و قسم کے نظریے ہیں:

نظریہ الحاد ولامہ ہبی اور نظریہ خدا پرستی

چشم: دنیا میں دو قسم کے نظریہ و فلسفہ انسان کے اعمال کے بنیاد بنتے ہیں ایک نظریہ الحاد ولامہ ہبی اور دوسرا فلسفہ خدا پرستی تو ایمان باللہ والیوم الآخر .

ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں کا انسانی اخلاق و کردار پر کیا اثر ہوتا ہے اور ان کی بنیاد پر جو قوانین بنائے جائیں گے ان کی نوعیت کیا ہوگی؟۔

نظریہ الحاد ولامہ ہبی کا خلاصہ یہ ہے کہ ”ہستی میں کوئی غاذیہ نہیں ہے جو انسانی افعال کا دیکھنے والا اور ان پر باز پرس کرنے والا ہو، مم آزاد مطلق ہیں، ہم کو اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں کسی نہیں طاقت کا خوف نہ ہونا چاہیے زندگی دنیا ہی تک محدود ہے، ہمارے افعال کی طرح ان کے ثرات و نتائج بھی دنیوی زندگی ہی تک ختم ہو جاتے ہیں اسے کون نہیں جانتا کہ ہر ظاہر و باطن کے رقبہ و ناظر خدا، اور جزا اور روز جزا کے انکار کے بعد انسان ہوا وہوس اور نفس امارہ کی مطلق العنانی کی روک و تھام دشوار ہو جائے گی جب انسان یہ سمجھ لے گا کہ زندگی چندروزہ ہے یہاں دنیا کی مدت قلیل کے بعد ہمیشہ کے لئے خزاں ہی خزاں ہے تو اسے کوئی اخلاقی قوت دنیا کی نعمتوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے ان سے زیادہ سے زیادہ لذت یا بہتر ہونے سے روک سکے گی بندہ حرص و ہوابن جانے اور بھیانہ جذبات پر دل کھول کر عمل کرنے سے کوئی چشم نمائی کرنے والا نہ ہوگا، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیاۓ الحاد ولامہ ہبی نے ”حیا و قناعت“ ایسے گرانقدر اخلاق کو فلسفہ اخلاق سے خارج کر دیا گیا ہے، ایسا ہی ہونا ہی چاہیے تھا۔

واقف رموز فطرت پیامبر اسلام فرمائے گئے ہیں: ”لا دین لمن حیا له“ یعنی دین نہ تھی بلکہ وہ حد اعتدال پر قائم تھے اور یہی بات خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے۔“

اور حیا میں تلازم ہے جہاں ایک نہیں وہاں دوسرا بھی نہیں ہوگا اور جب حیانہ ہوگی تو آدمی کے اعمال و کردار پر کوئی پابندی روک لوک باقی نہ رہ جائے گی۔

حدیث نبوی میں ہے: ”اذا لم تستحي فافعل ما شئت“
”جب تم میں حیا و شرم نہیں ہو تو جو چاہکرو،“

اسی طرح باعث ظہور خلق و قناعت صرف امید مستقبل و آرزوئے فردا ہو سکتی ہے یعنی یہ توقع کہ آج کی کمی کل پوری ہو جائے گی۔ جہاں نہ دین ہوگا نہ حیانہ قناعت نہ مستقبل کی توقع اور آئندہ کی امید، وہاں نفس امارہ کا آزاد مطلق ہو جانا لازم ہوگا۔ آدمی اس خیال کو دل و دماغ میں جگہ پانے سے روک سکے گا کہ جتنا ممکن ہو دنیا میں کھاپی لو، چین کرو، عیش و عشرت اور

لذت و سرت کے اسباب فراہم کرنے میں کمی نہ کرو، عیش کو شی اور متاع دنیا کی ذخیرہ اندوزی میں کمی بہمیشہ کے خسارہ کا باعث ہوگی، چونکہ مذکورہ بالا خیال و نظریہ کے تحت ہر فرد بشر اسی رحص وہوا ہوگا اس کی بہت فکر دنیا طلبی کے میدان میں مقید و محدود نہ ہوگی۔ لہذا افراد انسانی میں بغرض و حسد تفاخر و تکاثر کے جذبات ابھریں گے جن کا انجام بدنظری عالم اور ہمہ گیر فتنہ و فساد ہوگا، امن و امان اور سکون و اطمینان کی نعمت میسر نہ ہو سکے گی آدمی کی غیر معتدل دنیا طلبی اس کو دین کی طرح دنیا سے بھی محروم کر دے گی، افراط ہوں دنیا کی بدولت عیش زندگی ناپید ہو جائے گا، اور انسانی احوال اس تصویر کے عین مطابق ہوں گے جو اس آیت قرآنی کے آئینہ میں دکھائی گئی ہے:

”ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرُتُ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُنُوْعِ وَالْحُوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ“
(سورہ نحل: ۱۱۲)

”خدا نے ایک گاؤں کی مثل بیان کی جس کے باشدے امن و چین میں مطمئن زندگی گزارہ ہے تھے ہر طرف سے ان کی روزی با فراغت چلی آتی تھی۔ مگر ان لوگوں نے نعمات الہیہ کی ناشکری کی تو خدا نے ان کے کافرانہ کرتو توں کی بدولت بھوک اور خوف کو ان کا اوڑھنا اور بچھونا بنادیا“

کیا آج نام نہاد عقلاء عالم کی شامت اعمال اور الحاد پرستی و انکار خدا اور روز جزا کے تاریک جذبات کے ماتحت بنائے ہوئے نظمات ہی کا یہ نتیجہ نہیں ہے کہ خوف و حراس اور فاقہ مستی کی کالی گھٹاؤں نے عالم انسانیت کو گھیر لیا ہے؟ اور ان کے ملدانہ نظریات و اصول ہی کا یہ تلخ شمرہ نہیں ہے کہ عام خلائق کو معاشی مشکلات کا سامنا ہے؟ ہوں دنیا کے بندے خیر دنیا سے

بھی اس طرح محروم ہوتے جاتے ہیں جس طرح وہ حسن آخرت سے مایوس تھے؟ دنیا کے حال خراب کی زبان پر عبرت و نصیحت کے پیغام تو بہت ہیں، مگر سننے والے بہت تھوڑے بلکہ ناپید ہیں۔

نظریہ مادیت والحاد اور نظریہ خدا پرستی کے متعلق مفصل بیان قرآنی بشكل مکالمہ

نظریہ خدا پرستی اور ایمان باللہ ہو ایمان باللہ ہو ایمان بالیوم الآخر پر جو نظام معیشت قائم کیا جائے گا اس کی صورت حال مذکورہ بالانواعیت سے مختلف ہوگی یہ دونوں نظریے مع اپنے نتائج کے قرآن مجید میں بصورت مکالمہ مونمن و مخدود مذکور ہیں:

(ترجمہ) ”اے پیغمبر ان لوگوں سے بیان کرو میں ان دو شخصوں کی جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ عطا کئے تھے، اور خرے کے درختوں سے ان باغوں کو گھیر دیا تھا، اور ان دونوں باغوں کے درمیان زراعت بھی قرار دی تھی۔ وہ دونوں باغ خوب پھل لائے پھل لانے میں کچھ کمی نہیں کی اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کر دی تھی۔ وہ شخص اپنے ساتھی سے جو اس سے با تین کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں مال میں تجھ سے زیادہ ہوں، اور جنت کے اعتبار سے تم سے زیادہ باعزم ہوں (یہ با تین کہتا ہوا) وہ اپنے باغ میں داخل ہوا درحالیکہ وہ (کفران نعمت خدا کی وجہ سے) اپنے اوپر ظلم کر رہا تھا، (وہاں) وہ بول اٹھا کہ مجھے تو اس کا گمان نہیں کہ یہ باغ کبھی بر باد ہو جائے گا۔ اور مجھے یہ خیال نہیں ہوتا کہ کبھی قیامت بھی آئے گی اور (بالفرض) میں پروردگار کے پاس لوٹایا گیا تو (وہاں بھی) اس سے اچھی جگہ یقیناً پاؤں گا، (یہ با تین سن کر) اس کے ساتھی نے جو اس سے با تین کر رہا تھا یہ کہا کہ تو اس پروردگار کا منکر ہے جس نے تجھے خاک سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے، پھر تجھے معتدل و درست قد

وقامت کا آدمی بنایا۔ لیکن ہم تو (یہ کہتے ہیں کہ) وہی خدا میرا پالنے والا ہے، میں اس کا کسی کو شریک نہیں بناتا، جب تو نے باغ میں قدم رکھا تو یہ کیوں نہ کہا کہ ماشاء اللہ (یہ خدا ہی کی مرضی سے ہے) لا حول ولا قوۃ الا باللہ (سب قوت اور بل بوتے بس خدا ہی کے دنے ہوئے ہیں، اگر مال واولاد کی تجھے میرے پاس کی دکھائی دیتی ہے تو عنقریب خدام مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ عطا کرے گا۔، اور تیرے باغ پر کوئی ایسی آفت آسمان سے نازل کرے گا جس سے وہ صاف چٹیل میدان بن جائے گا، یا اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے گا، پھر تجھے ڈھونڈھنے سے نہ ملے گا (چنانچہ ایسا یہی ہوا) عذاب خدا نے اس کے چھلوٹ کو گھیر لیا تب وہ کف افسوس ملنے لگا (نظر کے سامنے) باغ الٹا پڑا تھا اور وہ محسرت کہہ رہا تھا کہ کاش میں پروردگار کا شریک کسی کو نہ بناتا۔“

(سورہ کہف، آیات ۳۲ تا ۴۲)۔

انسان کا اہم مقصد خوف وحزن سے نجات ہے اور وہ صرف زبانی ہدایت نامہ سے پورا ہو سکتا ہے

انسان کا سب سے بڑا مقصد زندگی یہ ہے کہ خوف وحزن سے نجات پائے اور امن و امان و خوشحالی اس کو میسر ہو، قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ زندگی کے طریقوں کی طرف ہدایت کرنے کا ذمہ دار خدا ہے۔ اَنَا علِيْنَا لِلْهَدِیٰ ”راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے“ اور خدا ہی کے ہدایت نامہ پر چلنے اور عمل کرنے سے انسان خوف وحزن سے نجات پاسکتا ہے:

(ترجمہ) ”ہم نے یہ کہہ دیا کہ تم سب یہاں سے اتر پڑو تھا رے پاس اگر میری طرف سے ہدایت آئے تو (اس کی پیروی کرنا) جو لوگ میری ہدایت پر چلیں گے ان کے واسطے نہ خوف ہو گا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے،“ (سورہ بقرہ: ۳۸)

جس دستور ہدایت کی جانب اس آئیہ مبارکہ میں اشارہ ہے وہ نظام اسلامی ہے جس کی ابتداء انسانیت کے سب سے پہلے نمائندے حضرت آدم سے ہوئی، اور حسب رفتار زمانہ نسل انسانی کی ترقی پذیری کے ساتھ ارتقاء کے درجے طے کرتا ہوا حضرت خاتم المرسلینؐ کے ذریعہ سے مرتبہ کمال کو پہنچا اور وہ آج دنیا کے سامنے موجود ہے، اس کے بنیادی نظریات وہ اصول کا مجمل خاکہ یہ ہے:

اسلام کے نظام معاشی کا مختصر خاکہ انسان کا خدا سے تعلق

(۱) انسان مخلوق خدا ہے اور خدا ہی اس کا پالنے والا اور امیدوں کا سہارا ہے لہذا اس سے ایسے تعلقات کا قائم کرنا ضروری ہے جو خالق مخلوق کے درمیان مناسب ہوں۔

انسان تنہا نہیں پیدا کیا گیا

(۲) انسان دنیا میں تنہا نہیں پیدا کیا گیا ہے، بلکہ سفر ہستی میں اس کے رفیق اور نعمت وجود میں اس کے شریک دوسرے افراد بھی ہیں۔ جو اسی کی طرح انسان اور خدا کی مخلوق ہیں، اور ملک خدا میں ان کے حقوق بھی اسی کے برابر ہیں، نیز کمال زندگی تہائی و عزالت کی زندگی نہیں۔ انسان طبعی طور پر اپنے بھجنوں کے تعاون و اشتراک عمل کا محتاج ہے بغیر اس کے وہ اپنے ضروریات زندگی و لوازم معيشت کو مہیا نہیں کر سکتا، لہذا از روئے انصاف حقوق و منافع میں ان کو اپنے برادر کھانا چاہیئے، انسانی جماعت کی مثال بدن انسانی کی ہے اور ہر فرد اس کے عضو کی حیثیت رکھتا ہے اگر اعضاء دکھ و درد میں باہم شریک نہ ہوں تو اس کا انجمام فساد بدن ہے۔ بدن جو غذا حاصل کرتا ہے وہ تمام اعضاء بدن میں حسب ضرورت و مناسب حالت تقسیم ہوتی ہے، کوئی عضو دوسرے کے لوازم و ضروریات میں مزاحمت نہیں کرتا اگر ان میں فطری رواداری نہ

ہوتی تو نظام بدن بگڑ جاتا۔ لہذا ہر فرد بشر کو اپنے دوسرے ہم جنسوں کے ساتھ سلوک میں اسی مثال پر چلتا ہوگا۔ انفرادی و شخصی خیر منفعت کو اجتماعی مفاد اور بہبود سے الگ نہ ہونا چاہیے۔ انسان کی حرکات عمل کو ایسا ہونا چاہیے۔ جو اس کے ذاتی خیر کا باعث ہوں اور دوسروں کے فائدے کا سبب بھی۔

اگرچہ انسان دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے مگر دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے

(۳) اگرچہ آدمی دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے غرض خلقت انسانی، دنیا اور اس کی نعمتیں نہیں مگر دنیا و ما فیہا کی پیدائش انسان ہی کے لئے ہوئی ہے انسانی ہستی کو ہٹالینے کے بعد خلقت دنیا بے فائدہ ٹھہر تی ہے لہذا ہر فرد انسانی کو دنیا و اسباب دنیا و سامان معیشت سے فائدہ حاصل کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

دنیا و ما فیہا میں تصرف کی دو ضروری شرطیں

(۴) مگر دنیا و ما فیہا پر تصرف کا حق قائم کرنے کے لئے دو شرطوں کا لحاظ ضروری ہے:

(اول) دنیا اور ما فیہا اور خود انسان کا خالق و مالک حقیقی بھی خدا ہی ہے اس کا حق تصرف خدا ہی کا عطیہ ہے، اس لئے ہمارے تصرفات کا خدا کے حقوق مالکانہ سے تصادم نہ ہونے پائے، حدیث میں ہے کہ ”حقیقت عبودیت یہ ہے کہ خدا کی دنیوی بخششوں کو اپنی ملکیت نہ جانے بلکہ مال دنیا کو مال خدا سمجھئے، اور خدا کے فرمان کے مطابق اس میں تصرف کرے۔

دنیوی زندگی سلسلہ حیات کی ایک کڑی ہے

(۵) انسان کی مدت حیات فقط زندگی دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دور زندگی دنیا حیات بے پایاں کا ایک حصہ ہے، عمر والی اس سلسلہ زندگی کا ایک ٹکڑا ہے، جس کی کوئی انہتا نہیں، موت اس سلسلہ زندگی کو ختم نہیں کرتی، بلکہ اس کے ایک دور کو تمام کرتی ہے۔ جس کے بعد دوسرا دور حیات شروع ہوتا ہے، موت قطع رشیۃ حیات کا نام نہیں بلکہ انقلاب دور حیات و طرز زندگی و انقال مکانی کا نام ہے، اور فقط روح انسانی ہی کے لئے بقاء دوام نہیں، بلکہ موت کی تفرقہ اندازی کے ہاتھوں پچھڑا ہوا بدن بھی ترقی یافتہ صورت میں پھر وابستہ روح کر دیا جائے گا، اور اس طرح جو انسانی حقیقت دنیا میں تھی وہی عالم آخرت میں بھی تاادر ہے گی۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہر آدمی کو کار بار دنیا میں یہ خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ دور زندگی دنیا کے بعد بھی ایک دور زندگی ہے، لہذا اس زندگی کا تعلق دوسرے دور حیات سے منقطع نہ ہونے پائے، جس طرح ہر مرد عاقل کی کار بار دنیا میں ہر روز کی سمعی محض اسی روز کے لئے نہیں ہوتی بلکہ آنے والے ”کل“ کے لئے بھی ہوتی ہے ان کی نظر ہر حال میں مستقبل پر بھی رہتی ہے، آج کوئی ایسا قدم اٹھانا پسند نہیں کرتا۔ جس سے ”کل“ گرفتار مصیبت ہو جائے، اور جس طرح اس کی ”آج“ کی سمعی عمل محض ”آج“ کے لئے نہیں بلکہ ”کل“ کے واسطے بھی ہوتی ہے، اسی طرح یہ خیال رکھنا بھی لازم ہے کہ آخرت کے کام بھی دنیا ہی میں کئے جاسکتے ہیں آنے والے دور حیات کی بھلانی کے لئے بھی دوڑ دھوپ مدت حیات ہی میں کی جاسکتی ہے، لہذا انسانی کوششیں دنیا طلبی میں اس طریقے پر ہوں کہ آخرت سے رشتہ نہ ٹوٹے، دنیا بھی حاصل ہو اور دین بھی، معیشت دنیوی بھی درست ہو سکے اور آخرت کی زندگی بھی۔

اسلام کا یہ وہ مخصوص نظریہ ہے جس کی مثال دیگر مذاہب حاضرہ کے فاسفوں میں نہیں

ملقی قرآن مجید و احادیث میں متعدد جگہوں پر اس نظریہ کو واضح کیا گیا ہے:

دنیا بھی انسان کی اور آخرت بھی

چند آیات و احادیث یہ ہیں:

(۱) وَأَنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوا إِلَيْهِ يُمْتَعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى وَيُؤْتَ كُلَّ ذِي فَضْلَةٍ ... (ھود: ۳۷)

”اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی بخشش کی دعائماً گواہ تو بکرو، وہ تمہیں مقررہ مدت تک اچھا سرمایہ زندگی دے گا، اور وہی ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت (کاشرہ) عطا فرمائے گا۔“

(۲) وَابْتَغُ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارُ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبِكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (سورہ قصص: ۷۷)

”خدانے تجھے جو کچھ نعمتیں بخشی ہیں، ان کے ذریعے سے آخرت کے گھر کی بھی جنت تو کر اور دنیا سے جتنا حصہ تیرا ہے اس کو بھی فراموش نہ کر، جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی دوسروں پر احسان کر، اور زمین میں فساد کا خواہاں نہ ہو، بے شک خدا فساد برپا کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

(۳) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيهَ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورہ نحل: ۹۷)

”مرد یا عورت جو آدمی اچھے کام کرے گا اور ایماندار بھی ہو گا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک زندگی بس رکائیں گے، اور آخرت میں ان لوگوں کو اچھے سے اچھا اجر و ثواب دیں گے۔“

(۳) فَاتَاهُمْ اللَّهُ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابُ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (سورہ آل عمران: ۱۲۸)

”خدا نے ان کو ثواب دنیا عطا کیا اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ دیا اور خدا تو نیک کردار لوگوں کو دوست رکھتا ہی ہے۔“

(۵) ...لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ... ”اچھے کام کرنے والوں کے واسطے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو اس سے بہتر ہے۔“ (سورہ نحل: ۱۰)

(۶) حديث نبوی : ”إِنَّ لِنَفْسِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًا فَصُومُوا وَافْطُرُوا وَ قُومُوا وَنَامُوا، فَإِنِّي أَصُومُ وَافْطُرُ وَاقْوُمُ وَانَّمَا وَأَكُلُ اللَّحْمَ وَالدَّطْهَنَ وَآتَى النِّسَاءَ فَمِنْ رَغْبَ عن سُنْتِي فَلِيَسْ مِنِّي“ . (متدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۵۵)

”تمہارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے لہذا روزے بھی رکھو افطار بھی کرو، راتوں کو نمازیں بھی پڑھو اور خواب استراحت بھی کر لیا کرو، دیکھو، میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں نمازیں پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں۔ گوشت و رغن بھی کھاتا ہوں، عورتوں سے ازدواجی تعلقات رکھتا ہوں پھر جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔“

پرہیز گاروں کا دو گنا حصہ

حضرت امیر المؤمنینؑ کا ارشاد ہے :

وَاعْلَمُوا عِبَادَ اللَّهِ أَنَّ الْمُتَقِينَ ذَهَبُوا بِعَاجِلِ الدُّنْيَا وَآجِلِ الْآخِرَةِ . فَشَارِكُوا أَهْلَ الدُّنْيَا فِي دُنْيَاهُمْ وَلَمْ يُشارِكُوهُمْ أَهْلَ الدُّنْيَا فِي آخِرَتِهِمْ . سُكُنُوا الدُّنْيَا بِأَفْضَلِ مَا سُكِنَتْ وَ اكْلُوهَا بِأَفْضَلِ مَا اكْلَتْ فَحْظُوا مِنَ الدُّنْيَا بِمَا حَظِيَ بِهِ

المترfon و اخذوا منها ما اخذہ الجبارۃ المتکرون . ثم انقلبوا عنہا بالزاد المبلغ و المتجر الرابع . اصابوا لذة زهد الدنيا في دنیاهم و تیقنو انہم جیران اللہ غدا فی اخترتھم لا تردهم دعوہ ولا ینقص لهم نصیب من لذة .
(نحو البلاغہ، نامہ ۲۷)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے ”بندگان خدا! یہ جان لو کہ پرہیز گارلوگ دنیا و آخرت دنیوں کی منفعت حاصل کر کے گذر گئے وہ اہل دنیا کے ان کی دنیا میں شریک رہے، مگر اہل دنیا ان کی آخرت میں شرکت نہ کر سکے، وہ دنیا کے بہتر سا کنوں کی حیثیت سے دنیا میں رہے، اور بہتر سے بہتر طریقہ سے دنیا کی نعمتیں کھائیں، لہذا انہوں نے دنیا سے وہ خطا خلایا جو خوشحال ثروت والوں کو نصیب ہوتا ہے، اور وہ چیزیں بھی لیں جو کبر و جرودت کے متواuloں کو میسر ہوا کرتی ہیں پھر اس دنیا سے منزل عادت آخرت تک پہنچانے والے تو شے اور پر منفعت تجارت کے ساتھ واپس گئے، انہوں نے دنیا میں زہد دنیا کی لذت چکھی اور یہ یقین بھی رکھتے تھے کہ کل کے آخرت میں خدا کے ہمسایہ ہوں گے نہ ان کی دعا بارگاہ الہی سے رد ہوگی۔ اور نہ لذت کا کوئی حصہ ان کے لئے کم ہوگا۔“

ارشاد حضرت صادق آل محمد: لیس منا من ترك دنياه لا خرته و اخرته لدنياه . (لئال الاخبار، ص ۱۵۳۔ وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۷۷)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے ”وَهُنَّ مِنْ سَيِّدِنَا يَوْمَ الْحِسْنَى“ کو آخرت کے لئے یا آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑتا ہو،

ان تمام آیات و احادیث سے دین اسلام کا یہ نصب اعین ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا بھی انسان ہی کے لئے ہے اور آخرت بھی اسی کے لئے اور وہی نظام زندگی و دستور حیات مناسب

حال انسان ہو سکتا ہے جس کے ذریعہ سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہو اور دین اسلام کے سوالیں جامع و حاوی نظام و دستور العمل اور کوئی نہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہو گا۔

خدا کو بھولنے کا انجام ضيق معیشت ہے

(۹) نظریہ اسلامی یہ ہے کہ جس نظام معیشت کی بنیاد یاد خدا سے غفلت پر ہو گی وہ انسان کی خوشحالی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا، یاد خدا سے منہ موڑ کر انسان کو کشاورہ معیشت میسر نہیں ہو سکتی، اس طرح آخرت کو بھول کر دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں سرشار رہنے کا انجام یہ ہے کہ ابدی زندگی خراب ہو جائے گی اور داعیٰ ناکامی کا سامنا ہو:

(۱) وَمَنْ أَغْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْگًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى (سورہ طہ: ۱۲۲)

”جس نے میری یاد سے منہ موڑا تو اس کے لئے زندگی تنگ ہو جائے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن انداھا اٹھائیں گے۔“

(۲) ... أَدْهَبْتُمْ طَيَّاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَأَسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُنُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسِقُونَ . (سورہ احتقاف: ۲۰)

”تم اپنے حصہ کی اچھی لذتیں زندگی دنیا میں ہی ختم کر چکے اور اس زندگی میں تم نے خوب چیزوں کے لئے اور آج تم پر رسوائیں کیے اس لئے کہ تم روئے زمین پر ناحق اکڑتے تھے اور بدکاریاں کرتے تھے۔“

لہذا وہ ایسا نظام زندگی پیش کرتا ہے جس سے یاد خدا سے غفلت نہ ہو، خالق سے رشتہ بندگی نہ ٹوٹے اور زندگی دنیا کی خیر و صلاح اخروی زندگی کی مرسوتوں سے پیوست رہے۔

ربط دنیا و آخرت کے متعلق اسلامی نقطہ خیال

اس مقام پر ضروری ہے کہ دنیا و آخرت کا وہ ربط جو اسلامی نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے، اچھی طرح واضح کر دیا جائے، جس طرح آدمی حیوان بھی ہے اور انسان بھی، اس کی حیوانیت کو انسانیت سے ایسا فطری ربط ہے جس کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، اور انسانیت کا کمال بدون اشتراک جنبہ حیوانیت کے ممکن نہیں۔ جس حیوان ہی، ”عقل و نطق“، کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر نوع انسان بن گئی ہے اسی طرح آدمی کی دنیا کو اس کی آخرت سے علیحدہ کر لینا مشکل ہے اس کی دنیا ہی اس کی آخرت بھی ہو سکتی ہے اسلامی نقطہ نگاہ کے بوجب دنیا و آخرت میں محض نظری و خیالی فرق ہے جس کو محسوس کرنے کے لئے باریک بینی کی ضرورت ہے۔

حقیقت و ماہیت دنیا

”بِحَالُومِ مَلَكِ مُهَدِّيِ زَرَقِي“ کتاب جامع السعادات میں فرماتے ہیں کہ زمین اور اس کی پیداوار یعنی معادن و حیوان، و نبات دنیا کی حقیقت ہے انہیں موجودات کو دنیا کہتے ہیں ان سب کو خداوند عالم نے اپنے ارشاد میں یکجا بیان کر دیا ہے:

رِزْيَنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنِ الْسَّاءِ وَالْبَيْنَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقْنَطَرَةِ مِنَ الْذَّهَبِ
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا .

”لوگوں کی مرغوب چیزوں مثلاً عورتوں بیٹوں سونے چاندی کے لگے ہوئے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمده گھوڑوں مویشیوں اور ہیئت کی محبت اچھی کر کے دکھائی گئی ہے یہی سب چیزیں سرمایہ حیات دنیا ہیں“۔ (آل عمران: ۱۲)

مقصد اور طریقہ تخلیص پر

دنیا کے مددو ج اور مذموم ہونے کا مدار ہے

طریقہ تخلیص اور مقصد کے لحاظ سے دنیا بدل جاتی ہے اختلاف نظر سے دنیا کے اوصاف میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی اسلامی نقطہ نگاہ سے کہیں قسمیں ہو جاتی ہیں۔ دنیا کبھی مددو ج و مستحسن ہوتی ہے اور کبھی قابل مذمت، مال دنیا کبھی فضل خداوندی و امداد لیتی ہوتا ہے اور کبھی فتنہ و فساد و متعاق غرور ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کا ارشاد ہے:

دنیا کی دو قسمیں ہیں

الدنيا دنيا آن دنيا بلاغ و دنيا ملعونه،

”دنیا و طرح کی ہے، ایک وہ دنیا جو انسان کے لئے کافی ہے اور دوسری وہ دنیا جو ملعونہ (اور قابل ترک) ہو“۔ (جامع السعادات۔ اکافی: ج ۲، ص ۳۱۷)

قرآن مجید میں دنیا کے مددو ج و مذموم دونوں پہلوؤں کی توضیح کی گئی ہے مذموم پہلو کا تذکرہ جن آیات میں ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

اَعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعْبٌ وَلَهُوَ وَرِزْيَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي
الْأَمْوَالِ وَالْأُولَادِ (سورہ حدید: ۲۰)

”جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور ظاہری آرائش اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش ہے۔“

(۲) وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (سورہ حدید: ۲۰)

”اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے۔“

(۳) إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تفہم: ۱۵)

”تمہارے اموال اور تمہاری اولاد یہ سب تمہاری آزمائش کے اسباب ہیں۔“
اگر دنیا و متعہ دنیا کا مقصد لھو و لعب کھیل تماشہ سرمایہ داری کی وجہ سے مفلسوں اور
ناداروں پر خروناز اکثر مال پیدا کرنے میں ناروا مقابلہ و مسابقات ہے تو یہ دنیا کا براؤ بدنما اور قابل
نفرت رخ ہے۔

نمہ موم دنیا کی تصویر

جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے قابل نہ مت دنیا کی تصویر اس ارشاد میں کھینچی ہے:
الدنيا بمنزلة صورة رأسها الكبر و عينها الحرص و اذنها الطمع
ولسانها الرياء و يدها الشهوة و رجالها العجب و قلوبها الغفلة و لونها الغنا و
حاصلها الزوال (نکالی الاخبار ص ۲۱۔ مدرسۃ الوسائل: ج ۱۲ ص ۳۸)

دنیا بمنزلہ ایک ایسی صورت مجسمہ کے ہے جس کا سرتکبر ہے اور آنکھ حرص ہے کان طمع
ہے زبان ریاء ہے اور ہاتھ خواہش نفس اور پاؤں خود بینی و خود پسندی، قلب غفلت اور رنگ غنا
اور جس کا نتیجہ زوال ہے۔“

دنیا کا قابل مدح پہلو

دنیا کا قابل مدح پہلو آئیوں میں مذکور ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

(۱) فَإِنَّتَشَرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (سورہ جمع: ۱۰)۔
”زمین میں جہاں چاہوآؤ جاؤ اور خدا کے فضل و رزق کی جستجو کرو۔“

(۲) وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (مزمل: ۲۰)
”او بعض لوگ فضل خدار رزق کی جستجو میں روئے زمین پر سفر کریں گے۔“

(۳) وَيُمْدِدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّاتٍ (نوح: ۱۲)

”اور خدامال اور اولاد سے تمہاری امداد کرے گا تمہارے لئے باغ بنائے گا۔“

(۴) إِلَّا شَيْطَانٌ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً

منہ فضلاً... (بقرہ: ۲۶۸)

”شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور بری خصلت بخل کا حکم دیتا ہے اور خدا اپنی
بخشنوش اور فضل و وسعت رزق کا وعدہ فرماتا ہے۔“

(۵) إِنْ تَرْكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ (سورہ بقرہ، ۱۸۰)

”اگر وہ کچھ خیر (مال) چھوڑ جائے تو وصیت کرئے۔“

ان آئیوں میں خدا نے مال دنیا کو اپنا فضل اور اپنی امداد کہا ہے اور خیر سے تعبیر کیا ہے
اور یہ اس کا مستحسن اور قابل مدح رخ ہے جس کو بکثرت احادیث میں بھی واضح کیا گیا ہے:
مال صالح:

(۱) نَعَمُ الْمَالُ الصَّالِحُ لِرَجُلِ الصَّالِحِ (اصول کافی)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ”کیا اچھا ہے مال صالح مرد صالح کے لئے۔“

دنیا آخرت کی اچھی مددگار ہے

(۲) نَعَمُ الْعُونَ عَلَى الْآخِرَةِ الدُّنْيَا . (وسائل الشیعہ)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”دنیا تخصیل آخرت پر اچھی مددگار ہے۔“

پرہیز گاری کر لئے دولت اچھی مددگار ہے

(۳) نَعَمُ الْعُونَ عَلَى تَقْوَى اللَّهِ الْغَنِيِّ (نکالی الاخبار)

”مالداری پر ہیزگاری پر اچھی مددگار ہے۔“

دنیا آخرت کی کیفیت ہے

(۳) الدنیا مزرعۃ الآخرۃ ”دنیا آخرت کی کیفیت ہے“

طلب دنیا کے پاک مقاصد ذاتی نفع کے ساتھ دوسری کی منفعت کا خیال

(۴) من طلب الدنيا استغفارا عن الناس وسيعا على اهله و تعطفوا

علی جارہ لقی اللہ یوم القيامۃ و وجہہ مثل القمر الیلۃ البدر (نالی الاخبار)

رسول اکرم نے فرمایا: ”جو شخص دنیا اس لئے طلب کرتا ہو کہ ذلت سوال سے اپنی آب رو بچائے، اہل و عیال کا تکفل کرے اور ہمسایہ پر مہربان ہو تو قیامت میں پیش خدا اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔“ (الكافی: ج ۵، ص ۹۷)

کسب دنیا کے اعلیٰ مقاصد جو اس کو طلب آخرت بنادیتے ہیں

(۶) قال رجل لابی عبد الله و الله انا لنطلب الدنيا و نحب ان

فوجدها فقال تحب اتصنع بها ماذا قال اعود بها على نفسی و عیالی و اصل

بها و اتصدق بها و احج و اعتمر فقال ابو عبد الله ليس هذا الا طلب الآخرۃ

”ایک شخص امام جعفر صادقؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم طالب دنیا ہیں اور چاہتے

ہیں کہ دنیا ہم کو حاصل ہو حضرت نے فرمایا: تمرا مقصود کیا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے اس نے عرض

کی کہ میرا مطلوب یہ ہے کہ اپنے نفس اور عیال کو اس سے فائدہ پہنچاؤں اپنے اعزہ و اقارب

کے ساتھ صدر حجی کیا کروں، راہ خدا میں خیرات دوں اور فریضہ حج بجالاؤں، حضرت نے فرمایا:
یہ باتیں تو (طلب دنیا نہیں) فقط طلب آخرت ہیں۔“

(نالی الاخبار۔ وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۳۲)

ان تمام احادیث سے ظاہر ہے کہ آدمی کے قصد و نیت کی اصلاح اس کی دنیا طلبی کو عین طلب آخرت بنادیتی ہے، ان دونوں میں فرق و امتیاز کا دار و مدار محض قصد و نیت پر ہے، اگر کسب دنیا و جمع مال کا مقصد اپنی ذات کے ساتھ اہل و عیال اور دیگر افراد کو فائدہ پہنچانا اور دوسرے امور خیر انجام دینا ہے تو وہ طلب دنیا نہیں بلکہ طلب آخرت ہے۔ اور فاضل علامہ نزاۃؑ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ ”جو افعال مثلاً کھانا پینا اور ضروریات زندگی میں انہماں کاظم مفہوم عبادت سے بہت دور نظر آتے ہیں۔ وہ بھی آدمی کے قصد و نیت کی بنا پر عبادت ہو جاتے ہیں، اور جو شخص مال کو اس نیت سے حاصل کرتا ہے کہ دین کی راہ میں خرچ کرے اور ذاتی مصارف سے فاضل مال اخوان مونین کو مدد پہنچائے، تو ایسے آدمی کو مال کی کثرت ضرر سامنے نہیں۔

زہد کی تعریف اور اس کی حقیقت

چونکہ ترک دنیا اور زہد کے فضائل و احکام قرآن مجید و احادیث میں بکثرت مذکور ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو دیکھ کر کسی دماغ و دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ دنیا اور اس کی طلب کلیہ شریعت اسلام میں منوع ہے لہذا یہ بتا دینا ضروری ہے کہ زہد کے درجات مختلف ہیں، نیز ان بیاء و اولیاء اور خاصان خدا کے فرائض ان کے مناصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے عامۃ الناس سے جدا گانہ ہوتے ہیں جن کا اجمانی تذکرہ اسی مضمون میں دوسری جگہ آئے گا جہاں تک عوام خلق اللہ کا تعلق ہے ان کو جس قسم کے زہد کی ہدایت کی گئی ہے، اس کی تعریف اور اس کے حدود کے تعین بھی صاف طور سے کردی گئی ہے۔

زہد کا حاصل قرآن کے دو جملوں میں ہے

الزہد بین الكلمتین من القرآن قال الله سبحانه لكيلا تاسوا على ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم فمن لم ياس على الماضي ولم يفرح بالاتي فقد اخذ الزهد بطرفيه . (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۱۹)

”جناب امیر المؤمنین نے فرمایا کہ“ حقیقت زہد ”قرآن مجید کے دو جملوں میں ہے خداوند عالم نے فرمایا ہے لکیلا تاسوا على ما فاتکم، اخ، پس جس آدمی کوئی ہوئی چیز کا غم نہ ہوگا اور آنے والی شے کی خوشی نہ ہوگی وہ پورا ”زہد“ حاصل کرے گا۔“
خدا کی طرف سے حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لینے کی نہ ملت

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُ الْمُعْتَدِينَ (سورہ مائدہ: ۸۷)

”اے ایماندارو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو، خداحد سے بڑھنے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔“
اس آیت کی شان نزول کے متعلق مروی ہے کہ ایک دن جناب رسالت مآب نے اپنی مجلس وعظ میں صحابہ کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر کا تذکرہ فرمایا تو اس سے کچھ لوگ بہت متاثر ہوئے اور عثمان بن مظعون صحابی کے گھر میں جمع ہو کر اس بات پر اتفاق کر لیا کر آئندہ سے دن کو روزہ اور رات کو نماز میں بسر کریں گے بستروں پر استراحت نہ کریں گے۔
گوشت نہ کھائیں گے بالوں کے موٹے کپڑے پہنیں گے۔ غرض ترک دنیا اور رہبانیت و فقیری کی زندگی اختیار کر کے دنیا میں پھرتے رہیں گے جب ان کے اس طرز عمل کی خبر جناب

رسالت مآب تک پہنچی تو آپ عثمان بن مظعون کے گھر تشریف لائے جب وہ اور ان کے رفقاء حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا:

ما بال اقوام حرموا النساء و الطيب والنوم و شهوات الدنيا اما انى لست امر کم ان تكونوا قسيسين و رهبانا انه ليس في ديني ترك اللحم والنساء ان سياحة امتى الصوم و رهباتيتها الجهاد الخ (کنز爾 العرفان، ص ۳۷۳)

”آخر لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ انہوں نے عورتوں - خوبصورتی اور دنیا کی دوسری مرغوب چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا؟ میں نے تو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ راہب پادری اور تارک الدنیا بن جاؤ میرے دین میں گوشت اور عورتوں کو ترک کر دینا نہیں ہے میری امت کی سیاحت (فقیر اور بے خانماں زندگی بس رکرنا) روزے رکھنا ہے اور اس کی رہبانیت جہاد ہے۔“
(۳) قُلْ مَنْ حَرَمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادَةِ وَالطَّيَّبَاتِ مِنِ الرِّزْقِ

”اے پیغمبر ان سے کہو کہ زینت کی وہ چیزیں جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے کے پاک اشیاء آخر کس نے حرام کی ہیں؟“ (سورہ اعراف: ۳۲)

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خدا کے حرام کئے ہوئے خبائث کا حلال قرار دینا جائز نہیں، اسی طرح اس کی حلال کی ہوئی پاکیزہ اشیاء اور اسباب زینت کا حرام کرنا اور ان کے ترک استعمال کا عہد کر لینا بھی ناجائز ہے اس طرح کے عہد یا قسم کا شرعی طور پر انعقاد نہیں ہو سکتا۔

(۴) حضرت امیر المؤمنین کا ارشاد ہے :

الزهد في الدنيا قصر الامر و شکر كل نعمة والورع عن محارم الله
(جامع السعادات، ص ۲۳۹۔ اکافی: ج ۵، ص ۱۷)

”زہد فی الدنیا“ آرزوں امیدوں کو گھٹانا ہر نعمت کا شکر ادا کرنا خدا کی جانب سے جو

چیزیں حرام کی گئی ہیں ان سے پرہیز کرنا ہے۔

مال کو ضائع کرنا یا حلال کو حرام کر لینا زہد نہیں ہے

(۵) ان الزهد فی الدنیا لیس با ضاعة المال ولا تحريم الحلال بل الزهد فی الدنیا ان لا تكون بما في يدك او ثق منك بما عند الله ”زہد فی الدنیا“، نہیں ہے کہ مال کو ضائع کیا جائے اور حلال کو حرام کر لیا جائے بلکہ معنی زہد یہ ہیں کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد و بھروسہ تم کو ان اسباب دنیا پر نہ ہو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں۔

(جامع السعادات، ص ۲۲۰۔ تحدیب الاحکام: ج ۲ ص ۳۲)

اگر مقصود رضاء خدا ہو تو انسان دنیا و ما فیہا لے کر بھی زاہد ہو سکتا ہے

(۶) جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے : لو ان رجالا اخذ جميع ما فی الارض و ادادبه وجہ الله فهو زاہد ولو ترك الجميع ولم يرد به وجہ الله فليس بزاہد (جامع السعادات، ص ۲۳۳)

”اگر کوئی شخص روئے زمین کی ساری کائنات لے لے اور اس سے مقصود خدا کی خوشی و رضامندی ہو تو وہ ”زاہد“ ہے اور اگر ساری کائنات زمین کو چھوڑ دے اور رضاۓ الہی اس کی مراد نہ ہو تو وہ ”زاہد“ نہ ہو گا۔

کسی نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے پوچھا کہ ”زہد فی الدنیا“ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تنکب حرامها یعنی حرام دنیا سے منہ موڑنا۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا کے مددوں یا مذموم ہونے کا مدار انسان کی نیت و ارادہ پر ہے اگر تھصیل دنیا کے مقاصد انسانیت کے اعلیٰ مقاصد ہیں تو وہ قبل مدح اور وسیلہ آخرت ہے اور اگر مقاصد کسب دنیا پست نظری پر مبنی اور محض نفسانی اغراض تک محدود ہیں، ان سے حیوانی جذبات کی تسلیکیں کے سوا کوئی اور مقصد اعلیٰ پیش نظر نہیں تو قبل مذمت و نفرت ہے۔

علامہ مجلسی نے اسی حقیقت کو نہایت خوبی سے واضح فرمایا ہے:

ظاہر آیات و احادیث سے جو کچھ میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ مذموم دنیا چند امور سے

مرکب ہے:

(اول) یہ کہ وہ خدا کی فرمان برداری و محبت اور تھصیل آخرت سے مانع ہو جو چیزیں اسباب دنیا میں سے خدا کی رضامندی اور اس کے نزد کا باعث ہوں ان کا شمار امور آخرت میں ہے، اگرچہ بظاہر وہ دنیوی اعمال میں سے ہوں جیسے تجارت، صنعت اور زراعت جبکہ ان سے مقصود یہ ہو کہ عیال کے لئے سامان معدیت حاصل کیا جائے کیونکہ خدا نے اس پر مأمور فرمایا ہے اور نیک کاموں میں مال خرچ کرنا بھتاجوں کی اعانت، غریبوں پر خیرات کرنا، ذلت سوال سے اپنی آبرو بچانا مقصود ہو یا ایسے ہی دوسرے اعلیٰ مقاصد پیش نظر ہوں، ان صورتوں میں یہ تمام کام اعمال آخرت بن جائیں گے اگرچہ عوام خلق ان کو کار دنیا ہی شمار کرتے ہیں۔

(دوم) بعشقی لوگوں کی ایجاد کردہ ریاضتیں اور ریا و نمائش کے اعمال کا دنیا ہی ہوں گے اگرچہ راہبانہ طریقوں پر اور طرح طرح کے مشقوں سے کئے جائیں اس لئے کہ ایسے ریا

کاروں کے نمائش اعمال خدا سے دور کرتے ہیں، موجب قرب خدا نہیں ہو سکتے، اکثر راہبناہ طریقہ پر برے مال سے زندگی بسر کرنے والے انسانی صحبتوں سے الگ تھلگ رہتے اور رات کو خدا کی عبادت کرتے ہیں مگر بڑے دنیا پرست محبت دنیا میں گرفتار ہوا کرتے ہیں، ان کی جو گیانہ زندگی کا مقصود عوام الناس کو فریب دینا اور زہد و ورع میں شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے، عوام کے لوں کو اپنی طرف کھینچنا ان کا دلی مدعا ہوتا ہے، مال وجہ و عزت اور امور باطلہ کی ہوں ان میں تمام خلق سے بیشتر ہوا کرتی ہے، وہ اپنے ظاہر اور نمائشی ترک دنیا کو دنیا طلبی کا ذریعہ بناتے ہیں، اور اسی طی کے آڑ میں شکار کھلتے ہیں اور اکثر تجارت پیشہ اور محنت و مزدری کرنے والے لوگ جن کو عوام الناس کسی شمار میں نہیں لاتے آخرت کے جو یا ہوا کرتے ہیں، کیونکہ ان کی نیت درست ہوتی ہے، اور دنیا کی محبت نہیں رکھتے

خلاصہ کلام اس بارے میں یہ ہے کہ حسن و فتح اشیاء کے علم کا معیار اور یہ جانے کا ذریعہ کہ کس کام کا کرنا واجب ہے اور کس کا ترک کرنا ضروری ہے، شریعت مقدسہ ہے۔

(یعنی قرآن و احادیث نبویہ) اور اہلیت عصمت علیہم السلام کے ارشادات ہیں۔ پس آیات و احادیث سے جس امر کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے اور وہ مطلوب الہی ہے تو وہ عبادت ہے عام اس سے کہ وہ نماز روزہ و حج ہو یا تجارت وزراعت و صنعت و حرفت ہو۔ خلق کے ساتھ معاشرتی زندگی بسر کرنا یا تنہائی کی زندگی گزارنا یا ان سب کے علاوہ اور کوئی بات (چونکہ یہ سب امور مطلوب خدا ہیں اللہ اکابر عبادت ہیں) اور خالص نیت کے ساتھ آداب و شرائط کے ماتحت ان کو زیر عمل لانا کا ر آخرت ہو گا۔ اور جو باتیں خدا کی مطلوب نہیں ہیں اور ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے تو وہ دنیا نے مذمومہ ہیں جو خدا اور آخرت سے دور کرتی ہیں، ایسی چیزوں کی کئی فتنیں ہیں:

(اول) حرام، جس پر عذاب کا استحقاق پیدا ہوتا ہے خواہ وہ اپنی ایجاد کردہ عبادت ہو (جس کو بدعت کہتے ہیں) یا وہ عبادت جس میں ریا کاری اور شہرت طلبی شامل ہو۔ یا ظالموں کے ساتھ معاشرت رکھنا، یا حرام مناصب اور عہدے پر کام کرنا یا مال کو حرام ذریعہ سے یا حرام کی غرض سے حاصل کرنا اور ایسے ہی دیگر امور جو باعث استحقاق عقاب خداوندی ہوں۔

(دوم) مکروہ۔ اور وہ ایسے افعال و اعمال اور اس طرح کے وسائل کسب معاش ہیں جو وسیلہ تخلیل آخرت نہ ہوں اور آخری سعادتوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہوں، مثلاً ضرورت سے زائد مال و متاع۔ زائد احاجت مسکن اور سواریاں اور اسی قسم کی چیزیں (غیر ضروری آنات البیت وغیره)

(سوم) مباح، مثلاً ایسے اعمال جن کا صاحب شرع نے حکم نہ دیا ہونہ ان سے منع فرمایا ہو بشرطیہ تخلیل آخرت سے مانع نہ ہوتے ہوں اور اکثر مباح امور کو ایسے طریقے اور نیت سے واقع کرنا ممکن ہے جس سے وہ عبادت میں داخل ہو جائیں مثلاً کھانا، سونا اس ارادہ سے کہ عبادت کرنے کی قوت حاصل ہو، اور مباحثات کو اس خیال سے ترک کرنا کہ (یہ ترک مباحثات) عبادت ہے بدعت ہو جاتا ہے اور جہنم میں داخلہ کا باعث ہوتا ہے، بہت سے بدعتی لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

انسان دولت کمانے اور خرچ کرنے میں پیش خدا مسئول ہو گا

ان تمام شواہد سے ظاہر ہوا کہ اسلام ایک ایسا نہیں جیسی نظام ہے جو انسان کی دنیا و آخرت اور جسمانی و روحانی دونوں حصوں کو ایک سلسلہ میں مرتبط اور باہم وابستہ کر دینا چاہتا ہے، روحانی جذبات اور اخلاقی احساسات کو ایجاد نہیں کی جیسا کہ اس اصول کے ماتحت لازم تھا

کہ انسان کو اس بات کا مسئول اور جوابدہ قرار دیا جائے کہ اس نے کس طریقے سے مال کی تحصیل کی اور اسے کس مصرف میں صرف کیا؟

حدیث نبویؐ ہے کہ: لَا تَنْزُولَ قَدْمًا عَبْدِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَسْأَلَ عَنْ أَرْبَعَ عَنْ جَسَدِهِ فِيمَا أَبْلَاهَ عَنْ عَمَرِهِ فِيمَا افْنَاهَ عَنْ مَالِهِ مَا كَتَسْبَهُ وَفِيمَا انْفَقَتْهُ وَعَنْ حَبَّةِ أَرْضِهِ (بیانیح المودة۔ اعلام الدین: ص: ۲۱۵)

”جب تک بروز قیامت چار باتوں کی بابت سوال نہ کر لیا جائے گا کسی قدم کو ٹھنے نہ دیا جائے گا: اس کے جسم سے متعلق کہ اس نے کیسے استعمال کیا اس کی زندگی کے بارہ میں کہ کیسے گذاری مال کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا اور ہماری محبت ہے کہ نہیں۔“

نیز یہ بتادیباً ضروری سمجھتا ہے کہ دنیا کی پیداوار میں کون سی چیزیں انسان کے لئے مناسب و نافع اور کونسی غیر مناسب اور باعث ضرر ہیں؟ کن اشیاء اور کن طریقوں سے انسان کے جذبہ خدا پرستی اور احساسات اخلاقی کو قوت حاصل ہوتی ہے اور کن سے ان میں کمزوری و اضلال پیدا ہوتا ہے؟۔ ایک طرف وہ کسب مال و سرمایہ کا تاکیدی حکم دیتا ہے۔ دوسری طرف کسب مال کے طریقے معین کرتا ہے اور حدود قائم کرتا ہے جن کے اندر مندرجہ بالا مقصد کا حاصل ہونا منحصر ہے۔ نیز قبل استعمال اور قبل پر ہیز اشیاء کو بیان کرتا ہے۔ تیسرا جانب مدت خرچ کی تشریح کرتا ہے اور وہ حدود اتفاق بتاتا ہے۔ جو عقل و فطر تا ضروری و اعلیٰ مقصد زندگی کے مطابق ہیں۔ ان امور کے متعلق اسلامی تعلیمات کا اتنا ذخیرہ موجود ہے جن کا اس مختصر مضمون میں جمع کر دینا دشوار ہے، لہذا صرف چند شواہد پر اتفاق کرنا ناگزیر ہے۔

اسلام انظامِ معیشت کا دوجملوں میں خلاصہ: پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو

اسلام نے عالم انسانیت کو جو وسیع نظام بتایا ہے ان کا خلاصہ صرف دوجملوں میں کر دیا ہے۔

(۱) **كُلُوا مِنَ الطَّيَّبَاتِ وَأَعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلَيْمٌ**

”پاک و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے ایچھے کام کرو، تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں۔ (سورہ مومون: ۵)

اس آیت میں خدا کا وہ پسندیدہ نظامِ معیشت بتایا گیا ہے جو پیغمبروں کے ذریعے سے دنیا میں بھیجا جاتا رہا ہے اور وہ دو اصول میں منحصر ہے۔ ”پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو۔“ اس اصول سے ظاہر ہے کہ شریعت اللہیہ کا مقصد مادیت و روحانیت کے امترانج کو حد اعتمdale پر رکھنا اور ہر ایک کے جائز و مناسب تقاضا کو پورا کرنا ہے۔ انسان کے ایسے مجموعہ روحانیت و جسمانیت کے لئے اس سے بہتر و مناسب فطرت کوئی اور اصل معیشت نہیں ہو سکتا دنیوی نعمتوں سے لذت یابی و مسرت اندوڑی کے ساتھ پر امن اور سکون و اطمینان کی زندگی صرف اسی اصول پر عمل کرنے سے مل سکتی ہے۔

ممکن ہے کہ جو نظامِ معیشت ”ہر چیز کھاؤ“، ”ہر طرح کماو“، ”جو چاہو کرو“ کے اصول پر مرتب کیا گیا ہو اس میں وقتی منافع زیادہ نظر آتے ہوں مگر ان کی تہہ میں نوع انسانی کی تباہی و ہلاکت پوشیدہ ہو گی کیونکہ اس میں ایسی چیزوں کے استعمال کی آزادی ہو گی جو امراض جسمانی کا مبداء ثبتی ہیں یا حیوانی تقویں کو ابھار کر اعتمdale طبعی کے حدود سے خارج کرتی اور امراض بدنی و اخلاقی و روحانی کا باعث ہوتی ہیں۔ نیز اس میں غرور، خودنمائی، بے جا تعیش، فضول، غش، عشرت

پسندی، نخوت، بروغور کے مواد کو برائی گئتے ہوئے سے روکنے کی کوئی تدبیر نہ ہوگی مساوات اور ہمدردی اور باہمی معاشرہ کے رشتہوں اور مذموم سرمایہ داری کی حرص ہوس کو قوی کرنے والے اسباب موجود ہوں گے، ایسی صورتوں میں زندگی کے پر امن و سکون ہونے کی توقع محض خیال ہوگی، ایسے نظمات سے ممکن ہے کہ وقتی منفعت حاصل ہو مگر عام انسانی دنیا کا فلاکٹ و مسکنت کے قعر ہلاکت میں پڑ جانا ان کا لینقینی انجام ہے، ایسے ہی اصول و نظریات معاشی کی بدولت ہمارے سامنے عالم انسانیت کو ایتم بم کے خطرات درپیش ہیں اور آئندہ خدا جانے کتنے تباہ کن اسباب کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

حدیث نبوی میں ہے:

قال الله عز و جل من لم يبال من اى باب اكتسب الدينار والدرهم

لم ابال من اى ابواب النار ادخلته (مترک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۲)

”ارشاد خداوندی ہے کہ جو آدمی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دینار و درهم کس دروازے سے کماتا ہے تو میں بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کو کن دروازوں سے داخل جہنم کرتا ہوں“۔
کیا ان مشاہدات و تجربات کے بعد بھی اس بات میں شبہہ باقی رہ سکتا ہے کہ خلیل انسانیت کے پھولے پھلنے کے لئے صرف چین اسلام ہی کی معتدل آب و ہوا سازگار ہو سکتی ہے؟

(۲) أَمْنٌ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ (سورہ ملک: ۲۱)

اگر خدا اپنے فیض رزق کو بند کر دے تو ایسا کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے گا۔

(۳) وَمَا مِنْ ذَابَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (سورہ ہود: ۶)

اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی کا انتظام خدا کے ذمہ نہ ہو۔

(۴) إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (سورہ ذاریات: ۵۸)

”غدا برازوری رسال صاحب قوت اور زبردست ہے۔

(۵) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

(سورہ جمعہ: ۱۰)

”جب نماز ہو چکے تو زمین میں ادھر ادھر جہاں چاہو جاؤ اور خدا کا فضل (روزی) تلاش کرو۔

(۶) إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا

عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقُ وَاعْبُدُوهُ وَاשْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (سورہ عنكبوت: ۷)

”خدا کو چھوڑ کر جن ہستیوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہارے رزق پر کوئی اختیار نہیں رکھتیں، لہذا اللہ ہی سے روزی مالگو اور اسی کی عبودیت اختیار کرو اس کا شکر بجالا و اسی کی طرف بالآخر تم کو لوٹنا ہے۔“۔

ان آیات میں چند باتیں بتائی گئی ہیں:-

(اول) رزق و معيشت و اسباب معیشت خدا کا عطیہ اور فضل و بخشش ہے بلکہ ہر

جاندار کی پیدائش کے ساتھ خدا نے اس کے رزق کا سامان بھی پیدا کیا ہے لہذا اس کو خدا کی دین سمجھنا چاہیے نہ کہ صرف اپنے علم و تدبیر کا ثمرہ و حاصل، یہ خیال مخدانہ ہے اور بغل و حرص سرمایہ داری کی بنیاد بھی خیال ہے، اسی کی بنا پر دنیوی اسباب معیشت میں خدا کے حقوق مالکانہ کے انکار کی جربت ہوتی ہے، بعد جناب موتی کا مشہور عالم سرمایہ دار قارون اپنے مال میں سے حقق خدا ادا کرنے سے اسی نے منکر ہوا تھا کہ وہ اس کو اپنامال اور اپنی علمی تدبیر کا حاصل تصور کرتا تھا، جیسا کہ خود قرآن مجید اس کی حکایت کرتا ہے: ”قال انما اوتیتہ علی علم عندي“ اس کے کہا کہ یہ مال و میتاع تو صرف اس علم کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جو میرے پاس ہے۔“

(دوم) اگر چہ روزی رسال خدا ہے، ہمارے رزق کا وہ ذمہ دار ہے اسباب معیشت کے ذخیرہ اس نے ہمارے لئے جمع کرنے ہیں مگر تلاش و جستجو، سعی و محنت بھی شرط ہے، تقدیر کے بھروسہ

پر تدبیر سے دست کش نہ ہونا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارے رزق کا ہم تک پہنچنا ہماری سعی و جستجو ہی کے ذریعے سے مقدر ہو اور فضل خدا کا ملنا ہماری محنت اور طلب پر موقوف رکھا گیا ہو۔

زمین اور اس کی پیداوار میں تمام انسانوں کا حق برابر ہے

(سوم) اسباب رزق عظیمہ ربی و فضل خداوندی ہیں اور بنی آدم خدا کی مخلوق اور بندے ہیں، عبودیت و مخلوقیت کے لحاظ سے سب برابر ہیں، لہذا اسباب معیشت میں بھی سب کا حق برابر ہے، اس مطلب کی دوسری آیتوں میں پوری تصریح کی گئی ہے اور وہ یہ ہے:-

(پہلی آیت): وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فُوْقَهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا
أَفْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلْسَّائِلِينَ (سورہ فصلت: ۱۰)

خدا ہی نے زمین میں اس کے اوپر پھاڑ قائم کر دیئے اور اسی نے اس میں برکت عطا کی اور اسی نے مناسب انداز میں سامان معیشت کا بندوبست فرمایا یہ سب چار اوقات (چار فصلوں) میں کیا (وہ بندوبست سامان معیشت) تمام طلبگاروں کے لئے برابر ہے۔

تفسیرتی میں مذکور ہے کہ ”اربعۃ ایام“ سے مراد چار اوقات اور فصول یعنی جاڑا، گرمی، بہار و خزان ہیں، تمام اسباب معیشت انسان و حیوان کی پیداوار انھیں فصول و اوقات میں ہوتی ہے اور اس کے تغیرات و انقلابات کو ان اسباب کی پیدائش میں پورا دخل ہے۔

اور ”السائیلین“ سے مراد تمام خلق اللہ ہے جو رزق کی محتاج ہے اور کم سے کم بزبان حال اپنی روزی کی طلبگار ہے لہذا سامان معیشت میں تمام خلاف کا حق برابر ہے کسی کو دوسرے پر حق نظری کے اعتبار سے ترجیح و فضیلت نہیں۔

(دوسری آیت): وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ

فُضُّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَى مَا مَلَكُوا إِيمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفْئِنْعَمَةُ اللَّهِ
يَجْحَدُونَ (سورہ نحل: ۲۷)

خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (مال و دولت) میں فضیلت و زیادتی عطا کی ہے پھر (کیا) وہ لوگ اپنی روزی میں سے ان لوگوں کو جن پرانے کا دسترس ہے دینے والے نہیں (حالانکہ) اس میں توبہ کے سب برابر ہیں؟ تو کیا یہ لوگ نعمت خدا کے منکر ہیں؟

قدرت اللہ یہ براہ راست کسی انسان کے پاس خوان نعمت و سامان رزق نہیں بھیجتی بلکہ طبعی طور پر ایک کو دوسرے سے رشیۃ احتیاج و ضرورت میں وابستہ کر دیا ہے، اور ایک شخص کی روزی کو دوسرے کے ذریعہ مقدر فرمایا ہے حدیث میں ہے کہ خدا کوئی بات پسند ہے کہ ایک فرد انسان کا وسیلہ رزق دوسرے فردا نسان کو بنائے اور اس مصلحت سے نظام اجتماعی کے اندر زندگی بس کرنے کا حکم دیا ہے اور راہبوں اور جو گیوں کی طرح پہاڑوں جنگلوں میں تمن سے الگ تھلک زندگی گزارنے کا طریقہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اسلامی طریقے کے خلاف ٹھہرایا ہے۔

اس قسم کے فطری نظام معیشت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ دوسروں کے لئے بظاہر وسیلہ معاش ہوتے ہیں، وہ اپنے کو ان کا رازق تصور کرنے لگتے ہیں اور ان کو اپنے سے پست درجہ خیال کرتے ہیں، اس آیت میں اس فاسد خیال کو دل و دماغ میں جگہ پانے سے روکا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ تم اپنے کو ان کا رازق نہ جانو، نیز یہ بتایا گیا ہے کہ تماری فضیلت زیر دستوں پر بس اس قدر ہے کہ تم کو اپنی شان رزاقیت کا ذریعہ قرار دیا ہے ورنہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں اور تمہارے ہی بھائی ہیں، لہذا تمہیں ان سب کو اسباب معیشت میں برابر رکھنا چاہیے۔

زبدۃ البیان اردو بیلیٰ میں ہے: ای کان ینبغی ان بردوا ماما رزقا علی

سماں کوہم حتیٰ یتساودا فی الملبس والمطعم كما یحکی عن ابی ذرؓ انه سمع رسول اللہؐ یقول: (انما هم اخوانکم فاکسوهم مما تلبسون و اطعموهم مما تطعمون فما رؤی عبدہ بعد ذالک الا و ردائه و ازاره از اره غیر تفاوت) افبنعمة اللہ یجحدون فجعل عدم التسویة بینهم و بین عبیدهم من جملة جحود النعمة على سبيل المبا لغة ففيها دلالة على استحباب التوبۃ بین نفسه و ممالیکه و یدل عليه ايضا الاخبار مثل ما تقدم و یدل على ابلغ ذالک ما روی عن امیر المؤمنینؑ انه كان یشتري ثوبین یعطی افضلهما القنبر و یا خذ الاردی لنفسه .

یعنی انہیں یہ چاہیے تھا کہ اپنے مال و دولت میں سے اپنے زیر دستوں کو دیتے تاکہ لباس و خوراک میں آقا و غلام سب کے سب برابر ہو جاتے، ابوذرؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب ان بزرگ نے حضرت رسالت مکہ کو یہ فرماتے سننا کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں ان کو وہی کپڑا پہنا و جو خود پہنتے ہو اور وہی غذا اکھلا و جو خود کھاتے ہو تو اس دن سے ان کے اور ان کے غلام کے لباس میں کوئی فرق و تباہی نہیں دیکھا گیا، قول اللہؐ: "ابنعمة اللہ یجحدون" یہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے مالداروں کی طرف سے زیر دستوں کو برابر حصہ نہ دے جانے کو کفران نعمت قرار دیا ہے اور یہ دلیل ہے کہ اس امر کی کہ اپنی ذات اور غلاموں کے درمیان برابری قرار دینا مستحب ہے اور اس پر حدیث بھی دلالت کرتی ہیں ان میں سے وہ حدیث بھی ہے جو پہلے گذری اور اس سے زیادہ بہتر سلوک پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ جناب امیر دولباس خریدتے تھے اور جو بہتر ہوتا تھا وہ قبیر کو مرحمت کرتے تھے اور جو ادنیٰ درجہ کا ہوتا تھا وہ اپنے لئے رکھ لیتے تھے۔"

(تیسرا آیت): هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ”زمین میں جو کچھ ہے اس کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے“۔ (سورہ بقرہ آیہ ۲۹:)

وہ پیداوار زمین مبارح الاصل ہے جو ذر لیعہ معاش انسان بن سکتی ہے

جیسا کہ محقق اردیلیؒ نے ارشاد فرمایا ان آیات سے یہ بھی مکشوف ہوتا ہے کہ زمین کی وہ چیزیں جو انسان کا رزق اور ذر لیعہ معاش بن سکتی ہیں اور ان کی تحصیل کے طریقے مبارح الاصل ہیں، ہر انسان کو ان کی استعمال کا حق ہے، سوا ان چیزوں اور طریقوں کے جن کو عقلی و نقلي دلیلیں حکم اباحت سے خارج کرتی ہیں اور ایسی چیزیں اور ایسے طریقے جن کو عقل و نقل دونوں قابل استعمال قرآن نہیں دیتیں بہ نسبت مبارح و قابل استعمال اشیاء اور طریقوں کے بہت کم ہیں اس لئے انسان کی معیشت دنیوی بغیر کسی تنگی کے سدھ رکتی ہے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ علیہ السلام کا ارشاد ہے: ان الذي امرتم به اوسع من الذي نهيتكم عنه وما احل لكم اکثر مما حرم عليكم فذرروا ما قبل لما كثرا.
”جس نے تمہیں احکام بجالانے کا حکم دیا ہے ان چیزوں سے زیادہ ہیں جن کو منع کیا گیا ہے جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں وہ ان چیزوں سے بہت زیادہ ہیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں لہذا کثر کے واسطے قبیل یعنی حرام کو ترک کر دو۔“

(۹) يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَبَعُوا حُطُومًا الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (سورہ بقرہ: ۱۲۸:)

”اے لوگو! زمین میں جو کچھ ہے اس سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا ہوادش نہ ہے۔“

(۱۰) كُلُوا مِنْ طَيّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغُوا فِيهِ فَإِذْ جِلَّ عَيْنَكُمْ غَصَّبَ
وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَصَّبٌ... (سورہ ط: ۸۱)

”ہم نے جو پاک سامان رزق تم کو دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور حد سے آگے نہ بڑھو
ورنہ تم پر میراغضب نازل ہوگا۔“

چونکہ معيشتِ دنیوی کی سب سے اہم شرط انسان کے لئے غذائے اس لئے اکثر آیات
میں ”اکل“، یعنی کھانے کا تذکرہ ہے مگر اس سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ ہر قسم کا اتفاق اور عام
تصرف ہے اور مقصد یہ ہے کہ دنیا کی ان چیزوں میں جو انسان کے لئے اسباب معيشت بن سکتی
ہیں پاکیزہ اور حلال کا اختیار کرنا چاہیے اتفاق اور تصرف کے لئے پاکیزہ و حلال اشیاء اور پاک و
حلال طریقے اختیار کرنا انسانی فریضہ ہے۔ ان آیات سے چند تائج ظاہر ہوتے ہیں:

(اول): زمین کی پیداوار اور اس کے اتفاق کے طریقوں کی دوستیں ہو سکتی ہیں:

(۱) وہ چیزیں اور اتفاق کے وہ طریقے جو انسان کے مناسب فطرت و موافق طبع
ہوں ان سے نہ جسمانی مضرت کا خطرہ ہونے اخلاقی و روحانی عصر کو فساد کا اندیشه۔

(دوم): وہ اشیاء اور وہ طریق اکتساب و اتفاق جو نمکورہ بالا اوصاف کے خلاف ہوں
فقط اول کے اشیاء اور اکتساب کے طریقے ”حلال و طیب“ کہے گئے ہیں اور قسم
دوم کے اشیاء اور طریق اکتساب و اتفاق کو خبیث و حرام قرار دیا ہے اور ان کے استعمال کو ابتلاء
شیطانی سے تعمیر فرمایا ہے۔ آیہ مبارکہ ”حلا لا“ کے بعد ”طیبا“ کی تکرار یہ بتانے کے لئے
ہے کہ ان اشیاء اور طریقوں کے حلال قرار دئے جانے کی علت ان کا ”طیب“ یعنی موافق
فطرت و مناسب طبع انسانی ہوتا ہے اور جو اشیاء اور طریقے ”حرام“ کے گئے ہیں ان کی وجہ
تحریم یہی ہے کہ ان کے صفات، اوصاف مذکورہ کے خلاف ہیں۔

حلال و حرام کا کلی اصول: وہ چیزیں اور کسب معاش کے وہ طریقے حرام ہیں

جن سے بدن و روح میں فساد پیدا ہوتا ہے

ایک حدیث میں حلال و حرام کے معیار کو اصول کلی کے طور پر بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے:
کل امر یکون فیه الفساد مما قد نھی عنہ من جهة اکله و شربه و
لبسه و نکاحہ لوجه الفساد مثل المیتة والدم و لحم الخنزیر و الزنا و جميع
الفواحش و لحوم السباع والخمر وما اشبه ذالک فحرام ضار للجسم و
فساد للنفس۔ (بخار الانوار، رج ۳۳۳، باب المکاسب)

ہر وہ امر جس میں کوئی وجہ فساد و خرابی کی ہے اس کو خدا نے منوع قرار دیا ہے اس لئے
کہ اس کے کھانے پینے پہنچنے اور اس سے ازدواجی تعلقات پیدا کرنے میں وجہ فساد موجود ہے
مثلاً مردار، خون، سور کا گوشت، زنا، اور تمام بد کار بیان، درندوں کے گوشت، شراب اور اسی قسم
کی دوسری اشیاء تو وہ حرام ہیں اس لئے کہ وہ جسم کے واسطے باعث ضرر اور روح میں فساد پیدا
کرنے والی ہیں، (اور جو چیزیں ایسی نہیں ہیں وہ حلال ہیں۔)

لفظ ”طیب“ کے معنی

جناب شیخ مقدم اگرنس العرفان میں لفظ ”طیب“ کے متعلق لکھتے ہیں:

”والطیب“ یقال لمعان، الاول ما هو مستلذ و الثاني: ما حلله
الشارع، الثالث: ما كان ظاهراً، الرابع: ما خلا عن الاذى في النفس والبدن .
”لفظ طیب“ کئی معانی میں مستعمل ہوتا ہے (اول) وہ چیز جو لذیز ہو (دوم) وہ چیز
جس کو شارع نے حلال قرار دیا ہے (سوم) وہ چیز جو پاک ہے (چہارم) وہ چیز جو روح و بدن
تحریم یہی ہے کہ ان کے صفات، اوصاف مذکورہ کے خلاف ہیں۔

میں بیماری و اذیت پیدا نہیں کرتی۔” (کنز العرفان ص ۳۶۱)

حدیث بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ شارع کی طرف سے حلال و طاہر قرار دیئے جانے کی وجہ وہی بات ہے جو شخص مقدادؓ نے آخر میں کہی ہے اور آپ کے بیان کے ہوئے چاروں معنی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ لفظ ”طیب“ ان سب کو شامل ہے۔

اسلام کے نزدیک معاشیات تابع اخلاق ہیں نہ کہ اخلاق تابع معاشیات

(سوم): پاکیزہ چیزوں کو کھانے کا حکم دیتے ہوئے یہ فرمان نافذ کرنا کہ ”لا طغوا فیه“، (یعنی طغیان نہ کرو و حدو و مقررہ سے آگے نہ بڑھو) اس حقیقت کی پوری توضیح کے لئے کافی ہے کہ اسلام معاشیات کو تابع اخلاق بنانا چاہتا ہے، اخلاق کو تابع معاشیات بنانا اس کے نقطہ نظر کے خلاف ہے، اور یہی اصول یعنی معاشیات کو تابع اخلاق بنانا اس کے نظام معاشی کا بنیادی اصول ہے۔

ارشادر بانی ”لا طغو افیہ“ کا حاصل یہ ہے کہ کسب معاش و طلب رزق کے وہ طریقے انسان کے لئے حرام قرار دے گئے ہیں جن سے طغیان لازم آتا ہے دوسرا مقام پر فرمایا ہے ”

ان الانسان ليطغى ان راه استغنى“، یعنی انسان جبکہ اپنے کو غنی و سرمایہ دار پاتا ہے تو طغیان و سرکشی کی طرف مائل ہو جاتا ہے یہ ”طغیان“ کسب دولت و مال میں بھی ہوا کرتا ہے اور اس کے بعد بھی خدا کے مقرر کردہ حدود شرعیہ سے باہر نکل کر کسب معاش کرنا ”طغیان“ ہے اسی طرح خدا کو بھول جانا اس کے حدود شرعیہ کی مخالفت کرنا حقوق مستحقین کو روکنا، کم مایہ اور غریب لوگوں پر تکبر و فخر کرنا ان کے مقابلہ میں شان جباری دکھانا طغیان ہے۔

معاشی معاملات میں باہم تعاون و اشتراک عمل نہ کرنا نظام تمدن میں امتری

پھیلانے والے طریقے اختیار کرنا۔ اپنے مالی فائدہ کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانا، اپنے ذرائع کسب مال و دولت کو وسیع کرنے میں دیگر افراد کے لئے معاشی تنگی کے اسباب پیدا کرنا، مفلس کے افلas و ناداری اور اس کی اضطراری حالت سے فائدہ اٹھانا اور محتاج و ضرورت مندوں کی احتیاج و ضرورت سے غنیمت موقع پا کر ایسے شرائط منظور کرنا جو سرمایہ داری میں اضافہ کے ساتھ مفلس کی افلas و ناداری کو بڑھاتے ہیں اور محتاج کو محتاج تر کرتے ہوں ”طغیان“ ہیں محتاجوں کے حق کو روکنا تکبر و فخر کرنا شان و جبروت دکھانا، سرکشی و فساد اگنیزی کرنا غرض تمام وہ طریقے اور خصلتیں ”طغیان“ ہیں جس سے اخلاق کے فطری سرمایہ کی بر بادی اور روحانیت کا فساد لازم آتا ہے، انفرادی منفعت کے لئے یا جماعتی مفاد کے نظام کی خرابی ان کا انجام ہوا سی طرح خدا کی عطیات و نعمات میں مناسب فطری تصرف سے روکنا قدرتی اشیاء کے موافق طبع استعمال کی ممانعت کرنا، معاشی میدان عمل کو تگ کرنا ایسے قیود لگانا جن سے فطرت کی دی ہوئی جسمانی و دماغی صلاحیتوں سے کام لینے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے یا اپنی محنت و سعی عمل کے ثمرات سے منتفع ہونے کا حق سلب ہوتا ہو ”طغیان“ ہے مختصر یہ کہ عقل و شرع و فطرت کی مقرر کی ہوئی حدود سے آگے بڑھ جانا ”طغیان“ ہے خواہ یا آگے بڑھ جانا کسی جانب ہو آیہ مبارکہ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اس قسم کے ”طغیان“ کا انجام غصب خدا کا نزول اور سراسر تباہی و ہلاکت ہے جس ا نظام معيشت کی بنیاد ”طغیان“ پر ہوگی وہ غصب الہی کو دعوت دے گا، اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہی ایک آیت یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اسلام سرمایہ دارانہ اصول معيشت کو برداشت نہیں کرتا ساتھ ہی اس کے ان تمام نظمات کا بھی مخالف ہے جن میں انسان کے فطری حقوق کے متعلق بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں۔

کسب معاش کی باعتبار حکم شرعی پانچ قسمیں

شرع اسلام نے طلب معاش اور اس کے وسائل کی تلاش کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے، مفسر علامہ مقدادؒ نے مختصر و جامع الفاظ میں ان سب کا بیان کر دیا ہے:

ثُمَّ الْطَّلَبُ لِلرِّزْقِ يَنْقَسِمُ بِالنَّاقِصَاتِ الْخَمْسَةِ وَاجْبُهُ مَا أَضْطَرَ الْإِنْسَانَ إِلَيْهِ وَلَا جَهَةَ لِهِ غَيْرُهُ وَنَدْبٌ وَهُوَ مَا قَصَدَهُ فِي الْمَالِ لِتَوْسِعَةِ عَلَى الْعِيَالِ وَاعْطَاءِ الْحَقِّ وَيَجْمَعُ الْأَفْضَالُ عَلَى الْغَيْرِ وَمَبَاحٍ وَهُوَ مَا قَصَدَ بِهِ جَمْعُ الْمَالِ الْخَالِيِّ عَنْ جَهَةِ مَنْهِيِّ عَنْهَا وَمَكْرُوهٌ وَهُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى مَا يُنْبَغِي التَّنْزِهُ عَنْهُ حَرَامٌ وَهُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى جَهَةِ قَبْحٍ (کنز العرفان)

”طلب رزق کی باعتبار حکم شرعی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) واجب، طلب رزق پر مجبور و ضرر ہو، اس کے علاوہ کوئی اوصورت اس کے لئے نہ ہو
 (۲) ندب (یعنی مستحب) جبکہ مقصود مال میں وسعت پیدا کرنے سے یہ کوئی عیال کے لئے معاشی وسعت پیدا ہوتا جوں کو دے اور غیر وہ پر تفضیل کرے۔

(۳) مباح، جس سے مقصود مال جمع کرنا ہوا یہ طریقے سے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو
 (۴) مکروہ، جو ایسے ناپسندیدہ طریقوں سے ہو جس سے پاک و صاف رہنا ہی مناسب ہے۔

(۵) حرام، کسی برے پہلو پر مشتمل ہو۔“

(۱۱) لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعَمُوا إِذَا مَا أَتَقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ أَتَقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ أَتَقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (سورہ مائدہ: ۹۳)

”جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھایا (پیا) اس میں کچھ گناہ نہیں جبکہ انہوں نے پر ہیز گاری کی اور ایمان لے آئے، اور اچھے اچھے کام کئے پھر پر ہیز گاری کی اور ایمان لائے پھر پر ہیز گاری کی اور نیکیاں کیں اور خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

اس آئیہ مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب انسان خدا پر ایمان رکھتا ہو اچھے کام کرتا اور محترمات سے بچتا ہو تو پھر دنیا کی نعمات الہیہ سے متفق ہونے میں اس کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

تذکرہ ایمان و تقویٰ و صلاح کا میں

تکرار کی مصلحت

تذکرہ ایمان و تقویٰ صلاح عمل و احسان کی تکرار انسانی حالات و معاملات کی جانب ناظر ہے۔

آدمی کا معاملہ اپنے نفس سے ہے خدا سے ہے اور بندگان خدا سے بھی۔ اس آئیہ مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمات دنیا سے انتفاع میں ہر آدمی کو ان تینوں حالات و معاملات کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اس بات کو مندرجہ ذیل آئیوں میں صراحتہ بیان کیا گیا ہے:

(پہلی آیت) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِمُكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعُلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ . وَأَنْفَقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخْرَجْتَنِي إِلَى أَجْلٍ قَرِيبٍ فَأَصَدَّقَ وَأَكْنُ مِنِ الصَّالِحِينَ (منافقون: ۹۶)

”اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو یاد خدا سے غافل نہ کر دیں اور

جو لوگ ایسا کریں گے وہی گھاٹے میں رہیں گے اور ہم نے جو کچھ عطا کیا ہے اس میں سے (دوسرے حامیوں پر) خرچ کرو۔ اس سے پہلے تم میں سے کسی کی موت آجائے اور اور وہ یہ کہنے لگے کہ پروردگار اتو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کرتا اور اچھے کام کرنے والوں میں داخل ہو جاتا۔“

(دوسرا آیت): **رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا يَبْيَعُ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيَّاعِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ** (نور: ۲۷)

”ایسے لوگ جن کو یاد خدا کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوہ دینے سے نہ تو تجارت روک سکتی ہے اور نہ کارو بار خرید و فروخت، وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں (خوف سے) دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔“

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ”حلال طریقوں سے معاش کی طلب عمل آخرت سے نہیں روکتی۔“

ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھایا کرو

(۱۲) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بِيَنْكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا۔** (سورہ نساء: ۲۹)

”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھاؤ، لیکن آپس کی رضامندی سے تجارتی کارو بار ہونا چاہیے تم خود اپنی جان ندو، بے شک غذا تمہارے حال پر مہربان ہے۔“

جبکہ خداوند عالم نے دنیوی معيشت کے لئے بنیادی اصول یہ قرار دیا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ انسان ہی کے لئے ہے، اور پیداوار زمین سب کے لئے عام اور مباح الاصل ہے ہر فرد کو اس سے نفع حاصل کرنے کا یکساں حق حاصل ہے تو فطرت انسانی کے حیوانی حصے کا یہ

تقاضا ہونے لگا کہ زمین کے منافع کو جس قدر اور جس طرح ہو سکتا پہنچ سیمیٹ لیا جائے، اور اس صورت میں مخلوقات کے درمیان مزاحمت و مناقشت ناگزیر تھی۔ لہذا ضرورت ہوئی کہ اکتساب و انتفاع کے طریقوں کو اخلاقی بنیادوں پر محدود کیا جائے اور اس آیت کا مفاد یہی ہے کہ تحصیل معاش کے جائز طریقے بتائے جائیں اور ناجائز طریقوں کو بند کر دیا جائے۔

لاتاکلو اموالکم بینکم بالباطل: ارشاد خداوندی ہے ”لاتاکلو اموالکم بینکم بالباطل“ اسلامی نظام معيشت کا نہایت جامع اور وسیع بنیادی اصول ہے۔ انسان کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسب معاش و تحصیل مال میں اس کی جدوجہد کا جائز طریقہ یہ ہے کہ دنیا کی اس پیداوار میں جو تمام بی نواع انسان کی مشترکہ ملکیت ہے کسی کی مملوک خاص نہیں۔ خود غرضی اور زبردستی کا دخل نہ ہونے پائے طرق اکتساب معيشت باہمی معاملات و معاوضہ کی شکل اختیار کریں جن کی بنیاد آپس کی رضامندی اور اشتراک عمل پر ہو۔ تصرفات کی اور اس آپس کے جذبہ تعاون و تراض پر قائم کی جائے۔ معاملات کے لئے ایسا صحیح طریقہ کار اختیار کیا جائے جس سے ایک فرد کا نفع دوسرے کی حق تلفی اور مضرت کا باعث نہ ہو جائے۔ ایک شخص کی خیر دوسرے کے لئے شر بن جائے لہذا جو چیز ناحق لی گئی ہو صحیح طریقہ کار سے حاصل نہ کی گئی ہو، بلکہ سود و رشوت قمار، غصب خیانت چوری اور ایسے ہی باطل و ناپاک طریقوں سے حاصل کی گئی ہو اس سے انتفاع حرام ہے۔

”اکل بالباطل“ کے کلیہ میں وہ تمام طریقے داخل ہیں جن کی اجازت شریعت سے حاصل نہیں ہے اور نظام عالم انسانیت کے لئے باعث فساد و ضرر ہیں۔

”اکل بالباطل“ کو منوع قرار دیتے ہوئے یہ فرمانا کہ ”لا تقتلوا انفسکم ان الله کان بکم رحیما“ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کامال باطل یعنی ناجائز اور

غیر اخلاقی طریقوں سے کھانا خود اپنے نفس کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کا انجام انسانیت و عالم انسانیت کی تباہی و خرابی ہے چونکہ خدار جسم ہے اس کو تمہاری تباہی و ہلاکت گوارہ نہیں، اس لئے تمہیں ان طریقوں سے روکتا ہے۔

معاشی جدوجہد میں جواہتمام منظور نظر شریعت اسلام ہے وہ ان احکام و وہدایات سے ظاہر ہے جن کی کثرت حصر و شمار سے کم از کم اس مختصر مضمون میں مانع ہے۔ نفع عالم کے خیال سے صرف چند احکام و وہدایات کو بیہاں پیش کرتا۔

معاشی جدوجہد کی اہمیت اسلام کی نظر میں طلب معاش فریضہ ہے اور ہترین عبادت

(۱) ”انہ هو اغنىٰ و اقنى“ (النجم: ۳۸) جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اس قول الٰہی کی تفسیر میں فرمایا: اغنىٰ کل انسان بمعیشہ و ارضاء بکسب یہ دہ ۔ ہر انسان کو اس کی معیشت کا سامان عطا کر کے غنىٰ کیا اور اس کے ہاتھوں کی محنت اور کمائی کے ذریعہ سے اس کو رضا مند فرمایا۔“ (مذکور الوسائل: ج ۱۱۳ ص ۲۳)

(۲) قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: طلب الحلال فریضة بعد الفریضة (بحار) ”طلب حلال فریضہ ہے بعد فرائض (نمائز روزہ وغیرہ) کے۔“ (بحار الانوار: ج ۱۰۰، ص ۱۸)

(۳) قال رسول اللہ: العبادة سبعون جزء افضلها طلب الحلال ”عبادت کے ستر (۷۰) جزیں ان میں سب سے افضل طلب حلال ہے۔“

(تحذیب الاحکام: ج ۱۶، ص ۳۲۵)

عیال کے لئے روزی کمانے میں محنت کرنے والا راہ خدا میں جهاد کرنے والے کا ہمسر ہے

(۳) قال رسول اللہ الکاد علی عیالہ کالمجاهد فی سبیل اللہ۔

آنحضرت نے فرمایا کہ عیال کے لئے مشقت سے روزی کمانے والا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مش ہے۔“ (الکافی: ج ۵، ص ۸۹)

(۴) اصلاح الممال من الایمان و قال عليك بصلاح المال فان فيه

منهہ للکریم و استغنا عن اللئیم، اصلاح مال خاصہ ایمان ہے تم کو لازم ہے کہ تم مالی حالت درست رکھو کیونکہ یہ بات صاحب کرم کے لئے باعث رفتہ قدر ہے اور لئیم (ذیل و دنی اطیع) انسانوں سے بے نیاز کرتی ہے۔“ (الکافی: ج ۵، ص ۸۹)

(۵) علی العاقل ان یکون طالبا لثلاث حرمة لمعاش او تزوید لمعاد

او تلذذ فی غیر محروم ،صاحب عقل کا فرض ہے کہ تین باتوں کا خواستگار ہو (۱) اپنی معاش کی درستی (۲) تو شرک آخرت مہیا کرنا (۳) اور جائز و حلال لذتوں سے مظوظ ہونا۔“
(وسائل الشیعہ: ج ۱۱ ص ۳۲۲)

مددوح سرمایہ داری، حلال طریقے سے اغراض صحیح کے لئے مال جمع کرنا چاہیے

(۶) لا خیر فيمن لا يحب جمع المال من حلال يكف به وجهه و

يقضى به دینه و يصل به رحمه۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۲ ص ۱۹)

اس شخص کے اندر کوئی بھلانی نہیں جو بطریقہ حلال مال جمع نہیں کرتا تاکہ اپنی آبرو محفوظ رکھے اور قرض ادا کرے۔“

صلہ رحمی اور سخاوت کا دننا اجر

(۸) الغنیٰ اذا کان وصولاً رحمة بار باخوانه اضعف الله له الا جر ضعفین لان الله يقول وما اموالکم ولا اولادکم بالتي تقربکم عندنا زلفیٰ الا من امن و عمل صالح فاو لک لهم جزاء الضعف بما عملوا وهم في الغرفات امنون ((وسائل الشیعہ ج ۲۷ ص ۲۷۶))

”سرمایہ دار جبکہ صلہ رحمی کرنے والا ہو اور بھائیوں کے ساتھ فیاضانہ سکوک کرتا ہو تو خدا اس کے اجر کو دننا کر دے گا اور اس کا ثبوت خدا کا یہ فرمان ہے ”وما اموالکم ولا اولادکم الخ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو خدا کا مقرب نہیں بنا سکتے مگر (مقرب خدا وہ ہے) جس نے ایمان قبول کیا اور اپنچھے کام کئے۔ ایسے لوگوں کو خدا کی طرف سے دوہری جزا ان کی کار گذاریوں کی ملے گی اور وہ لوگ (بہشت کے) جھروکوں میں امن و چین سے رہیں گے۔“

طلب دنیا کے اعلیٰ مقاصد و رسول سے بے نیاز ہونا اور ہمسایہ پر مہربانی کرنا

(۹) من طلب الدنيا استغناء عن الناس و تعطفا على الجار لقى الله وجہہ كالقمر (الکافی: ج ۵، ص ۲۷)

”جو شخص اس غرض سے دنیا حاصل کرتا ہے کہ دوسروں سے بے نیاز رہے اور ہمسایہ پر مہربانی کر کے وہ خدا کے سامنے بروز قیامت حاضر ہوگا، در آنحال کیہے اس کا چیزہ چاند کی طرح روشن ہوگا۔“

اپنے دست و بازو کی محنت سے کما کر کھانے والا، ثواب انبياء حاصل کرے گا۔ خدا اس پر نظر رحمت کرے گا اور کبھی اس پر عذاب نہ ہوگا
(۱۰) من اکل من کدیدہ کان یوم القيمة فی عداد الانبياء و يأخذ ثواب الانبياء (جامع الاخبار)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمایا ہو مال کھائے گا قیامت میں وہ پیغمبروں کے درجہ میں ہوگا۔ اور پیغمبروں کا ثواب پائے گا۔“

(۱۱) من اکل کدیدہ نظر اللہ الیہ بالرحمۃ ثم لا یعذبه ابداً ”جو آدمی اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر روزی کھائے گا۔ خدا اس کی طرف نظر رحمت کرے گا اور اس پر عذاب کبھی نہ ہوگا۔“ (مدرس الممالک: ج ۱۳ ص ۲۲)

مرد کا سب خدا کا محبوب ہے

(۱۲) الکاسب حبیب اللہ ”مرد کا سب خدا کا محبوب ہے۔ (الکافی: ج ۵، ص ۲۷)
نیز آنحضرت نے فرمایا: (۱۳) انى احباب ان ينادى الرجل بحر الشمس
فی طلب المعیشة .

”مجھے یہ پسند ہے کہ لوگ طلب معيشت کے لئے دھوپ کی اذیت برداشت کریں،“
”دنیا کے کام اس طرح کرو کہ گویا تمہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اور

کار آخرت اس طرح کرو کہ گویا کل ہی مرنا ہے“

(۱۴) اعمل لدنيا ک کانک تعیش ابداً و اعمل لا آخرت ک
کانک تموت غداً (الکافی الاخبار، ص ۳۲)

”دنیا کا کام اس طرح کرو گوایتم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت اس طرح کرو گویا کل
ہی تم کو منا ہے۔“

دوسروں پر اپنا بار معيشت نہ ڈالو،
جو شخص اپنا بار دوسروں پر ڈالتا ہے وہ ملعون ہے

(۱۵) قال رسول الله ﷺ ملعون ملعون من الفی کله علی الناس

ملعون ملعون من ضیع من یعول“ (الکافی ج: ۲۶ ص: ۷۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی ملعون ہے، ملعون ہے جو دوسروں پر اپنا بار ڈالتا ہے
ملعون ہے، ملعون ہے وہ جو اپنے ذیرستوں کو مشکلات میں ڈالے۔“

سب سے بڑا اجر اس آدمی کا ہے جو اپنے
اہل و عیال کیلئے دوڑ دھوپ کرتا ہے

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱۶) من اعظم الناس اجراً من سعى في حاجة احباب من ضياع اهله و
قطעה حرمه الله من الجزاء يوم يجزى المحسنين. (وسائل الشيعة ج ۱۶ ص ۳۲۲)

حضرت ﷺ نے فرمایا ”سب سے بڑا اجر اس آدمی کا ہے جو اپنے اہل و عیال کے
لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے اور جو آدمی اپنے اہل عیال کی خبر نہیں لیتا اور قربانیوں کے حقوق ادا
نہیں کرتا خدا اس کو روز قیامت اچھی جزا سے محروم کر دے گا۔“

جو شخص عیال کو ضائع کر دیتا ہے، ان کی خدمت نہیں کرتا وہ ملعون ہے

نیز آپ کا ارشاد ہے: (۱) ملعون ملعون من ضیع من یعول.

”وہ شخص ملعون ہے ملعون ہے جو عیال کو باحال خراب چھوڑ دیتا ہے
“(الکافی ج: ۲۶ ص: ۷۷)

روزی کمانے میں کاہلی کی نہ مت

لا تکسل عن معيشتك فتكون كالاعلى غيرك (لثالي الاخبار)

”روزی کمانے میں کسل و کاہلی نہ اختیار کرو کہ اس طرح دوسروں پر بار بی جاؤ گے۔

“(الکافی ج: ۲۵ ص: ۸۷)

بے صبری اور کاہلی سے بچو

(۱۹) نیز حدیث میں ہے ”ایاک و خصلتین الضجر والکسل فانک ان

منجرت لم لقبر علی حق و ان کسلت لم تو دحقا (الکافی ج: ۲۶ ص: ۸۶)

”تم و خصلتوں سے بچتے رہو (ضجر) (تندگانی و بے صبری) (کسل و سستی و کاہلی) کیونکہ اگر تم بے صبر
و تندگانی ہو جاؤ گے تو (اپنے) کسی حق پر صبر نہ کر سکو گے اگر کاہل بنو گے تو کوئی حق ادا نہ کرو گے“

ارشاد نبوی: جو آدمی منه کھولے خدا سے
روزی کرے لئے دعائیں مانگتا ہے اور طلب رزق
نهیں کرتا اس کو میں دشمن رکھتا ہوں!

(۲۰) قال النبي ﷺ انى لبغض الرجل فاغرافاه الى ربه يقول ارزقى و

یترک الطلب۔ ”(وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۲۹)

”آنحضرت نے فرمایا: مجھے اس آدمی سے دشمنی ہے جو منہ کھولے پروردگار سے کہتا ہے کہ مجھے رزق عطا کرو اور خود روزی نہیں کہتا۔“

جس آدمی کو روزی کمانے میں شرم نہیں آتی اس کا بارہ لہا، دل مسرور اور عیال خوشحال رہتے ہیں

(۲۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: من لم يستحب من طلب المعاش خفت موته، ورخا باله، ونعم عياله (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۱۱)

”جو شخص طلب معاش میں شرم نہیں کرتا اس کا بارہ لہا، دل مسرور اور عیال خوش حال رہتے ہیں۔“

**جو شخص گھر میں بیٹھا رزق کی دعا میں مانگتا ہے
اور طلب رزق کے لئے نہیں نکلتا
اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی**

(۲۲) ان اصنافاً من امتي لا يستجيب لهم دعاء هم

”نیمری امت میں چند قسم کے لوگوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی۔“

ان اصناف کے بارے میں فرمایا: و رجل يقعد في بيته ويقول يا رب ارزقنى ولا يخرج ولا يطلب الرزق فيقول الله عز و جل عبدى الم اجعل لك السبيل الى الطلب والتصرف في الارض بجوار حصححة .

”وہ شخص جو گھر میں بیٹھا کہتا ہے پروردگار مجھے رزق دے اور نہ گھر سے باہر نکلتا ہے اور نہ روزی کماتا ہے، خدا سے فرماتا ہے کہ کیا میں نے تیرے لئے روزی کمانے اور روز میں میں تدرست

اعضاء سے کام کا ج کرنے کی سبیل نہیں قرار دی ہے۔“ (الكافی: ج ۵، ص ۲۸)

دنیا چھوڑ دینے والوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی،
اصحاب رسول کا
ایک نصیحت خیز واقعہ

(۲۳) علی بن عبدالعزیز راوی ہیں کہ مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ”عمربن مسلم“ کا حال پوچھا تو میں نے عرض کی کہ انہوں نے تجارت کا پیشہ چھوڑ دیا ہے اور عبادتوں میں لگ گئے ہیں تو حضرت نے فرمایا:

ویحه اما علم ان تارک الطلب لا يستجاب له دعوات ان قوماً من اصحاب الرسول لما نزلت و من يتق الله يجعل له مخرجا و يرزقه من حيث لا يحسب اغلقو الابواب و اقبلوا الى العبادة و قالوا قد كفينا بلغ ذالك النبي فارسل اليهم فقال ما حملكم على ما صنعتم فقالوا يا رسول الله تكفل الله لنا بارزاً قتنا فاقبلنا على العبادة فقال انه من فعل ذالك لم يستجب له عليكم بالطلب.

”اس کے حال پر افسوس ہے کیا اس کو نہیں معلوم کہ ترک دنیا کرنے والوں کی دعا میں مقبول نہیں ہوتیں، اصحاب نبی میں سے کچھ لوگوں نے آیہ مبارکہ ”من يتق اللہ“ آیہ کے نزول کے بعد اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے کہ خدا نے ہمارے رزق کا ذمہ لے لیا ہے جب یہ حال جانب رسول گو معلوم ہوا تو آپ نے ان لوگوں کو بلا کھجرا اور فرمایا تمہارے اس طرز عمل کا باعث کیا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کی پا رسول اللہ! خدا تو ہمارے لئے روزی کا فیل و ذمہ دار ہو چکا ہے، اس لئے ہم صرف عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں،

حضرتؐ نے فرمایا: جو شخص ایسا کرے گا اس کی دعا تبول نہیں ہوگی، تم پر روزی کی تلاش لازم ہے۔“
(الکافی: ج ۵، ص ۸۲)

ارشادِ نبویؐ سوال کرنا بھیک مانگنا بہت برا کام ہے

(۲۳) قال مسئلة الناس من الفواحش والفاحشة تباح عندها لضرورة و من سئل عن غنى فانما يستكثرون من حميم جهنم و من سئل و له ما يغنيه جاء يوم القيمة و وجده عظم يتحقق ليس عليه لحم . (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۱۱)

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”لوگوں سے سوال کرنے بداریوں میں داخل ہے اور برے کام کی اجازت فقط ضرورت ہی کے وقت ہوتی ہے، بے ضرورت سوال کرنے والا جہنم کے گرم پانی کو اپنے لئے کثیر مقدار میں جمع کرتا ہے اور جو شخص سوال کرے گا درحالیہ اس کے پاس بقدر ضرورت سامان رزق موجود ہے تو بروز قیامت اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر فقط بہڈیاں ہوں گی گوشت نہ ہوگا۔“ (الجیۃ البیهاعی: ج ۷ ص ۳۷)

جو مسلمان لوگوں سے سوال کرے گا خدا اس کے آنکھوں کے درمیان یہ لکھدے گا کہ

یہ شخص تا قیامت فقیر ہے گا

(۲۵) نیز یہ ارشادِ نبویؐ ہے: من هدایہ اللہ للإسلام و علمہ القرآن آن ثم سال الناس کتب بین عینیہ فقیر الی یوم القيمة .

”جسے خدا نے اسلام کی راہنمائی کی اور علم قرآن عطا کیا پھر اس نے لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلایا تو خدا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھدیتا ہے کہ یہ شخص

قیامت تک فقیر رہے گا۔“ (مجموعۃ الورام ج: ۱ ص: ۷۰)

ایک درسوال کا کھولنا

فقیری کے ستر (۷۰) دروازوں کے کھلنے کا باعث ہوتا ہے

(۲۶) نیز حضرتؐ نے فرمایا: من فتح علی نفسه باب مسئلة فتح الله عليه سبعین باباً من الفقر لا یسدادناها شيئاً (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۱۱)

”جو شخص اپنے اوپر ایک دروازہ سوال کا کھولے گا تو خدا اس پر ستر دروازے فقیری کے کھول دے گا جن میں سے ادنیٰ دروازے کو بھی کوئی چیز بندنہ کر سکے گی۔“

لکڑیاں چین کر بیچنا اور اس سے اپنا رزق حاصل کرنا سوال کرنے سے بہتر ہے

(۲۷) ان الارزاق دونہا حجب فمن شاء هتك الحجاب و اخذا رزقه و الذى نفسي بيده لان ياخذ احدكم حبلان ثم يدخل عرض هذا الوادي فيحتطب ثم يدخل السوق فيبيعه بمد من تم رفاح ذله و يتصدق بثلثية خير له من ان يسئل الناس اعطوه او حromoہ۔ (الکافی: ج ۳، ص ۲۱)

”روزیوں کے اوپر حجاب پڑے ہوئے ہیں جس کا جی چاہے اپنی شرم و حیا پر قائم رہے اور جس کا جی چاہے حجاب غیرت کو چاک کر دے اور اپنا رزق حاصل کرے تم میں سے کوئی شخص اس وادی میں جا کر لکڑیاں جمع کرے اور بازار جا کر ایک مذرما پر فروخت کر کے ایک تہائی خود کھائے اور دو تہائی محتاجوں پر قصد کر دے تو یہ بات اس کے لئے اس سے بہتر ہوگی کہ لوگوں سے سوال کرتا رہے خواہ اس کو دے یا محروم کر دے۔“

ہمارا پیر وہ آدمی ہے جو بھوکا مرجائے مگر بھیک نہ مانگے

(۲۸) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: شیعتنا من لا یسئل الناس ولو
مات جوعاً۔ (وسائل الشیعہ ج ۹ ص ۲۲۶)

”ہمارا شیعہ وہ ہے جو بھوکا مرجائے مگر لوگوں سے سوال نہ کرے۔“

ایک جماعت انصار کا بہترین طرز عمل۔ اتباع امر بنی کا اعلیٰ نمونہ

(۲۹) ایک روایت میں ہے: انه جاءت فخذ من الانصار قالوا يا
رسول الله ﷺ فرد عليهم السلام فقالوا لنا ایک حاجة فقال: (هاتوا
 حاجتكم) فقالوا انها حاجة عظيمة فقال: هاتوها ما هي) قالوا: تضمن لنا
 على ربک الجنة فنكس راسه ثم رفع راسه فقال: (افعل ذلك على الا

تسالوا احدا شيئاً) فكان الرجل منهم يكون في السفر فسقط السوطه فيكره
ان يقول الانسان ناولنيه فراراً عن المسئلة، وينزل فيأخذه ويكون على
المائدة و يكون بعض الجلساء اقرب الى الماء منه فلا يقول ناولني حتى

فيقوم ويشرب. (اوائل: کتاب الزکاة ابواب الصدقۃ: باب ۳۳ الحدیث ۲)

”انصار میں سے کچھ لوگ خدمت رسالتماں میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول ا
لہؐ ہم ایک بڑی حاجت لے کر آئے ہیں وہ یہ کہ آپ ہمارے لئے بہشت کی ذمہ داری لے
لیجئے۔ حضرت نے کچھ دیریک سر جھکائے رکھا۔ پھر مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ میں اس شرط پر
تمہارے لئے بہشت کا ضامن ہوتا ہوں کہ تم کسی سے سوال نہ کرو گے۔ ان لوگوں نے یہ شرط

قول کر لی۔ نوبت یہ پہنچی کہ اگر سفر میں ان کے کسی سوار کے ہاتھ سے کوڑا گر پڑتا تھا تو وہ خود اتر
کر اٹھاتا تھا۔ اپنے کسی ساتھی پیدل چلنے والے سے یہ نہیں کہتا تھا کہ میرا تازیانہ اٹھادو، اور کسی
درستراخان پر کھانے کے لئے بیٹھتے تھے تو جس سے طرف آب دور ہوتا تھا وہ خود اٹھ کر جاتا اور پانی
پیتا تھا، کسی قریب کے آدمی سے نہیں مانگتا تھا۔“

بھیک مانگنے والے کی گواہی لائق قبول نہیں

(۳۰) نیز جناب رسالتماں نے فرمایا: شہادة الذى یسئىل فی کفه یرد :

جو آدمی بھیک مانگتا ہے اس کی گواہی قبول نہ کی جائی گی۔ (نهایی الاخبار: ص ۱۳۶)

سبحان اللہ: کیسی اعلیٰ اخلاقی و معاشی تعلیم تھی، اور کیسے عالیٰ ہمت اس کے ماننے والے
تھے اگر آج تعلیم اسلامی پر عمل کرنے کا بھی مبارک جذبہ پیر و ان اسلام کے بنائے ہوئے
طریقوں پر بلند ہمتی کے ساتھ گا مزن ہوتے تو دنیا اسلامی اصول کی برتری تسلیم کئے بغیر نہ رہتی،
جبکہ خود مسلمان ہی اسلامی تعلیمات سے ناواقف و بے بہرہ ہیں تو ان غیر کانا ناواقف رہ جانا کس
طرح قبل تجھب ہو سکتا ہے۔؟

دکانداری و تجارت کی ہدایت

ارشادِ نبوی ہے: الرزق عشرة اجزاء تسعه منها في التجارة ”روزی کے
دس حصے ہیں، نو حصے تجارت میں ہیں۔“ (وسائل الشیعہ ج ۹ ص ۱۲)

اب عمر راوی ہیں: قلت لابی عبدا لله انه قد ذهب مالي و تفرق مافي
يدى و عيالى كثير فقال ابو عبدا لله اذا قدمت الكوفة فافتتح باب حالونك
وابسط بساطك وضع ميزانك و تعرض لرزق ربک ففعل ذالك فاثرى
وصار معروفاً۔ (وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۵۶)

”میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کی کہ میرا سب مال و متاع جاتا رہا اور عیال

میرے بہت ہیں کیا کروں؟ حضرت نے فرمایا: جب کوفہ میں تیرا جانا ہو تو اپنی دوکان کے در کھول دینا، بساط پچھا کر بیٹھ جانا، ترازو رکھ دینا اور اس طرح خدا کا رزق طلب کرنا اس نے ایسا ہی کیا اور مشہور صاحب ثروت ہو گیا۔“

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا:- ای شئی تعالج ای شئی تصنع قلت ما انا فی شئی قال فخذ بینا اکنش فناه و رشه و ابسط فيه بساطاً فادا فعلت ذلک فقد قضيت ما عليك (النالی الاخبار، ص ۱۵۳)

”تمہارا روزگار کیا ہے کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کی کچھ بھی نہیں۔ تو فرمایا ایک دوکان لے لو، اس کے صحن کو جھاؤ، پانی چھپڑ کو اور فرش پچھا کر بیٹھ جاؤ، جب تم نے اتنا کر لیا تو اپنا حق اور فریضہ ادا کر چکے۔“ (الکافی: ج: ۵، ص ۸۰)

تجارتی کاروبار اپنا پیشہ بناؤ

(۳) تعرضوا للتجارة فان فيها غنى لكم عمماً في ايدى الناس حضرت امير المؤمنینؑ کا ارشاد ہے: تجارت کا پیشہ اختیار کرو لوگوں سے بے نیازی کا راز اسی میں ہے۔ (بخار، ص ۸۵) (الکافی: ج: ۵، ص ۱۵۰)

تجارت و دستکاری

(۴) سئال النبیؐ ای کسب الرجل اطیب قال عمل الرجل بیده و کل بیع میور (النالی الاخبار، ص ۳۳۳)

جناب رسول سے کسی نے پوچھا کون سا پیشہ اور کمانے کا طریقہ اچھا ہے؟ فرمایا اپنے ہاتھ سے کام کرنا یعنی دستکاری اور عمده و پچی تجارت۔ (متدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۲۵)

صنعت و حرفت کی ترغیب

جناب رسولؐ نے فرمایا: (۲) ان الله يحب المترحون (النالی الاخبار، ص ۳۳۱) صاحب حرفت و دستکاری کو خدا دوست رکھتا ہے۔

جب مومن صاحب حرفت نہیں ہوتا
تودین فروشی کرتا ہے اور
دین ہی کوذر یعیہ معاش بناتا ہے

(۴) کان رسول الله صلعم اذ انظر الى الرجل فاعجبه قال هل له حرفة فان قالوا لا قال سقط من عيني قيل و كيف ذلك يا رسول الله قال لان المؤمن اذا لم يكن له حرفة يعيش بدينه (متدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۱۱) جب آنحضرت کسی کو دیکھتے اور وہ آپ کو بھلا آدمی معلوم ہوتا تو پوچھتے تھے کہ یہ کوئی صنعت و حرفت کرتا ہے؟ اگر لوگ یہ کہتے کہ نہیں تو آپ فرماتے تھے کہ یہ شخص میری نگاہ سے گر گیا، کسی نے عرض کی اے رسول خدا! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا: اس لئے کہ جب مومن صاحب حرفت اور پیشہ و نہیں ہوتا تو وہ اپنے دین ہی کوذر یعیہ معاش بناتا ہے۔“

زراعت پرورش حیوانات و با غبانی

(۵) وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكّلِ الْمُؤْمِنُونَ (سورہ توبہ: ۵۱)

”ایمانداروں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

حدیث میں ہے کہ ”مؤمنون“ سے مراد کاشتکار و مزارعین ہیں جناب سرور کائنات کے کسی نے پوچھا کہ کوئی سال بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: زرع زرعہ صاحبہ و اصلحہ و ادی حقہ یوم حصادہ وہ سچتی جس کو کاشتکار ہوتا ہے اس کو درست کرتا ہے اور کائٹنے کے

دن اس کا حق ادا کر دیتا ہے۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۹ ص ۳۶)

پھر اس نے پوچھا زراعت کے بعد کو نسامال بہتر ہے؟ تو فرمایا: رجل فی غنمہ قد تبع بها موقع القطر يقيم الصلوٰة و يوتى الزكوة۔ ”وَهُآدِي جُوبَحِيرِينْ پالتا اور بارش کے مقامات سبزہ زاروں میں ان کو لئے پھرتا ہے نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے، پھر اس نے پوچھا بھیڑوں کے بعد کو نسامال بہتر ہے؟ تو فرمایا: البقر تغدو بخیر و تروح بخیر، گائیوں کے لگے جن کو تو صبح کو چرانے نکلتا ہے اور شام کو واپس آتا ہے، پھر سوال ہوا کہ گائے کے بعد کو نسامال بہتر ہے؟ تو فرمایا: المطعمنات فی المحل نعم الشئی النخل زمانہ تحفظ میں غزادینے والے کھجور کے درخت نہایت خوب ہیں۔

(تفہیم نور الشقین: ج ۳ ص ۳۹)

کاشتکاری و با غبانی

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زراعت مکروہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: از رعوا و اغرسوا والله ما عمل الناس عملاً اطیب من ذالک (متدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۳۲۲)

”کھیق کرو باغ لگا و بخدا کوئی کام اس سے زیادہ حلال و پاکیزہ نہیں ہے۔“

خدا کو سب سے زیادہ پسند پیشہ کاشتکاری ہے

ہارون راوی ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کاشتکاروں کے متعلق پوچھا تو ارشاد ہوا: هم الظارعون کنوز الله فی ارضه و ما فی الاعمال شی احب الى الله من الزراعة ”کاشتکار خدا کے خزانوں کو زمین میں بوتے ہیں۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ پیشہ زراعت ہے۔“ (وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۲۵)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کہ میرے پدر بزرگوار (امام زین العابدین علی بن الحسین علیہم السلام) کہا کرتے تھے کہ ”بہترین کام کاشتکاری وزراعت ہے کیونکہ اس سے مومن و بدکار سب ہی متنفع ہوتے ہیں اور حیوانات کو بھی نفع پہنچا ہے۔“

با غبانی

جناب رسالت مأب صلعم نے فرمایا: من سقی طلحہ او سدرہ فکانما سقی مومنا من ظماء (متدرک المسائل: ج ۷ ص ۲۳)

”بوجو خص درخت خرمایا بیر کے درخت کو پانی دیتا ہے گویا کہ وہ کسی پیاس سے مومن کو پانی پلاتا ہے۔“ سیرت جناب امیرؑ کے متعلق ارشاد دیلی میں مروی ہے، کانؑ یغرس النخل و بیعها و یشتوى بشمنها العبید و یعتصهم و یعطیهم مع ذالک ما یغنهیم عن الناس۔

جناب امیرؑ کے باغ لگاتے اور اسے فروخت کرتے تھے اور اس کی قیمت سے غلاموں کو خرید کر کے آزاد کر دیتے تھے اور ان کو اتنا مال بھی دیدیتے تھے جس سے وہ لوگوں کے محتاج نہ ہیں۔“ نیز حضرت کے متعلق مروی ہے، لقدر انتق الف مملوک من کدیمینہ تربت منه یداہ و عرق فیہ جبینہ ، (بخار الانوار: ج ۲۱) ”حضرت امیر المؤمنین نے ایک ہزار غلام اپنی ذاتی کمائی سے جس میں دست مبارک خاک آلو اور جبین مقدس عرق ریز ہوئی تھی خرید کر آزاد فرمائے۔

سیرت نبویؐ و سیرت دیگر پیشوایان اسلام

(۱۲) رأیت ابا الحسن علیہ السلام یعمل فی ارض له قد استفعت قد ماه فی العرق فقلت له جعلت فداك این الرجل فقال یاعلی من عمل

باليد من هو خير مني في ارضه ومن ابي فقلت و من هو قال رسول الله و امير المؤمنين و ابائى كلهم كانوا قد عملوا بایديهم و هو من عمل النبیین والمرسلین والوصیاء والصالحین (الکافی: ج ۵، ص ۲۷)

ابو حزہ راوی ہیں ”میں نے ابو حسن علی رضا علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی ایک زمین میں اپنے ہاتھوں سے کام کر رہے ہیں اور دونوں پاؤں غبار و پسینے سے آلوہ ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر عرض کی کہ میں آپ پر فدا کیا جاؤں آدمی کہاں ہیں؟ (جو آپ خود محنت و مشقت برداشت کر رہے ہیں) فرمایا: اے علی! اپنے ہاتھوں سے ان لوگوں نے کام کئے ہیں جو خدا کی زمین میں مجھ سے بہتر تھے۔ میں نے عرض کی وہ حضرات کون تھے؟ فرمایا: جناب سرالتما ب اور امیر المؤمنین اور میرے سب باپ دادا پنے ہاتھوں ہی سے کا کیا کرتے تھے۔ اور انبیاء و مرسیین، اوصیاء و صالحین کا بھی طریق عمل یہی رہا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

انی لا عمل فی بعض ضیاعی حتی اعرق و ان لی من یکفینی لیعلم اللہ انی اطلب الرزق الحلال (الکافی: ج ۵، ص ۲۷)

میں اپنی زمینوں میں خود کام کرتا ہوں یہاں تک کہ پسینے میں ڈوب جاتا ہوں، حالانکہ میرے پاس خدمتگار موجود ہوتے ہیں جو میری مدد کر سکتے ہیں۔ میں ایساں غرض سے کرتا ہوں تاکہ خدا و ند عالم دیکھ لے کہ میں رزق حلال کا طالب ہوں۔“

امام محمد باقر علیہ السلام سے مردی ہے:

کان امیر المؤمنین يخرج فى الهاجرة قد كفاحا يريده ان يراه اللہ يتبع نفسه في طلب الحلال ، (من لا تحضره الفقيه: ج ۳، ص: ۱۶۵)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام دوپہر کی شدید گرمی میں خود حاجات و ضرورت کے لئے نکل پڑے ہوتے تھے حالانکہ آپ کی مدد کرنے والے موجود تھے مگر آپ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ خدا وند عالم یہ دیکھ لے کہ طلب حلال میں آپ اپنے نفس کو تعجب میں ڈالتے تھے۔“

روایات مندرجہ بالا کے مضامین کا خلاصہ
ان روایات و اخبار سے مندرجہ ذیل متن
نگاہ عقل کے سامنے آتے ہیں:

(۱) اسلام کو گدار گری سے نفرت ہے بے ضرورت سوال کرنا اور بھیک مانگنا اس کے نزدیک ناجائز اور برا کام ہے۔

(۲) اسلام کو یہ گوارہ نہیں کہ کوئی تند رست و توانا آدمی اپنا بار معيشت دوسروں پر ڈالے وہ اس کو قابل لعنت کام قرار دیتا ہے اور وہ کاہلی اور سُتی کا سخت مخالف ہے۔

(۳) زیادہ سے زیادہ افراد کا سب پیدا کرنا، تجارت، زراعت، صنعت و حرف کو فروع دینا، زمین کی آبادی اور کسب معاش کے جائز ذرائع و وسائل کو وسیع کرنا، اس کا عظیم الشان نصب اعین ہے، ذوق اسلامی راہبانہ و جو گیانہ طریقوں سے حاصل کی ہوئی معاش کو ”اکل بالباطل“ یعنی حرام خوری قرار دیتا ہے، یا ایہا الذین امْوا اَنْ كثیراً مِن الاحْبَار و الرهبان لیا کلون اموال الناس بالباطل (سورہ توبہ: ۳۲) ”اے ایمان لانے والو! یقیناً (یہود و نصاریٰ) کے بہت سے علماء اور راہب، لوگوں کے مال ناقص کھاتے ہیں۔“

(۴) زراعت و تجارت و با غبانی اس کے نزدیک وسائل معاش کے اعلیٰ اقسام ہیں، نوکری، مزدوری، مستاجری، کو وہ تجارت کے برابر اہمیت نہیں دیتا، اور اس کی وجہ بھی بتائی ہے۔

اجرت کے کاموں سے تجارت بہتر ہے اور اس کا سبب

عمار سا باطی ناقل ہیں کہ میرے سوال کے جواب میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا:

لا یوجر نفسہ و لکن یسترزق اللہ عز و جل و یتجر فانہ اذا جر نفسه خطر علىٰ نفسه الرزق، کوئی شخص اپنے نفس کا سودا نہ کرے بلکہ خدا سے رزق کا طالب ہو (یعنی اجرت پر کام کرنا، اپنا ذریحہ معاش نہ بنائے) اور تجارت کا پیشہ اختیار کرے کیونکہ اپنے نفس کا معاملہ اجرت پر کرنے سے رزق کم ہو جاتا ہے۔ (من لا يحضره الفقيه: ج: ۲ ص: ۵۷)

اصول، اجمالی فی الطلب، تحصیل رزق کے لئے سمیٰ و محنت کے عمدہ طریقے اختیار کرو

جناب رسالت مآب نے فرمایا: ایہا الناس ان الرزق مقسم من الله تعالى وامراء ما قسم له فاجملوا فی الطلب
”لوگو! رزق خدا کی طرف سے تقسیم شدہ ہے جس کی قسمت میں جتنا رزق ہے وہ اسے ضرور ملے گا، لہذا طلب رزق میں اچھے طریقے اختیار کرو۔“ (مذکور المسائل: ج: ۱۳ ص: ۸۲)

اصول اجمالی فی الطلب کا خلاصہ

فخفض فی الطلب و اجمل فی المكتسب فانه رب طلب قد جر الى حرب (نیج البلاغہ امام حسن علیہ السلام کے نام خط نمبر ۳۳)
”جناب امیر المؤمنین کا ارشاد ہے ”طلب رزق میں نرم رفتار سے چلو کسب معاش میں اچھے

طریقے اختیار کرو کیونکہ اکثر معاشی دوڑھوپ کا انجام جھگٹ افساد ہے۔

شیخ محمد عبدہ مصری شارح نیج البلاغہ نے مذکورہ جملوں کی شرح میں کہا ہے: ای سعی سعیا جمیلا لا یحرص فیمنع الحق ولا یطعم فیتناول ما ليس بحق ”یعنی آدمی سعی جمیل اختیار کرے نہ حریص بنے اور نہ کسی کا حق روکے اور نہ طمع کرے اور وہ چیزیں لے لے جو اس کا حق نہیں ہیں۔

طلب رزق و کسب معاش میں اچھے اور معتدل طریقے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے اس کی مصلحت بھی بتا دی ہے، یعنی حرص و ہوا کے ماتحت غیر جمیل سعی و طلب کا انجام یہ ہو گا کہ حقداروں کے حقوق تلف ہوں گے، آدمی دوسرے کے حق کو روکے گا، اور وہ مال و دولت بھی حاصل کرے گا جس کا اس کو حق نہیں ہے اور اس طرح آپس میں جنگ و پے کا رچھڑ جائے گی۔ طلب الکل کا انجام فوت الکل ہو گا اور اس طریقہ پر تغیر معاش میں صورت تحریب مضمر ہو گی، کیا آج ہمارے سامنے دنیا کی معاشی پیچیدگیاں اور فتنہ سامانیاں نہیں ہیں جو صرف اجمال فی الطلب کے اصول پر عمل نہ کرنے کا تلخ مزہ اور مہلک نتیجہ ہیں، کیا پر آشوب حالات عام یہ درس عبرت نہیں دیتے کہ بری طرح کمانے کا انجام سب کچھ کھو دیتا ہے؟

طلب رزق کے معتدل حدود

لا تجاهد الطلب جهاد العدو ولا تتكل على القدر اتكال المستسلم

فَإِنْ انشَاءَ الْفَضْلَ مِنَ السُّنَّةِ وَالْأَجْمَالَ فِي الْطَّلَبِ مِنَ الْعَفْفِ۔

”طلب معاش میں اتنے جد و جہد نہ کرو جتنی دشمن سے مقابلہ میں کی جاتی ہے اور نہ تقدیر کے بھروسہ پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہنے والے کا طریقہ اختیار کرو معاش میں زیادتی پیدا کرنا سنت ہے اور طلب معاش میں عمدہ طریقے اختیار کرنا شعار عفت ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: وَ لِكُنْ طَلْبَ الْمَعِيشَةِ فَوْقَ كَسْبِ الْمُضِيْعَ
دون طلب الحریص الراضی بالدّنیا المطمئن الیها ولکن انزل نفسک من
ذالک بمنزلة المنصف المتعفف (بخاری، ج ۲۳، ص ۱۶)۔

”طلب معاش میں تمہاری کوشش اس شخص سے بالاتر ہونی چاہیے جو بیکاری میں
رکھ رکھنے کو ضایع کرتا ہے اور اس حریص سے کم جو دنیا ہی پر راضی اور مطمئن ہوتا ہے
بلکہ اپنے نفس کی منزل ان دونوں کے درمیان وہاں قرار دو جہاں انصاف پر و پر ہیز گاروں
کا مقام ہے۔“

حریفانہ مقابلہ و مفاحیرت کے خیال سے بطریق حلال تحریصیل دولت و مال بھی باعث غصب الہی ہے

طلب حلال میں بھی سرمایہ دارانہ حریفانہ مقابلہ اور مسابقت نہ ہو، مال و دولت میں
کثرت طلبی غالص دنیاداری کا رنگ اختیار کر لے اور اس کا انجام مکاشر و تفاخر ہو معاشری میدان
عمل میں کامیاب، اپنی کامیابی کو ناکاموں پر فخر کا ذریعہ بنائے، یہ اغراض اسلام کی نظر میں
 fasد اور قابل نفرت ہیں، اور کسب حلال بھی اگر ان اغراض کے ماتحت ہوگا تو باعث غصب خدا
وندی قرار پائے گا۔

اس حدیث میں یہی بات واضح کی گئی ہے۔ من طلب الدّنیا حلالاً مکاثرا
مفاحراً لِقَى اللَّهُ وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضَبٌ وَ مَنْ يَطْلُبُهَا إِسْتَعْفَافًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَ سِيَانَةِ
لنفسه جاء يوم القيمة و وجهه كالقمر ليلة البدر .
(متدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۵۳)

جو آدمی حلال طریقوں سے بھی دنیا کی طلب اس غرض سے کرے گا کہ کسب و دولت میں
دولسوں سے بڑھ جائے اور اس بات پر فخر کرے تو خدا کے سامنے اس طرح آیا گا کہ وہ اس پر
غصبنا ک ہو گا اور جس کا مقصد طلب دنیا سے یہ ہو گا کہ ذلت سوال سے اپنے نفس کو بچائے تو
قيامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہو گا
یہ حدیث طلب اسباب معيشت کی جائز و ناجائز اغراض کو متعین کر دیتی ہے اور اس پر
متنبہ کرتی ہے کہ سرمایہ دارانہ ذہنیت اور حریفانہ مقابلہ و نکاش جذبہ تفاخر و تکاٹ کسب حلال میں
بھی ناقابل برداشت ہے، اسلام کی نظر میں وہ سئی معاش و طلب رزق مددوح ہے جس کی نیت
بینیا اور طریق کا راخلاقی نقطہ نظر سے درست ہو۔

پر ہیز گاری و خوش کرداری کا افزائش رزق میں دخل ہے

اسلام کی نگاہ میں جس نیت و صلاح کا رو خوبی کردار کو انسان کی وجہ معيشت و رزق
کی اصلاح میں بڑا دخل ہے، جس کے چند شواہد یہ ہیں: (۱) لِيَجِزِيَ اللَّذِينَ آمَنُوا وَ أَعْمَلُوا
الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ رِزْقٌ كَرِيمٌ (سورہ سباء: ۲)
”تاکہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کے خدا ان کو جزاۓ خیر عطا کرے یہ لوگ وہ
ہیں جن کے واسطے گناہوں کی مغفرت اور باعزت روزی ہے
(۲) ... وَمَنْ يَتَّقَى اللَّهَ يَجْعَلُ لَهُ مَحْرَاجًا . وَيَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ
... (سورہ طلاق: ۲ و ۳)

”جو شخص خدا سے ڈرے گا تو خدا اس کی نجات کا راستہ قرار دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے روزی
دے گا جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہ ہو۔

تَنَّگِيْ مَعَاشُ اور زَوَالِ نَعْمَةِ کے اسْبَاب

عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مَا زَالَتْ نِعْمَةُ قَوْمٍ وَلَا غَضَارَةُ عِيشٍ إِلَّا بِذُنُوبٍ

اجْتَرَ حَوْهَا إِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ۔

”حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی قوم کی نعمت اور سکھ اور جین کی زندگی پر زوال نہیں آیا، مگر اس کے افراد کے گناہوں ہی کی وجہ سے، خدا تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“ (مدرسک المسائل: ج ۱۲ ص ۳۷۰)

افْرَاكَشُ رَزْقُ حَسْنِ نِيتٍ سَهْ وَابْسَطَهُ هُنَّ

مِنْ حَسَنَتِ نِيتِهِ زَيْدٌ فِي رَزْقِهِ ”جس کی نیت اچھی ہوگی اس کا رزق زیادہ ہوگا“ (وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۵۲)

تَوْكِيلُ بَحْرِيْ وَسُعْتُ رَزْقِ كَاذِرِ يَعِيهِ هُنَّ

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (طلاق: ۳)

جس نے خدا پر بھروسہ کیا تو وہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

ارشادِ نبوی ہے: لو تو کلتم علی اللہ حق تو کله لرزقتم کما ترزق ا
لَطِيرَ تَغْدو خَمَاصًا وَ تَرُوحَ بَطَانًا“ (مدرسک المسائل: ج ۱۱ ص ۲۱۸)

”اگر خدا پر تم کو پورا بھروسہ ہو تو روزی تمہیں اس طرح ملنے لگے گی جس طرح پرندوں کو ملتی ہے کہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کرو اپس آتے ہیں۔“

جن دماغوں میں غبارِ مادیت بھرا ہوا ہے وہ تجھ سے یہ سوچنے لگیں گے کہ دنیوی
معیشت کے اسباب میں اخلاق و روحانیت کی تاثیر و مداخلت کیسی؟ مگر یہ ایک حقیقت ثانیہ

ہے جس کا تجربہ ہر انسان کر سکتا ہے، بلکہ ہمارے روزمرہ کے مشاہدات اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

حکم طلبِ معیشت اور حکمِ توکل میں ضدیت نہیں

ممکن ہے کہ اس مقام پر کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ توکل اور طلبِ معیشت دونوں باقیں باہم ضدیت رکھتی ہیں۔ خدا پر بھروسہ اور تلاشِ رزق میں دوڑ دھوپ دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، اس لئے ضروری ہے کہ ”توکل“ کے صحیح مفہوم اور حقیقت کی بابت پیشوائے اسلام کی تعلیمات پر نظر کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان حضرات نے جو توضیح توکل کے دئے ہیں اس کے معنی کیا ہیں۔

تدبیر کے بعد تقدیر پر بھروسہ سعیِ عمل کے بعد توکل

مروی ہے: (۱) ان اعرابیا دخل مسجد النبیؐ فقال اعقلت ناقتك قال لا قد توکلت فقال اعقلها و توکل (الحادی الاخبار، ج ۱۵۶) (مشکاة الانوار: ص ۳۲۰)

”ایک اعرابی مسجد نبیؐ میں آیا تو آنحضرت نے اس سے پوچھا کہ تو نے اپنی اونٹی کے پاؤں کو باندھ دیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ میں نے خدا پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس کے پاؤں رسی سے باندھ دے اور خدا پر توکل کر۔“

اس ارشادِ نبویؐ کی بناء پر جناب امام جعفر صادق نے فرمایا: التوکل ان تعقل بعیرک ثم تقول توکلت على الله۔ حقیقت توکل یہ ہے کہ تم اپنے اونٹ کے پاؤں کو

اسلام کا معاشی نظام

نے فرمایا: ہاں، اس طرح کی باتوں میں مضافات نہیں،¹
 امام کا مقصد یہ ہے کہ اگر بنظر تحقیق غیر خدا پر اعتماد کی تحقیق و تشریع کی جائے تو ظاہر
 ہو گا کہ خدا پر یقین نہ ہونا یعنی کفر باطنی ہی اس کا منشاء ہوا کرتا ہے اگر خدا پر یقین و اعتماد کا اس کی
 ذہنی و باطنی دنیا میں پورا خلی ہو تو غیر خدا پر بھروسہ قائم ہونے کی وجہ باقی نہ رہے گی۔

حقیقت ”توکل“ خدا کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے
نہ کہ بے عمل بن جانا

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ”توکل“ کے معنی اپنے امور میں خدا کو دیکھ بنا نے کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو اپنا ”دیکھ“ اس وقت بناتا ہے جبکہ اس پر پورا اطمینان و اعتماد رکھتا ہے لہذا ”توکل“ سعی عمل اور تدبیر کے خلاف نہیں ہے۔ اس کے معنی نہیں ہیں کہ آدمی خدا پر بھروسہ کر کے تدبیر و سعی عمل سے ہاتھ بھیخ لے اور معطی ہو کر بیٹھا اللہ اللہ کرتا رہے حقیقت ”توکل“ خدا کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ عمل بن جانا، بات یہ ہے کہ انسان کسی اعتماد اور کسی بل بوتے پر ہی کوشش کر سکتا ہے، اگر امید و اعتماد بالکل نہ ہو تو مطلق یاس و قوط کی حالت میں اس کی قوت عمل میں حرکت پیدا ہی نہیں ہو سکتی، تحریک عمل کے لئے اعتماد کا سہارا ضروری ہے، انسان کے لئے معاش و معاد کی مثال حاضر و غائب، عاجل، وابجل، امروز و فردا کی ہے، معاشی ضرورتیں اسے احساس معاد و آخرت سے پہلے دامنگیر ہوتی ہیں، جب وہ میدان میں آتا ہے تو اسباب معاش و رزق کے طویل مسائل سارے عالم علوی و سفلی میں پھیلے نظر آتے ہیں، اس کو ایک وقت کی غذا حاصل ہونے میں زمین و آسمان ابر و ہوا چاند و سورج اور بہت سی علوی و سفلی، مخفی و ظاہری طاقتیں کا دخل نظر آتا ہے اس کا بھی احساس ہوتا ہے کہ خود اس کی قوت عمل و تدبیر بھی اسباب معیشت کی تحریک میں داخل رکھتی ہے، اب ان کے سامنے دو ہی

باندھ دو پھر کہو ”تو کلت علی اللہ“ مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔

حقیقت توکل کے متعلق ارشاد نبوی

العلم با المخلوق لا يضر ولا ينفع ولا يعطي ولا يمنع واستعمال

الیاس من الخلق فاذا كان العبد كذاك لم يعتمد الى احد سوى الله ولم يرجع
لم يخف سوى الله ولم بطمع في احد سوى الله فهذا هو التوكل (نکانی، ص ۱۵۶)
”توکل“ یہ جان لینا ہے کہ کوئی فرد مخلوق نہ ضر پہنچا سکتی ہے اور نفع دے سکتی ہے
عطای کرنا اور رکنا کچھ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں اور خلق کی جانب سے امید قطع کر لینا، جب بندہ
ایسا کرے گا تو اس کو خدا کے سوئی اور کسی پر بھروسہ نہ ہوگا اور نہ اس کی رجوع کسی کی طرف ہوگی،
سو اخدا کے نہ کسی کا خوف اس کے دل میں ہوگا، اور نہ اس کی طبع سوا اخدا کے کسی سے وابستہ ہوگی
قول خداوندی ”و ما يؤمن اكثراهم الا و هم مشركون“ کی تفہیم میں جناب
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہو قول الرجل لو لا فلاں لهلکت و لو لا فلاں
ما اصبت کذا کذا ولو لا فلاں مضاع عیالی الا ترى انه قد جعل لله شریکا
فی ملکه یرزقه و یدفع عنه قال راوی فيقول ما ذا يقول لو لا ان من الله على
بغلان لهلکت قال نعم لا بأس بهذا او نحوه (نکانی الاخبار، ص ۱۵۶)

”شرک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ کہ اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا اور اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو میں اپنے مطالب و مقاصد نہ پاسکتا، اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میرے عیال صالح ہو جاتے، جو شخص یہ بتیں کہتا ہے وہ خدا کا شریک اس کے ملک میں قرار دیتا ہے جو اس کو رزق دیتا ہے اور اس سے مصیبتوں کودفع کرتا ہے راوی نے کہا پھر کیا اسے اس طرح کہنا چاہیے کہ اگر خدا نے فلاں آدمی کے ذریعہ سے مجھ پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا آپ

صورتیں ہوتی ہیں یا تو اپنی وقت اور عالم اسباب میں بکھرے ہوئے اسباب وسائل پر بھروسہ کرے یا کسی ایسی طاقت پر جو تمام قوتوں پر حاوی اور تمام اسباب وسائل پر محیط ہے پہلی صورت میں اس کو ذہنی و فلسفی انتشار کا سامنا ہوگا، اس کی امیدوں و آرزوؤں کا واحد مرکز نہ ہوگا، پریشانی خیال اسی کے دامن سے وابستہ ہوگی ایک بنتلائے فکر معاش انسان کو بھی علوی اسباب کی عاجزانہ خوشامد کرنی ہی پڑے گی اور کبھی سفلی وسائل کی رضا جوئی کی فکر، وہ پریشانی خاطر ہوگی، کبھی سماوی طاقتوں کی ناراضی کا ڈر اور کبھی ارضی قوتوں کی غصبا کی کا اندریشہ غرض امیدوں کی یہ لامرکزیت اس کو سکون قلب سے کبھی آشنا، نہ ہونے دے گی اور اس کے حال پریشان کی تصویر اس صورت کے مطابق ہوگی جو اس آئینہ میں دکھائی گئی ہے: **ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَابِكُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لَوْجُلِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ... (سورہ زمر: ۲۹)**

”خدا نے ایک مثل بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی جھگڑا لو (آقا) شریک ہیں، اور ایک غلام ہے جو صرف ایک ہی شخص کا ہے، تو کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے علم اسباب میں ہر جانب پھیلے ہوئے اسباب معاش وسائل رزق سے امید و اعتماد کی وابستگی ہی شرک جلی و خنی کا مبدأ بنتی ہے۔

دوسری صورت میں اس کی معاشی امیدوں کا ایک مرکز ہوگا، عالم کے تمام منتشر مختلف اسباب ایک مرکزی نظام کے تحت واحد مسبب الاسباب سے وابستہ نظر آئیں گی، اور اس کی عقیدت اور نیازمندی کا صرف مرکز اعتماد سے وابستہ ہونا اس کو پریشانی ذہن و خیال سے بچا کر اطمینان و سکون خاطر کی نعمت سے بہرہ مند کر دے گا: **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُ الْفُلُوبُ (دلوں کا اطمینان صرف خدا کی یاد سے وابستہ ہے)**

اصول توکل کا حاصل اور شرہ

اسلامی نظام معيشت میں اصول ”توکل“ کا حاصل یہ ہے کہ معيشت کی بہتری کے لئے کوشش کرو، مگر کامیابی کے لئے اسباب پر بھروسہ نہ کرو، بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رکھو، روزی رسان کے فضل و کرم کے اعتماد پر میدان عمل میں جدوجہد کرو، نہ کہ اپنی مدد و دعا جز قوت عمل اور دیگر اسباب وسائل کے بھروسہ پر، اس سے مقصود تحصیل اسباب رزق سے دست برداری کی تعلیم نہیں ہے، بلکہ اسباب پر کلی اعتماد نہ کرنے کی ہدایت ہے، ذہنی انتشار، پریشانی خیال اور شرک مخفی و کفر باطنی سے محفوظ رکھنا، اس اصول کا اصل نصب اعین ہے، اسی نصب اعین کے ماتحت قرآن مجید کے بے شمار آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ رزاق حقیقی خدا ہے تمام اسباب علوی و سفلی اسی کے مسخر و تابع فرمان ہیں، وہ اس قابل نہیں کہ ان کو امیدوں کا مرکز بنایا جائے، ساتھ ہی اس کے ان اسباب سے قطع تعلق نہ کیا جائے، جن سے خدا نے مسببات کو اس طرح مرتبط کر دیا ہے کہ ان کے بغیر وہ کبھی عالم وجود میں نہیں آتے، ان مسببات کا ان اسباب سے مشروط ہونا، اور ان کے بغیر حاصل نہ ہونا فطرت کا ایک عام اصول ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا، اس کی مثال یہ ہے کہ ہمارے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے، ہم بھوکے اور محتاج غذا بھی ہیں، مگر اس کا ہمارے منہ میں جانا اور ہمارا رزق بنانا اس کی طرف ہاتھ بڑھانے، ہاتھ منہ میں رکھ کر دانتوں سے چبانے پر موقوف ہے اور یہ ایسی شرطیں ہیں جن کے بغیر وہ کھانا فطرت کے عام اصول کی بنابر ہماری نہ ہو اور ہمارا رزق نہیں بن سکتا، اب اگر ہم سوچیں کہ ہم کو خدا پر توکل کرنا چاہیے، اور شرط توکل عدم سعی و طلب ہے اور ہاتھ کو کھانے کی جانب بڑھانا اور اس سے اس کو دہن تک لانا پھر دانتوں سے چبانا یہ تمام امور سعی و حرکت عمل ہیں، لہذا ان کو چھوڑ کر خدا پر اعتماد کئے بیٹھے رہنا چاہیے، وہ خود کھانے کو ہمارے دہن تک پہنچا دے گا، ظاہر ہے کہ اس قسم کا

خیال مجعونہ ہوگا اسکو توکل سے کوئی واسطہ نہ ہوگا، صورت مذکورہ میں "حقیقت توکل" تو یہ ہو گی کہ ہم ہاتھ بڑھائیں اور کھائیں اور اس کام میں رزاق حقیقی کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ اثناء عمل میں ہاتھ شل ہو جائیں، یا ایسے حالات و اتفاقات پیدا ہو جائیں جن کی وجہ سے سامنے رکھا ہوا کھانا ہمارا رزق نہ بن سکے۔

حضرت امام حضرصادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: اوجب اللہ لعبادہ ان یطلبوا منه مقاصد ہم بالاسباب التي سببها للذالک و اموهم بذالک - (جامع السعادات: ص: ۵۳۲)

"خداؤند عالم نے بندوں پر واجب کیا ہے کہ اپنے مقاصد کو ان اسباب کے ذریعہ سے طلب کریں اور اس نے بندوں کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے"۔

نظریہ و مقصد و عمل کے اعتبار سے اسلام کا نظام معیشت ایک قائم کا معتدل نظام اشتراکیت و مساوات ہے اشتراکیت سے مراد زمانہ حاضرہ کا نظام اشتراکیت کمیوزنزم نہیں ہے، کیونکہ اس نظام کے بعض بنیادی نظریات اگرچہ نظام اسلام سے ماخوذ ہیں مگر طریق کار میں بہت زیادہ اختلاف ہے چونکہ اسلام کو اشتراکی نظام کہنے سے "مخالف اسلام اشتراکیت" سے اس کا التباس و اشتبہ پیدا ہو سکتا ہے، لہذا یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اسلامی نظام اخوت و موساوات، عدل و مساوات کا نظام ہے، جو سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ ذہنیت اور ان تمام اسباب کا دشمن ہے جن کا انجمام یہ ہو کہ مال و دولت مخصوص طبقوں میں سست کر محدود ہو جائے، عام بندگان خدا بتلائے فقر و احتیاج ہو جائیں چند افراد، دولت و ثروت کے اندر لوٹتے رہیں اور مسرفانہ تعیش پرستی میں زر و مال لٹاتے ہوں اور دوسرے خدا کے بندے نان شہینہ کے محتاج، تنگے بھوکے بے جانماں پھرتے اور سامان معیشت کے لئے ترستے ہوں، ان مقاصد سے بچنے کے لئے جو امور ضروری تھے ان کا مکمل بندوبست نظام اسلام کے پیش نظر ہے۔

(امر اول) فاسد سرمایہ داری اور مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی کا مذموم جذبہ جن اسباب سے پیدا ہوتا ہے ان کو ایک حدیث میں امام رضا علیہ السلام نے بیکجا بیان فرمایا ہے: لا یجتمع الا بخمس خصال ببخل شدید و امل طویل و حرص غالب و قطیعة الرحم و ایثار الدنيا على الآخرة۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۵ ص ۲۶۵)

"مال کے جمع ہونے کا باعث بس پانچ خصلتیں ہو اکرتی ہیں، سخت بخل، لمبی آرزوئیں، حرص غالب، قطع رحم یعنی حقوق اہل قرابت ادا نہ کرنا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا، نظام اسلامی نے ان تمام فاسد خیال سے ہر انسان کو پاک رہنے کی ہدایت فرمائی ہے"۔

بخل کی مذمت

وَلَا يَحْسِنَ الَّذِينَ يَيْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بِلْ هُوَ شَرٌ لَهُمْ سَيِطُوقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ... (آل عمران: ۱۸۰)

"جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل (مال و دولت) میں سے کچھ حصہ دیا ہے اور (پھر) وہ بخل کرتے ہیں انھیں اس خیال خام میں نہ رہنا چاہیے کہ یہ ان کے لئے بہتر ہوگا، بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے جس (مال) میں وہ لوگ بخل کرتے ہیں اسی کا طرق بنا کر عنقریب قیامت کے دن ان کے لگے میں پہنایا جائے گا"۔

وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى . وَكَذَبَ بِالْحُسْنَى . فَسَنِيهِرُهُ لِلْعُسْرَى . وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى (سورہ لیل: ۱۱-۱۲)

"جس نے بخل کیا اور بے نیاز اور بے پرواہ بنا اور اچھی بات کو جھلایا تو ہم اسے تنگ (و بدحالی) میں ڈال دیں گے اور جب وہ ہلاک ہو گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا"۔ حدیث نبوی: ایا کم والشح فانہ اہلک من کان قبلکم حملہم ان یسفکو ادمائہم و یستحلوا محارمہم (وسائل الشیعہ ج ۹ ص ۲۳)

”تم بخل کی خصلت سے پچوکینکہ وہ اگلی امتیں کی بلاکت کا سبب بن چکی ہے اسی نے انھیں خون بہانے اور حرمتوں کو بر باد کرنے پر آمادہ کیا تھا۔“

نیز حضرتؐ نے فرمایا: البخل شجرة ينتسب في النار ولا يبلغ النار الا بخيل ”بخل ایک درخت ہے جو دوزخ کی آتشین زمین میں اگتا ہے اور بخیل ہی دوزخ کی آگ میں داخل کیا جائے گا۔“ (مذکور المسائل: ج ۷ ص ۱۲)

نیز آپؐ کا رشاد ہے : ادوی الداء البخل بعيد من الله بعيد من الناس بعيد من الجنة قریب من النار (جامع السعادات)

”بدترین مرض کنجوسی ہے“ بخل خدا سے دور ہے انسانوں سے دور ہے جنت سے دور ہے، اور دوزخ کی آگ سے قریب ہے۔

طول عمل کی مذمت

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيَلْهِمُهُمُ الْأَمْلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (حجر: ۳)

”انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو کہ کھائیں (پیش) اور (دنیا کی چند روزہ زندگی میں) چین کر لیں اور ان کی آرزوں میں انھیں گرفتار غفلت رکھیں عنقریب (اس کا انعام) انھیں معلوم ہو جائے گا۔“ حدیث نبوی ہے (جس کو ہم مولا امیر المؤمنین علیہ السلام سے نقل کر رہے ہیں) :

ان اشد ما اخاف عليکم خصلتان اتباع الھوی و طول الامل اما اتباع الھوی

فانہ یعدل عن الحق و اما طول الامل فانہ یحب الدنيا

”مجھے تم پر جن باتوں کا خوف ہے ان میں دو خصلتیں سب سے زیادہ سخت ہیں، خواہشوں کی پیروی اور لمبی آرزوں میں خواہشوں کی پیروی حق سے پھیر دیتی ہے اور لمبی آرزوں میں محبت دنیا پیدا کرتی ہیں۔“ (نفح البلاغہ: خ ۲۲: ۶)

نیز حضرتؐ کی ایک دعائیں ہے : اللهم انی اعوذ بک من دنیا تمنع

الآخرة و اعوذ بک من حیات تمنع خیر المممات و اعوذ بک من امل یمنع خیر العمل (جامع السعادات: ۳۱۹)

”اے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اس دنیا سے جو آخرت کی سعادت میں رکاوٹ بنتی ہو۔“

اس دعائیں حضرتؐ نے تین چیزوں سے اظہار نفرت فرمایا ہے اور خدا سے پناہ مانگی ہے، ایسی دنیا جو خیر آخرت سے مانع ہو، ایسی زندگی جو اچھی موت مرنے سے روکے، ایسی لمبی آرزوں میں جو حسن عمل و خوبی کردار سے مانع ہوں۔

حرص و طمع نہ کرو

وَلَا تَمْدَنْ عَيْنِيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَرْوَاجَأَ مُنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ
الذُّنْيَا (سورۃ طرا ۱۳۱)

”اے پیغمبر! ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو زندگی دنیا کی رونق کے سامان دیئے ہیں تاکہ اس ذریعہ سے ہم ان کو آزمائیں تم ان (مسلمانوں) کی طرف نظریں نہ بڑھاؤ۔“

قطع رحم کی مذمت صلہ رحمی نہ کرنا

موجب لعنت خدا ہے

(۱) وَالَّذِينَ يَقْصُدُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيَاهِقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمْرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُوْتِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (سورۃ رعد: ۲۵)
”وہ لوگ جو خدا کے عہد کو اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن (باہمی تعلقات) کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ انہیں قطع کرتے ہیں زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ایسے ہی لوگوں

کے واسطے براگھر (دوزخ) ہے۔

صلہ رحمی کا تاکیدی حکم

(۲) وَاتَّقُوا اللَّهُ الَّذِي تَسَاءَلُ عَنْ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَّقِيَاً

(سورہ نساء ۱۶)

”اس خدا سے ڈرو جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور قطع رحم (قرابتداروں کے حقوق کی نگہداشت میں کوتاہی) کرنے سے بھی (ڈرو) بے شک خدا تمہارا نگراں ہے۔“

حدیث نبویؐ ہے:- ان ابغض الاعمال الى الله تعالى الشرك بالله ثم قطيعة الرحم (جامع السادات ص ۳۳۲)

خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند کام شرک ہے۔ اور اس کے بعد قطع رحم یعنی حقوق قرابت کو ضائع کر دینا۔

قطع رحم باعث تعییل فنا اور سلب نعمت ہے

جناب امیرؒ نے ایک خطبہ میں فرمایا: اعوذ بالله من الذنوب التي تعجل الفنا
اس وقت ایک شخص نے اٹھ کر پوچھا کیا ایسے بھی گناہ ہیں جو جلد فا کردیئے جائیں! آپؒ نے فرمایا:
نعم و تلك قطيعة الرحم ان اهل البيت يجتمعون و يتواson و هم فجرة فير
زقهم الله عز و جل و ان اهل بيت يتفرقون و يقطع بعضهم بعضًا فيحرمهم
الله و هم اتقیاء .

”ہاں قطع رحم ایسا ہی گناہ ہے۔ بعض گھرانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو باہم

اتفاق رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ہمدرد رہتے ہیں تو باوجود داس کے کہ بدکار ہوں خدا ان کو صلہ رحمی کی بدولت رزق عطا کرتا ہے اور بعض گھرانے والے جو افتراق پسند ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے قطع تعلقات کر لیتے ہیں تو خدا ان کو رزق سے محروم کر دیتا ہے، گچہ وہ پرہیز گار ہوں۔“

صلہ رحمی نہ کرنے سے مال شریروں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے

نیز آپ نے فرمایا: اذا قطعوا الارحام جعلت الاموال فى ايدي الاشرار،
جب لوگ قربانداروں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کرتے تو ان کے اموال نصیب اشرار بن جایا کرتے ہیں۔ (الکافی: ج ۲، ص ۳۸۸)

اگر بدکار لوگ بھی صلہ رحمی کرتے ہیں تو اس سے ان کے مال و دولت میں زیادتی ہوتی ہے

جناب امیرؒ نے فرمایا: ان اعجل الطاعات ثواب بالصلة الرحم و ان القوم ليكونون فجارا فيتواصلون فتنموا اموالهم و يشرون (مترک الوسائل: ج ۱۵ ص ۲۴۰)

”خدکی بندگیوں میں جس کا ثواب سب سے زیادہ جلد ملتا ہے وہ صلہ رحم ہے، اگر کسی قوم کے افراد بدکار ہونے کے باوجود صلہ رحمی (حقوق قرابت کی نگہداشت) کرتے ہیں تو ان کے مال و دولت میں افزائش ہوتی ہے اور وہ صاحب ثروت ہو جاتے ہیں۔“

ان احادیث سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ نظام اجتماعی کی خیر فلاح کا مدارجذبہ صلہ رحمی پر ہے، نہ کہ ایمان و کفر پر، اگر کافروں میں بھی یہ جذبہ پایا جائے گا تو وہ خوش حال اور مال و ثروت کے مالک ہو جائیں گے اور اگر اہل ایمان و تقویٰ اس جذبہ سے خالی ہوں گے تو ان کو معاشی تنگی و بدحالی کا سامنا ہو گا۔

در اصل نظام اجتماعی اور تمدن کی بہتری کا ذریعہ جذبہ تعاون و امداد باہمی ہے اور صلہ

رجی اسی جذبے کا نتیجہ ہے، اگر یہ جذبہ افراد انسان میں نہ ہو تو ان کے دنیوی خوشحالی اور وسعت مال و دولت بھی میرنہیں ہو سکتی، اور جو دولت ثروت قطع رحم کے ذریعہ سے جمع کی جائے گی، اس کا انجام نہ صرف آخرت کی خرابی بلکہ دنیوی تباہی بھی ہوگا۔

سرشی اور دنیا کو آخرت پر مقدم کرنے کا انجام، مذموم سرمایہ داری کے نتائج

فَأَمَّا مَنْ طَغَى (۷) وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۸) فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمُأْمَوْى (۹).

”جو شخص حد سے نکل گیا اور اس نے دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) مقدم کیا تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے۔“ (النازعات)

إِنَّ هُؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا نَقِيلًا (الدھر: ۲۷)
یا لوگ (دنیا کے) جلد ملنے والے لفغ سے محبت رکھتے ہیں اور ایک بھاری دن (روز قیامت) کو پس پست چھوڑ بیٹھے ہیں ،

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۱۰) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى (۱۱) (الاعلی)
بلکہ تم زندگی دنیا کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔
مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَرِدَ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ

الْدُّنْيَا نُرِدَ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (۲۰: ۳۲)

جو شخص دنیا کی منفعت چاہتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دیں گے مگر آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

مذموم سرمایہ داری کے کرشے

اور اس کا انجام بد

۱) وَيَلْ لُكْلُ هُمَّةٌ لُمَّةٌ (۱) الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَدًا (۲) يَحْسَبُ أَنَّ
مَالَهُ أَخْلَدَهُ (۳)

ہر عیب لگانے والے چغل خور کی تباہی ہے جو مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے
اور اسے یہ خیال ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔

۲) كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتَيْمَ (۷) وَلَا تَحَاضُرُونَ عَلَى طَعَامِ
الْمُسْكِينِ (۸) وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمَّا (۹) وَتُجْبُونَ الْمَالَ حَبًّا جَمًا
ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے
کو ترغیب دیتے ہو، اور میراث کے مال (حلال اور حرام) سب کچھ سمیٹ کر ٹگل جاتے ہو اور
مال کو بے حد عزیز رکھتے ہو۔ (الماعون)

۳) إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (۱۰) وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ (۱۱) وَإِنَّهُ
لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (۱۲) (العاديات)
یقیناً انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور یقیناً خود بھی اس پر گواہ ہے اور بے
شک وہ مال کا سخت حریص ہے۔

۴) يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْفَاضِيَةَ (۱۳) مَا أَغْنَى عَنِي مَالِيْهُ (۱۴) هَلْكَ عَنِيْ
سُلْطَانِيْهُ (۱۵) خُذُوهُ فَغُلُوْهُ (۱۶) ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُوْهُ (۱۷) ثُمَّ فِي سُلْسِلَةٍ
ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَأَسْلُكُوهُ (۱۸) إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيْمِ (۱۹) وَلَا

يَحْضُّ عَلَى طَعَامِ الْمُسِكِينِ (الحاقة)

”اے کاش موت نے میرا کام (ہمیشہ کے لئے) تمام کر دیا ہوتا میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا (ہائے) میرا اقتدار مجھ سے جاتا رہا (پھر حکم خدا ہوگا) اسے گرفتار کر کے طوق پہننا دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھوک دو پھر اسے ایک ایسی زنجیر میں جو ستر (۷۰) گز کی ہے خوب جکڑ دو (کیونکہ) یہ نتو عظمت والے خدا پر ایمان لاتا ہے اور نہ محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا ہے۔“

۵) وَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۵۸) (توبہ)

ان کے مال اور اولاد کی (فراوانی) تمہیں تعجب میں نہ ڈالے (کیونکہ) خدا کا ارادہ تو یہ ہے کہ ان کے مال اولاد کی بدولت انھیں عذاب میں گرفتار کرے۔

۶) ذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ أُولُي النِّعْمَةِ وَمَهَلِهِمْ قَلِيلًا (۱) إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيْمًا (۲۱) (المزمول)

(اے پیغمبر) مجھے چھوڑ دوا اور ان صاحب دولت جھٹلانے والوں کو (میں ان سے سمجھ لوں گا) انھیں تحوڑی سی مہلت دیدو ہمارے پاس (اکنے لئے) بیڑیاں ہیں جلانے والی آگ ہے

(امروdom) جب کوئی نظام معاشی مساواۃ وعدل کی بنیاد پر قائم کیا جائے گا اس کے لئے یہ بھی لازم ہوگا کہ ضروریات زندگی حدا عتدال پر رکھے، اور غیر ضروری اشیاء کو لوازم زندگی میں داخل کرنے سے باز رہنے کی ہدایت کرے، آج دور انقلاب میں ہمارے سامنے زندگی کی مشکلات کا اسلئے بھی ہجوم ہے، ہم نے بے ضرورت اشیاء کو بھی ضروریات زندگی میں شامل کر لیا ہے اور بیدل کا یہ شعر ہمارے پیش نظر نہیں ہے

حرص قائل نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں

انچھے ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

جو نظام معیشت اصول عدل و مساوات پر قائم کیا جائیگا اس میں لباس، غلام، مسکن، اور دیگر اسباب زندگی کی تحدید ضرور ہوگی، وہ ہر انسان سے بے جا قیش افراط راحت طلبی و عشرت پرست، فضول زینت و خود آرائے، طفانہ لہو و عب سے بچنے اور زندگی کے ساز و سامان کو حد اعدال و دائرہ ضرورت و احتیاج تک محدود رکھنے کا مطالبہ کریگا اسلامی نظام معیشت نے بھی اس مقصد کے پیش نظر؛ اصول قناعت اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے، اور افراد عیش پرستی و تن پروری کی سخت الفاظ میں نہ مدت کی ہے۔

فَدَرُهُمْ يَغْرُضُوا وَيَلْعُبُوا حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ

۱) تو تم انھیں چھوڑ دو کہ پڑے بک بک کرتے اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ وہ دن

ان کے سامنے آ جائیگا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (۳: ۸۳؛ زخرف)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَسَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثُوَى لَهُمْ (۱۲) محمد
۲) اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کی زندگی کا لطف پار ہے ہیں۔ اور اس طرح کھاتے (پیتے ہیں) جیسے چار پائے کھاتے (پیتے) ہیں اور (آخر کار) انکا ٹھکانہ جنم ہے۔

اصول قناعت:

حدیث نبوی ﷺ ایا کم و فضولی المطعم کھانے کے فضول تکلفات سے بچو (عدۃ الداعی: ص ۲۳۶)

حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: ان کان ما یکفیک یعنیک فادنی ما فیما یعنیک ان کان ما یکفیک لا یعنیک فکل ما فیما لا یعنیک..

”اگر تمہیں بقدر کفایت چیزیں زیادہ سے بے پرواکر سکتی ہیں تو دنیا کی کم سے کم چیز تمہیں کافی ہو سکے گی، اور اگر وہ مقدار جو تمہارے لئے کافی ہے تمہیں بے نیاز نہیں کرتی تو دنیا کی ساری چیزیں بھی تمہاری ہوں پوری نہیں کر سکتی“ (الكافی: ج ۲، ص ۱۴۰)

حریص رانہ کند نعمت دو عالم سیر

ہمیشہ آتش سوزندہ اشتہا وارہ

اصول قناعت، اشتراکیت کے اس نظریے سے مختلف نہیں ہے کہ ہر شخص کو اس کے احتیاج ہی کے مطابق دینا چاہیے، البتہ اس اصول پر عمل درآمد میں دونوں کے راستے جدا ہو جاتے ہیں، دینا چاہیے، اور لینا مناسب ہے، دونوں میں جو فرق ہے وہی دونوں کے طریق کار میں نظر آتا ہے اشتراکیت جس نظرے پر قانونی جر و تشداد اور توارکے زور سے عمل درآمد کرنا چاہتی ہے اس پر نظام اسلامی رضا کارانہ عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور دراصل انسان کے الائق جو ہر طرف اسی سمت میں نکھر سکتے ہیں۔

صرف مال میں رعایت

اصول اقتصاد و اعتدال

جس طرح تحصیل دنیا میں۔ اجمال فی الطلب۔ کی طرف ہدایت کی گئی ہے اسی طرح اور روزمرہ کے مصارف و مخاربہ میں بھی ”اصول اقتصاد و اعتدال“ پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے ارواس اصول کی اہمیت مندرجہ ذیل آیات و احادیث سے ظاہر ہے:

۱۔ يَا بَنِي آدَمَ حُذُّرْأَزِينَتُكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُّوْا وَأَشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف: ۳۱)

فرزندان آدم ہر نماز کے وقت (ابنچھے لباس سے بدن کی) آرائش کیا کرو۔ اور کھاؤ پیو (بیشک) خدا فضول خرج کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

فضول خرچی کی ممانعت

۲- وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينُونَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَدِّرْ
تَبَذِيرًا (۲۶) إِنَّ الْمُبَذِيرِينَ كَانُوا إِخْوانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ
كَفُورًا (۲۷) وَإِنَّمَا تُعرِضُنَّ عَنْهُمُ الْبَيْغَاءَ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا
مَيْسُورًا (۲۸) وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُقْدَكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبُسْطِ
فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَمْسُورًا (الاعراف: ۲۹)

قربات داروں اور محتاج اور مسافروں کو ان کا حق دیدو اور فضول ہرگز خرچ نہ کیا کرو
کیونکہ فضول خرچ کرنے والے بے شبه شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پالنے والوں کا
بڑا کافر نعمت ہے اور اگر تمہیں اپنے پروردگار کے فضل و کرم کے انتظار میں جس کی تم کو امید ہے
(محبوب) ان (بیچاروں) سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے (انپی مجبوری) ان کو سمجھا دو اور اپنے
ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ کر بہت نگ کرو (کہ کسی کو کچھ بھی نہ دو) اور نہ بالکل کھولو و کہ
(سب کچھ دیکر) آخر میں ملامت زدہ اور گرفتار حسرت ہو کر بیٹھ جاؤ“

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْرُبُوا وَكَانَ يَنْبَغِي ذَلِكَ فَوَاماً (الفرقان: ۲۷)
اور وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ نگلی (بلکہ) اب کا خرچ
ان دونوں باتوں کے درمیان اوسط درجہ کا ہوا کرتا ہے۔

كُلُّوْا مِنْ ثَمَرٍ إِذَا أَثْمَرَ وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا
يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الانعام: ۱۲۱)

جب یہ چلیں تو انکا بھل کھاؤ، ان چیزوں کے سامنے کے دن خدا کا حق (جو ان میں
ہے) ادا کرو اور بیجا خرچ نہ کرو کیونکہ خدا فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسراف و اقتصاد کے حدود

حدیث نبوی میں ہے:- ما عال من اقتضد، جس نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا و محتاج نہیں ہوتا: (سفیہ البخاری: ج ۲: ص ۲۳۱)

مجمع البیان میں حضرت کا ارشاد ہے:- من عطی من غیر حق فقد اسرف ومن منع من حق فقد فتن. جس نے ناجائز دیا اس نے اسراف کیا اور جس نے کوئی حق روا کا اس نے بنتگی کی:

اقتصاد اور اسراف

اقتصاد اور اسراف کے حدود کی پوری توضیح امام جعفر صادقؑ نے مندرجہ ذیل حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:-

عن الصادقؑ قال اترى الله اعطى من اعطى من كرامته عليه ومنع من منع هو ان به عليه لا ولكن المال الله يضعه عند الرجل و دائع و جوز لهم ان يأكلوا قصدا ويشربوا قصدا ويلبسوا قصدا وينكحوا قصدا ويركبوا قصدا ويعودوا بما سوى ذلك على الفقراء المؤمنين ويلمو به شعثهم فمن فعل ذلك كان ما يأكل حلالا وشرب حلالا ويركب حلالا وينكح حلالا وما عدا ذلك كان حراما ثم قال ولا تسرفوا انه لا يحب المسيرفين اترى الله ائمن رجالا على مال خول له ان يشرى فوسا بعشرة الاف درهم يجزيه فرس بعشرين درهما . الخ

جناب صادقؑ نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ خدا جسے نعمت دنیا دیتا ہے تو اس لئے دیتا ہیکمہ اس کی عزت اس کی نگاہ میں ہے اور جس نہیں دیتا اس وجہ سے کہ وہ اس کی نظر میں

ذیل ہے؟ ایسا نہیں ہے مال و دولت خدا کی ملکیت ہے وہ آدمیوں کے پاس بطور امت رکھتا ہے اور اس کی اجازت دیتا ہے کہ اس سے اپنے لئے کھانے پینے پہنچنے کا سامان مہیا کریں، شادی بیاہ کریں اور سواری کے سامان خریدیں، مگر ان تمام باتوں میں اقتصاد و اعتدال کا لحاظ رکھیں۔ اور جو مال اس کے بعد اس سے بے ایمان محتاجوں کی مدد کریں، اور اس کی پریشان حالی دفع کریں جو آدمی کا یہ طرز عمل ہوگا اس کا کھانا پینا گھوڑے خریدنا، نکاح کرنا حلال ہوگا، اور اس کے ماوراء حرام ٹھہرے گا، پھر حضرت نے فرمایا تم لوگ فضول خرچی نہ کرو، خدا فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جسکو خدا نے اپنے مال کا امانتدار بنایا ہے اس پر یہ تفضیل اس واسطہ فرمایا ہے کہ وہ گھوڑا بیس ہزار درہم پر خریدے، حالانکہ اس کے واسطے بیس درہم قیمت کا گھوڑا کافی ہو سکتا ہے

نیز حضرتؐ نے فرمایا:- انما الاسراف فيما اتلف المال و اضر بالبدن :-

(تفہیم صافی: ج ۲: ص ۱۹۰)

اسراف فقط ان باتوں میں ہوتا ہے جن سے مال فضول تلف ہوتا ہے اور بدن کے لئے مضر ہو اسحاق بن عمار اوی ہیں:- قلت لا بى عبد الله يکون المؤمن عشرة اقمصه قال نعم قلت عشرون قال نعم قلت ثلاثون قال نعم ليس هذا من السرف انما السرف ان يجعل ثوب صونك بذلك (الکافی: ج ۲، ص ۲۲۲)

میں نے حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ سے عرض کی کہ کیا مومن دس (۱۰) قیصیں رکھ سکتا ہے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کی کیا میں (۲۰) قیصیں بھی ”فرمایا ہاں۔“ پھر میں نے تین (۳۰) قیصوں کے لئے پوچھا تو فرمایا کہ ہاں اس کا نام اسراف نہیں ہے اسراف یہ ہیکمہ عزت کے خاص موقع پر پہنچنے کے کپڑوں کو روزمرہ کا لباس بنادو:-

زندگی کا سب سے کامیاب طریقہ

زندگی کے مسائل میں اکتساب وسائل معيشت ہی اہم مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ سوال اس سے کم اہم نہیں رکھتا کہ اقتصادی نقطہ نظر سے زندگی کا کون سا معیار بہتر ہے؟ آیا نعمت دنیا سے جی بھر کر حیوانوں کی طرح سامان اٹھانا چاہئے اور فساد زندگی کا مسلک زیستن برائے خوردن قرار دینا چاہیے یا خدا کے بے شمار عطیات و نعمات سے ہمہ تن بیزار و دست کش ہونا چاہئے؟ آغاز مضمون میں ہم نے گذارش کی ہے کہ یہ دونوں طریقے خلاف فطرت اور باعث فساد عالم ہیں اور دونوں افراط و تفریط کی طرف یجاتے ہیں جس کا انجمام یہ ہے کہ تمدن اور معاشرت کی حالت ابتر ہو جائے، یا قدرت کے ذخیرے، فطرت کے نزاں، خدا کی نعمتیں اور انسانی قوتیں یوں ہی بیکار رضالع اور لا حاصل ہو جائے ان دونوں خلاف اعتماد طریقوں کے درمیان ایک اور طریقہ بھی ہے اور اس کا خلاصہ دو جملوں میں یہ ہے کہ ”دنیا کی لذتوں کا لطف اٹھاؤ اور پھر نفس کی خواہش پر قابو رکھو۔ اقتصادی اور معاشی نقطہ نظر سے یہی زندگی کا سب سے زیادہ کامیاب اور قبل عمل طریقہ ہے دنیا کی نعمات ولذات سے لطف اندوڑ ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں اور زندگی کے معاشی معیار کا مناسب درجہ تک بلند ہونا منشاء فطرت ہے اور شکر نعمات الہیہ کا بہترین طریقہ بھی مناسب درجہ اقتصادی نظر سے یہ ہے کہ معیار زندگی کی بلندی، تن پروری اور عیش پرستی و فضول و عشرت طلبی کی حد تک پہنچ کر زندگی کے دوسراۓ اعلیٰ مقاصد کو دل سے محو نہ کر دے باعث فساد اخلاق و خرامی صحت جسمانی نہ ہو۔ اور زندگی کے تمام حاجتوں اور ضرورتوں کے حسب مراتب رفع ہونے میں خلل انداز نہ ہو۔

سورہ اعراف کی آیت منقولہ بالا میں جہاں اسراف سے روکا گیا ہے وہاں اسراف کے ساتھ ہی بدون فاصلہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اس سے مقصود مناسب معیار زندگی کو پست کرنا نہیں ہے فرمایا ہے:

فُلْ مَنْ حَوَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْطَّيَّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (۳۲)

(اے پیغمبر) ان سے کہد و خدا نے زینت کے جو سامان اور کھانے کی جو پاکیزہ چیزیں اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو حرام کرنے والا کون ہے؟

حاصل کلام رباني یہ ہے کہ زینت کے ساز و سامان اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں خدا ہی کا عطیہ ہیں اس نے ان کو بندوں کے لئے پیدا کیا ہے پھر ان کو حرام کرنے والا کون ہے؟ اس سے تو ان کی خلقت کی غرض و غایت ختم ہو جاتی ہے اور یہ طریقہ ان کی پیدائش کو حکمت و مصلحت سے خالی ٹھہرانا ہے کس طرح ممکن ہے کہ خدا ان کو اپنے بندوں کے فائدہ کی غرض سے پیدا کرے پھر اس کے جائز استعمال سے منع کرے۔؟ زندگی کے اعلیٰ معیار کو پاکدار و برقرار کھنے کیلئے خرچ میں اعتدال و اقتصاد کا طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے، نیز مقصود شرع یہ بھی ہیکہ اتفاقی ضرورتوں کے لئے اس طرح کچھ مال پس انداز بھی کیا جائے۔

جناب امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:- لآخر فی من لا يحب جمع المال - ”بجآدمی مال جمع کرنا پسند نہیں کرتا اس میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے۔ (الكافی: ج ۵، ص ۷۲)

سرمایہ دارانہ ذہنیت کی تاریخ بہت قدیم ہے

سرمایہ دارانہ ذہنیت کی تاریخ بھی بہت قدیم ہے۔ قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح کے عہد سے لیکر زمانہ خاتم النبیین تک کتنا ہی انقلاب دنیا میں گذرے مگر اس ذہنیت اور اس کے فاسد نتائج کیروغرو، فخر و خنوت، قبول حق سے نفت، باطل سے رغبت میں کوئی تغیر نہ ہوا اور طوفان نوح بھی ان کو ہمیشہ کے لئے غرق کرنے سے عاجز رہ گیا، جن نفوس امارہ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پروش ہوتی ہے ان کے نزدیک انسانیت اسکا کمال مادی اسباب ہی میں مختصر ہوا کرتا ہے۔

ان کی غلط بین نگاہوں میں انسان اور کامل انسان وہ ہو سکتا ہے جس کے پاس زرو جواہر کی کثرت۔ مال و اسے بحشم و خدم کی فراوانی۔ زخارف دنیوی و سامان معیشت کی افراط ہو، ان کی پرواہ تخلیل مادیت کی فضائے باہر نہیں ہو سکتی، وہ دولت و مال کے خزانائیں عامرہ۔ طلس و زریفت کے ملبوبات فاخرہ، سر بفلک عمارتوں اور پر تکلف غذاوں ہی کو معیار انسانیت اور معراجِ کمال انسانی سمجھتے ہیں۔

اور معیارِ شرافت و مدارعزم ان کے نزدیک مادی چیزوں میں مخصر ہوتا ہے اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے الہی منصب داروں اور انسانیت کے سچے نمائندوں، عالم بشریت کے مخلص مرین کی تھانیت۔ سلطانی اور خلوص تسلیم کرنے سے محض اسی بنا پر انکار کرتے تھے کہ ان کے پاس مالی وسعت اور دنیوی دولت و ثروت کی فراوانی نظر نہیں آتی، سونے کے کنگن اور موتوں کے ہار اور ملبوبات فاخرہ سے آراستہ نہیں نہیں انکی پیروی کرنیوالے ان پر ایمان لانے والے غریب مزدور۔ مغلس و بے ما یہ عوام ہیں جناب نوح کی ناصحانہ تبلیغ سرمایہ دار طبقہ میں اسی لئے بے اثر ہی کہ آپ کے ماننے والے اور اطاعت کرنے والے انکے نزدیک اراذل یعنی مزدور پیشہ عوام تھے۔

أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذُلُون(شعراء: ۱۱)

فَقَالَ الْمَلَأُ اللَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مُّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُلُنَا بَادِي الرَّأْيِ(ہود: ۲)

تمہاری پیروی کرنے والے تو پست طبقے کے لوگ (مزدور وغیرہ) یہ پھر ہم تم پر کیا ایمان لائیں قوم نوح کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنا ہی سا آدمی دیکھتے ہیں اور ہمیں یہی نظر آتا ہے تمہارے پیرو ہماری قوم کے بس چند رذیل لوگ ہیں (جو بغیر سوچے سمجھے تمہارے ماننے والے بن گئے ہیں) سرسری نظر میں ان کے قبول ایمان کی شرط یہ تھی کہ غریب طبقے کے

لوگوں کو اپنے گرد و پیش سے ہٹا دیں
جس کا جواب یہ ملا:

وَمَا أَنَا بِطَارِدُ الْمُؤْمِنِينَ (۱۱۲) إِنَّ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (شعراء: ۱۱۵)
میں تو ایمانداروں کو اپنے پاس سے نکالنے والا نہیں ہوں (ایمان لانے نہ لانے کا تمہیں اختیار ہے) میں تو صرف (عذاب خدا سے) صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

وَيَا قَوْمُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ
الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَلَكِنَّ أَرَأَكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ(ہود: ۲۹)
اے میری قوم: میں اس کے بد لے میں تم سے مال نہیں مانگتا۔ میرا جرتو خدا ہی پر ہے اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں نکال نہیں سکتا وہ یقیناً اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں میں تو یہ دیکھتا ہو کہ تم ہی لوگ جہالت و نادانی میں بتلا ہو جناب موسیٰ کی نبوت و رسالت تسلیم کرنے سے روکنے والی سرمایہ دار انسانیت، قرآن مجید کے مطابق یہ تھی کہ۔

وَنَادَى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمُ أَلِيَسَ لِي مُلْكٌ مِّصْرَ وَهَذِهِ
الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ (۱۱) أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ
وَلَا يَكُادُ يُبْيِنُ (۱۲) فَلَوْلَا أُلْقَى عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أُوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ
مُقْتَرِنِينَ (الزخرف: ۵۳)

فرعون نے اپنے لوگوں سے پکار کر کہا کہ اے میری قوم: کیا ملک مصیر میرا نہیں ہے اور یہ نہیں جو میرے (شاہی محل کے) نیچے بہتی ہیں (میری نہیں) کیا تم نہیں (دیکھتے ہو کہ) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو ذلیل آدمی ہے صاف گنتگو بھی نہیں کر سکتا (اگر یہ خدا کا بھیجا بغیر ہے تو) اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ

اتارے گئے یا اس ساتھ فرشتے جمع ہو کر آتے؟
 حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ :- جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس آئے بالوں کا لباس پہنے اور عصا ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے انھوں نے فرعون سے وعدہ کیا کہ اگر اسلام قبول کر لیا تو اس کا ملک باقی اور اعزاز برقرار رکھا جائیگا فرعون اپنی قوم سے کہنے لگا کہ تم لوگ ان دونوں کی باتوں پر تجربہ نہیں ہوئے یہ لوگ مجھ سے بقاء ملک و عزت کا وعدہ کر رہے ہیں، حالانکہ خود انکی فقیری و زلت کی حالت ہے وہ تمہارے پیش نگاہ ہے ان کو خدا کی طرف سے سونے کے لئے نگلن کیوں نہیں ملے، فرعون نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ سونے کی اور اس کے جمع کرنے کی عظمت انکی نگاہ میں تھی اور لباس صوف کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ (نج ابلاغ: خ: ۱۹۲)

عہد طالوت کے سرمایہ داروں کا قبول اطاعت سے ائکار

عہد طالوت کے سرمادروں کو ان کی بادشاہی تسلیم کرنے سے اسی بنا پر انکار تھا کہ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی نہیں تھی، انی یکون له الملک علینا و نحن احق بالملک منه و لم یوت سعة من الممال۔ (الفقرہ: ۷) (۲۳)

وہ لوگ کہنے لگے کہ اس کی حکومت ہم پر کیونکہ ہو سکتی ہے حالانکہ ہم حکومت کے اس سے زیادہ حق دار ہیں مالی فراوانی اسکو نصیب نہیں۔

ہر پیغمبر کی نبوت ماننے سے اسکے زمانہ کے امروں نے انکار کیا

وَمَا أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرُفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسَلْتُمْ بِهِ

کافرُونَ (۳۲) وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ (سباء: ۳۵)
 ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) بھیجا تو وہاں بڑے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے بھی مانے والے نہیں جنہیں دے کر بھیج گئے ہو اور انھوں نے یہ کہا کہ ہم تو مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم عذاب میں ڈالے جانے والے نہیں۔

عہد رسالتِ آبُ کے سرمایہ داروں کی مغروزہ ہبہت

حضرت رسالتِ آبُ کے عہد میں یہ فاسد و جاہل انسانہ ہبہت کمال عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ ایک طرف تو ساری قوم میں نسلی و طبقاتی مفاخرات و منافرت کا مرض عام تھا و سری طرف اس مفلس و فلاکت زدہ قوم میں جن لوگوں کو سرداری و سرمایہ داری نصیب تھی انکے سر پر غرور کبر و نخوت فخر و تمکنت کے بھوٹ سوار تھے، عَبَسَ وَتَوَلَّى (۱) اُنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى (۲) وَمَا

يُدْرِيْكَ لَعَلَّهُ يَرَكَّيْ (۳) اُو يَذَّكَّرُ فَتَنَسَّعَهُ الدُّكَرَى (عبس: ۳)

(وہ) مالدار اپنی بات پر چین برجیں ہو گیا اور روگردان ہو بیٹھا کہ اس کے پاس ایک مرد نایباً آگیا، تم کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت سنتا۔ اور وہ اس کے لئے سو د مند ہوتی ہے۔

نَيْزَ اِرْشَادِ خَدا وَنَدِیٰ ہے: وَدَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِينَ اُولُي النُّعْمَةِ وَمَهْلُكُهُمْ قَلِيلًا (۱۱)

اور مجھے ان دولت مندرجہ لانے والوں سے سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی مہلت دیدو۔

غربت افلاس کی ماری عوام سو سائیٗ بھی اپنی ذلت و حقارت کی بنا پر مال و دولت ہی کو وجہ شرافت و عزت سمجھنے لگی، اسی لئے کہتی تھی، لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنْ

الْقَرِيَّتُينَ عَظِيمٌ (١)

آخری قرآن دونوں بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا نظام اسلام نے ہزاروں برس کی قائم شدہ سرمایہ داری ہنیت کے مفاسد سے دنیا کو بچانے کی سب سے زیادہ موثر تدبیر کی طرف دلیرانہ قدم بڑھایا، مال و دولت استغناۓ سرمایہ داری کو معیار عزت و شرافت نہیں رکھا اور اعلان عام کر دیا کہ زر و جواہر کے خزانے اس کی نظر میں بحیثیت معیار عز و شرف درجہ اعتبار سے ساقط ہیں، تمام بنی آدم اصل خلقت میں برابر ہیں، خلق کم من نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (۲) خدا نے تم سب کو ایک ہی شخص (آدم) سے پیدا کیا۔

الناس من جهة التمثال اكفاء

عز و شرف و کرامت کا مدار ایمان، اچھے اعمال اور پرہیزگاری ہے،

١. وَلِلّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (٨) (المنافقون)

عزت تو خدا و رسول اور ایمانداروں ہی کے لئے ہے،

٢. إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَاكُمْ (١٣) (الحجرات)

تم میں سب سے زیادہ باکرامت و باعزت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پر ہیزگار ہے۔

۳- حدیث قدسی میں ہے:- ليس الشريف الا من شرفته طاعتي شرف والا

بس وہی شخص ہے جسے میری بندگی نے شرف بخشا، المسلمون اخوة تسافو دماء هم

، مونین ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور انکے خون کی قیمت برابر ہے۔

(أصول الكافي: ج ١، ص ٣٠٣)

زبان وطن کو انسانی شرافت و کرامت میں دخل نہیں
وجہہ شرافت و مدار کرامت تقویٰ ہے

جناب رسالتهم نے فرمایا۔ ایہا الناس ان العربية ليست باب والد
وانما هو لسان ناطق فمن تکلم به فهو عربي الا انکم ولد آدم وآدم من تراب
و اکرمکم عند الله اتقاکم.

لوگو: عربی کا مدار باپ نہیں ہے جو وسیلہ پیدائش ہوتا ہے۔ یہ تو ایک زبان ہے جو بولی جاتی ہے، جو شخص یہ زبان بولتا ہے وہی عربی ہے (قومیت کا مدار زبان عربی نہیں ہے) تم سب آدم کے بیٹھے ہوا اور آدم کی اصل خاک ہے، تم میں زیادہ کرامت و عزت والا وہ آدمی ہے جو زیادہ پر ہیرگا رہو۔ (تفسیر صافی: ج ۲ ص ۹۲)

نیز آنحضرت کا یہ ارشاد اس باب میں اسلام کے اصول و نظریات کو اور واضح کرتا ہے
 لاحسب القرشی ولا عربی الا بتواضع ولا كرم الا بتقوى ولا عمل
 الا بینة ولا عبادة الا بعفقة (مدرسک الوسائل: ج ۱ ص ۸۸)

کسی مرد قریش اور عربی کے واسطے شرف و عزت نہیں مگر تو اضع کی وجہ سے اور کرامت نہیں ہے
مگر تقویٰ کی بدولت، اور بد اعمال بس نسبت سے اور عادات بس وہی عادات سے جو علم و فہم سے ہو۔

اس اصول مساوات کی بناء اسلامی قوانین کی نظر میں سلطان اور خاک کہ روب

دونوں بحثیت انسانیت برادر ہیں۔ دونوں کے خون کا درجہ مساوی سے۔ سلطنت و حکومت کے

جاه و حلال اور ذخایر متبايع و مال سے کسی بادشاہ کو ایک غریب مزدور سرقدار و قیمت میں

امتیاز و تفوق حاصل نہیں ہوتا۔

مفلسوں اور غریبوں کی اخلاق حالات بلند رکھنے والے ہدایات

غريب و بے مایہ عوام کی ذہنیت اور اخلاقی حالات کو بلند کرنے کے لئے یہ ہدایات دینے گئے، حدیث نبویؐ میں ہے: لعن اللہ من اکرم الغنی لغناہ ولا یفعل ذلك الامنافق، لعن اللہ من اهان الفقیر لفقرہ فمن اکرم الغنی لغناہ سمی فی السماوات عدو اللہ وعدو الانبیاء ولا یسیحاب له دعوة ولا یقضی له حاجة

(ارشاد القلوب: ج ۱ ص ۳۶۳)

خدالعنت کرے اس آدمی پر جو کسی مالدار کا اعزاز و اکرام محسن اس بنا پر کرتا ہے کہ وہ صاحب مال و دولت ہے، خdalعنت کرے اس آدمی پر جو کسی فقیر کی اہانت اس کے فقر کے بنا پر کرے اور سواے منافق کے کوئی اور نہیں کر سکتا، جو کسی مالدار کا اعزاز و اکرام محسن اس بنا پر کرتا ہے کہ وہ صاحب مال و دولت ہے تو وہ آسمانوں میں دشمن خدا شمن انیاءؐ کے لقب سے پکارا جاتا ہے، اور نہ اس کی دعا برگاہ خدا میں قبول ہوتی ہے اور نہ اس کی حاجت روائی کی جاتی ہے۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ما احسن تواضع الغنی للفقیر رغبة في ثواب الله . احسن منه تيه الفقير على الغنى بالله و تو كلا ليه ، (نحو المبلغ: کلمات قصار ۲۰۶) مالدار کا فقیر سے جھک کر ملنا ثواب خدا کی رغبت میں بہت خوب ہے اور خدا کے بھروسہ پر فقیر کا غنی کے سامنے خود داری دکھانا اس سے خوب تر ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے:- من عظم صاحب دنيا و احبه بطمع دنياه حظ

الله عليه

جو شخص کسی صاحب دنیا کی تعظیم اور اس سے محبت اس کی دنیا کی لائج میں کرتا ہے خدا

اس پر غصباک ہوتا ہے۔ (بخار الانوار: ج ۳، ص ۳۲۸)

مردی ہے:- سال این الله فقال عند المنكسرة قلوبهم.

حضرت رسالتہاب سے کسی نے پوچھا کہ خدا کہا ہے؟ تو فرمایا ان لوگوں کے پاس جو شکستہ دل۔ ہیں (بخار الانوار: ج ۳، ص ۳۲۸)

ارشاد علوی، عوام کی رضامندی خاص کی خوشنودی پر مقدم ہے

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کا مفصل فرمان مالک اشتر کے نام نحو المبلغ میں منقول ہے، اس کے چند اقتباسات مناسب مقام یہ ہیں، ان سخط العامة یجحف برضی الخاصة و ان سخط الخاصة یغتفر مع رضا العامة، عوام کی ناراضی خواص کی رضا مندی کو بے اثر بنا دیتی ہے، اور عوام کی رضا مندی کے ساتھ خواص کی ناراضی ناقابل التفات ہوتی ہے۔ (نحو المبلغ: خط ۵۳)

گذشتہ زمانوں کا ذکر نہیں ہے آج بھی دنیا میں جہاں نظام سرمایہ داری چل رہا ہے وہاں کے ارباب حکومت کی نگاہیں سرمایہ داری ہی کی رضا جوئی پر گلی رہتی ہے۔ رضا مندی عوام کی انھیں پر انھیں ہوتی۔ کیونکہ دولت مند اور مالدار طبقے ہی کا اثر ان پر غالب ہوتا ہے اس کا انجام بدھماری آنکھوں کے سامنے ہے غریب و بے چارہ عوام بیدار ہو چکے ہیں احساس خودی انکے دلوں میں تڑپنے لگا ہے قوت ضبط و نظم کی بھی کمی نہیں ہے سرمایہ داری کے خلاف منظم صفات آرائی ہو رہی ہے، اور طرفین کی اس کشمکش کی بدولت رفتہ رفتہ دنیا میں وسکون کی نعمت سے محروم ہوتی جاتی ہے، اگر حکومتیں،

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی اس حکمت عملی پر چلتیں تو سرمایہ داری و بے ما نیگی کی موجودہ کشمکش امن سوز عالم نہ بن سکتی: انما اعماد الدین و جماعت المسلمين

والعدالة للاعداء العامة من الامة فليكن صفوک لهم وملک معهم، وفند عوام الناس، ہی ہیں جو دین کے ستوں اور نظام مسلمین کا دار و مدار ہوتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں فوج کا کام دیتے ہیں۔ لہذا تمہارا جہان خاطر اور میل قلب صرف انہیں کی طرف ہونا چاہئے۔ (نحو البلاغہ: خط ۵۳)

**رہنمایان اسلام کیلئے خدا کے مخصوص احکام و ہدایات،
سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں،
شاہانہ طریقے اختیار نہ کئے جائیں۔**

غربیوں کی ذہنیت و خیال کو بلند رکھنے اور مفلس کی کلفت سے بچانے کے واسطے حکومت الہیہ و سلطنت ربانیہ کے نمائندے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں۔ معیارِ معیشت ادنیٰ سے ادنیٰ انسانوں کے برابر بلکہ ان سے بھی کمتر رکھیں نہ امیرانہ وجہ و جلال نہ سرمایہ دارانہ تملکت، نہ شاہانہ شان و شوکت، نہ حاکمانہ و رئیسانہ طرز زندگی۔ بلکہ وہ مسکین ہوں اور مسکینوں کے ساتھ بے تکلف بیٹھنے والے اور سیرت نبویہ، مسکین جالس مسکینا، پر چلنے والے۔

آداب شاہانہ کی ممانعت

حضرت ابوذر نقل ہیں: رأيَتْ سَلَمَانَ وَبَلَالاً يَقْبَلُانَ إِلَى النَّبِيِّ إِذَا سَلَمَانَ عَلَى قَدْمِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ يَقْبِلُهَا فِزْجُ الرَّنِبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ لَهُ يَا سَلَمَانَ لَا تَصْنَعْ بِي مَا يَصْنَعُ الْعَاجِمُ بِمَلْوَ كَهَا أَنَا عَبْدُ مِنْ عَبِيدِ اللَّهِ أَكْلُ مَا يَا كَلُّ الْعَبْدِ وَاقْعَدُ كَمَا يَقْعُدُ الْعَبْدُ۔ (سفیہۃ الجمار: ج: ۳ ص: ۳۹۲)

میں نے دیکھا کہ سلمان و بلال غدمت نبی میں حاضر ہوئے، سلمان جھکے اور قدم مبارک چومنے لگے، اس پر حضرت نے انہیں زجر فرمایا اور کہا کہ اے سلمان ہمارے لئے اس قسم کے تنظیمی بر تاؤ نہ کیا کرو، اہل عجم اپنے بادشاہوں کیلئے کرتے ہیں، میں خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، غلاموں کی غذا میری غذا ہے اور غلاموں ہی کی طرح سے میراٹھنا بیٹھنا ہے۔

آنحضرت کے سیر و آداب کے ذیل میں مردی ہے کہ آپ نے فرمایا: خمس لا ادعهن حتی الممات الا کل على الحضيض مع العبيد، وركوبى الحمار موکبا وحلبني العنز بیدى، لبس الصوف والتسلیم على الصبيان لتكون سنة من بعدى.
میں پانچ باتوں کو مرتبے دم تک نہ چھوڑوں گا۔ غلاموں کے ساتھ میں پر پیٹھکر کھانا اور دنیوں کو اپنے ہاتھ سے دوہنا، بالوں کے کپڑے پہننا اور بچوں کو سلام کرنا تاکہ یہ بات میرے بعد عام سنن بن جائے۔ (وسائل الشیعہ: حج ۱۲ ص ۵۲)

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: ان الله جعلنى اماما لخلقه ففرض على التقدير في نفسى ومطعمى ومشربى وملبسى كضعفاء الناس كى يقتدى الفقير بفقرى لا يطغى الغنى بعناء ، خداوند عالم مجھے خلق کا امام بنایا ہے تو مجھ پر یہ بات فرض کر دی ہے کہ اپنے ذاتی آسائش اور کھانے پینے پہنچے میں اتنی تنگی کروں کہ طرز زندگی غربیوں کی طرح ہو جائے تاکہ فقراء میرے فقیرانہ طرز زندگی کی پیروی کریں۔ اغیاء اپنے مالداری کی بل بوتے پرسکش نہ بن سکیں۔، (اکافی: حج ا، ص ۲۱۰)

علامہ مجلسی نے اس کلام امام کی شرح میں فرمایا ہے۔

در حاصل یہ ہے کہ اپنے امام کو دیکھیں گے کہ ادنیٰ درجہ کی معیشت پر راضی ہیں تو وہ بھی اپنی فقیری مفلسی پر رضا مند ہو جائے گا اسی طرح سرمایہ دار جب انکو فقیرانہ طرز زندگی میں دیکھے گا

تو اس کی سرمایہ داری اس کی سرکشی پر مال نہ کر سکے گی۔ اور وہ یہ جانے گا اگر مال داری میں خیر و خوبی ہوتی تو امام اس کے لئے اولیٰ ہوتے اور اس خیر و خوبی کو نہ چھوڑتے۔

حکومت الہیہ کے نمایندوں کے مخصوص فرائض

فقال عاصم يا امير المؤمنين فعلی ما اقتصرت فى مطعمك على الجشوبة وفي ملبسك على الخشونة؟ فقال ويحك ان الله عزوجل فرض على الائمه العدل ان يقدر وانفسهم بضعفه الناس كيلا يتبين بالفقير فقره ایک طویل روایت میں ہے: عاصم نے عرض کی اے امیر المؤمنین: پھر کس وجہ سے آپ نے بد مزدہ کھانے اور موٹے کپڑوں پر اکتفا کی ہے؟ تو فرمایا وہ ہو تجھ پر کہ خدا نے ائمہ عدل پر یہ فریضہ قرار دیا ہے کہ طریقہ زندگی کو ضعیف المال غریبوں کے برابر کھیں تاکہ فقیروں کو ان کا فخر ہلاکت نہ کر دے۔

علامہ مجلسی نے اس کلام امام کی شرح میں فرماتے ہیں: يجب على الامام العادل ان يشبه نفسه في لباسه وطعامه بضعفه الناس كيلا يهلك الفقراء من الناس فانهم اذارائهم امامهم بتلک الھیۃ وذالک المطعم كان ادعی لهم الى سلوان لذات الدنيا الصبر عن شهوتها. یعنی امام عادل پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو لباس وغذائیں ضعیف المال غریبوں کے مشابہ بنائیں تاکہ اہل فقر بلاک نہ ہوں۔ جبکہ وہ دیکھیں گے کہ ان کا امام انھیں کی ہیئت و صورت میں رہتے اور انھیں کے ایسے کھانا کھاتے ہیں تو یہ بات لذات دنیا سے محرومی پر ان کے لئے وجہ تسلی بنے گی، اور نفسانی خواہشوں پر صبر کرنے کا داعی اور ذریعہ۔، (شرح نجح البلاغہ: خ: ۲۰۲)

حاکم بصرہ کے نام جناب امیر کا ایک پر زور فرمان اور ایک مالدار کی دعوت قبول کرنے پر ملامت و حشم نمائی

یا ابن حنیف فقد بلغنى ان رجالا من فتيه اهل البصرة دعاك الى ما دبة فاسرت اليها تستطاب لك الا لو ان و تنقل اليك الجفان وما ظنت انك تجیب الى طعام قوم ، عائلهم مجفو و غنیهم مدعوا: (نجح البلاغہ: خط ۲۵)

حضرت امیر المؤمنین نے حاکم بصرہ عثمان بن حنیف کو تحریر فرمایا:- اے ابن حنیف مجھے خربلی ہے بصرہ کے حوصلہ مندوں نے تمہیں ایک دعوت میں بلا یا اور تم جھٹ پٹ وہاں پیونچ گئے طرح طرح کے نفس کھانے تمہارے سامنے پنچ جاتے تھے اور پیا لے تمہاری طرف بڑھائے جا رہے تھے حالانکہ مجھے تو یہ خیال نہ تھا کہ تم اس قوم کی دعوت قبول کر لو گے جن کے مبتا جوں کو دستخوان سے دور نکال دیا جاتا ہے اور ان غنیاء کی ضیافت کی جاتی ہے۔

میرے لئے سیر ہو کر سونا مناسب نہیں جبکہ ملک میں بھوکے پیٹ اور جلتے کلیچے موجود ہیں

اس فرمان کا آخری حصہ یہ ہے: ولو شئت لاهتدیت الطريق الى مصفي هذا العسل، لباب هذا القمح، وتسائلج هذا القزو ولكن هیهات ان یغلبني هوا و یقودنی جشعیع الى تحریر الاطعمة، لعل نالحجاز او بالیمامۃ من لا طمع له فی القرص ولا عهد له بالشع، او ابیت مبطانا و هو لی بطنون غرثی و اکبادری او کون کما قال القائل و حسبک داء ان تبیت ببطنہ و حولک اکباد تحن الى القد، اقع من نفسي بان یقال امیر المؤمنین ولا اشارکھم فی

مکارہ الدهر او اکون اسوہ لهم فی جشوبة العیش۔ (نحو البلاغة: خط ۲۵)

اگر چاہتا تو میں بھی شہد مصافی اور گندم خالص اور جامہ ہائے ریشمین کی طرف راہ پا سکتا تھا لیکن افسوس کا مقام ہو گا کہ میری خواہش نفس مجھ پر غالب آجائے اور حرص مجھے عمدہ کھانے پسند کرنے کی طرف کھیج لے جائے، درآنجالیکہ حجاز و یمامہ میں ایسے غریب لوگ موجود ہیں جن کو ایک روٹی کی بھی آس نہ ہو، اور وہ جانتے ہی نہ ہوں کہ پیٹ بھرنا کے کہتے ہیں کیا میں پیٹ بھی کرسوئی جبکہ بھوکے پیٹ اور جلتے جگر میرے پاس موجود ہوں؟ کیا میں ویسا بن جاؤں جیسا کہ شافرنے کہا ہے یہی بیماری تمہارے واسطے کافی ہے کہ تم پیٹ بھرے راتوں کو سوؤ، درآنجالیکہ گرد و پیش ایسے جگر موجود ہوں جو ایک ایک ٹکڑے گوشت کے لئے آزومند و نالہ کش ہوں، کیا میں اپنے نفس کے لئے بس اس بات پر قیامت کرلوں کہ لوگ مجھے امیر المؤمنین کہیں اور زمانے کی سختیوں میں انکا شریک حال اور زندگی کی بے مزگی میں ان کے لئے لاائق پیروی پیشوائے بنوں۔

حضرت امیرؑ نے زمانہ خلافت میں نہ گھر بنا یا نہ کسی کو کوئی جا گیر دی

کان فی زمان خلافته الظاهریة خمس سنین و فی خبر الاثلاثۃ اشهر و فی هذه المدة ما وضع اجرة على اجرة ولا لبنة على لبنة ولا اقطع قطيعة و كان قد رفع جبنة عند الخياط و رضع فيها سبعين رقة حتى قال والله لقد رقعت مدرعتى هذه حتى استحیت من راقعها ان۔ (نحو البلاغة: خط ۱۶۰)

حضرت علی بن ابی طالب کا زمانہ خلافت ظاہری پانچ سال تا بعض سال تا بعض روایات کی بنابر اس سے بھی تین مہینہ کم، مگر اس میں آپ نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی نہ کوئی جا گیر عطا کی۔ درزی سے اپنے بھے میں پیوند سلواتے تھے۔ اور ستر پیوند اس میں ہو سکتے تھے تب خود فرمایا کہ

مجھے درزی سے اب یہ کہنے شرم آتی ہے کہ ابھی اور پیوند لگائے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ کا سادہ سادہ طرز زندگی

کان علی یا کل اکله العبد و یجلس جلسہ العبد و یا کل علی الحضیض و ینام علی الحضیض و کان یحتطب و یسفی و یکنس۔

حضرت امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا۔ حضرت علی علیہ السلام غلاموں کی طرح کھاتے تھے غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے میں پر کھاتے تھے اور زمین ہی پر سوتے تھے خود اپنے ہاتھ سے لکڑیاں لاتے پانی بھرتے گھر میں جھاڑو دیتے تھے۔ (الكافی: ج ۲، ص ۲۷۱)

شاہانہ تعظیم و جلال کی شدید ترین مخالفت ذلت پسندی کی ذہنیت و غلامانہ رسموم کا سد باب

وقال علیه السلام و قد لفیه عند مسیره الى الشام دهاقین الانبار فتلجلوا له و اشتدوا بين يديه: ما هذا الذي صنعتموه؟ فقالوا: خلق منا نعظام به امراءنا: فقال علیه السلام والله ما ينتفع به امراوكم و انكم لتشقون به على انفسكم في دنياكم و تشقون به في آخرتكم وما اخسر المنشقة و راهها العقاب و اربع الدعوة معها الامان من النار۔ (نحو البلاغة: کلمات قصارے ۳۷)

نحو البلاغہ میں منقول ہے: اثناء سفر شام انبار کے کچھ زمیندار آکر ملے جب سامنے آئے تو تعظیم کے لئے سواریوں سے اتر کر پیدل جلوس میں دوڑتے ہوئے چلے، یہ دیکھ کر حضرت نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، کیوں پا پیداہ اس طرح چلنے لگے؟ انہوں نے عرض کی

ہماری خصلت ہی یہی ہے، ہم اپنے امراء کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں، یہ سنگر حضرت نے فرمایا۔ تمہاری اس حرکت سے تمہارے امیروں کو فائدہ نہیں پہنچتا، اور تم اس عادت کی وجہ سے دنیا میں اپنی جانوں کو ناحق تکلیف میں ڈالے ہو، اور آخرت میں بدلصیب قرار پاتے ہو۔ اور وہ مشقت جسمانی کتنی نقصان دہ ہے جس کا انعام عذاب آخرت ہو، اور وہ بدنبی راحت کتنی سودمند ہے جس کے ساتھ دوزخ کی آگ سے بھی امان نصیب ہو۔

شارجین فتح البلاعہ علامہ ابن حدید اور علامہ ابن میثم نے اس کلام کی شرح میں فرمایا کہ مقصود کلام جناب امیر اس بات پر تنبیہ کرنا تھا کہ غیر خدا کے سامنے جھکنا اور خضوع کرنا سودمند ہے، غیر خدا کی ایسی تعظیم جو صرف سزاوار خدا ہو جائے نہیں۔

اسلامی تعلیمات کا رد عمل مسلمانوں کی طرف سے حضرت رسالت مآبؐ کی چند پیشینگوں سیاں جو واقع ہو چکیں

حکومت اور عامۃ الناس کی نظر میں زر و مال کا معیار عزت و شرف و شرافت ہونا ہی دولت طلبی و جمع مال و متعہ کی ہوں پیدا کرتا ہے اور مستحق اعزاز و اکرام ہونے کی خواہش ہی ذخائر دولت فراہم کرنے کی رغبت دیتی ہے، جب یہ بات نہ رہی تو حب مال و متعہ کی بنیاد ہی ختم ہو گئی۔ اگر اسلام کا یہ نظر یہ دنیا میں قائم رہ جاتا اور اس کے مال و متعہ کی قدر و وقعت افراد انسانی کی نگاہ میں گھٹانے کی اس عملی تدبیر کا خود مسلمان ہی کی طرف سے رد عمل نہ ہوتا تو سرمایہ داری کی فاسد ذہنیت اور اس کے برے ثمرات و نتائج کا عالم سے خاتمه ہو جاتا، افسوس ہمیکہ مسلمانوں کے بد لے ہوئے نشیریات نے حضرت رسالت پناہ کی ان اخبار غیب کے اک اک حرف کی سچائی بہت جلد ظاہر کر دی، اور عالم اسلامی اسی بلا میں گرفتار ہو گیا جس سے نجات دلانا اسلام کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

۱. عن رسول الله انه قال اذا افتحت عليكم فارس والروم اي قوم انتم . قال عبد الرحمن بن عوف نكون كما امرنا الله قال رسول الله او غير ذلك تتنافسون ثم تحاسدون ثم تتدابرون ثم تتاباغضون اول خواذلك ثم تنطلقون في مساكين المهاجرين فتجعلون بعضهم على رقاب بعض .
مردی ہے کہ آنحضرت نے صحابی سے صحابی کے جب فارس و روم کی فتح تمهیں نصیب ہو گئی تو اس وقت تم کس طرح کے لوگ ہو گے؟ عبد الرحمن بن عوف بولے کہ ہم و یہی ہی رہیں گے جیسا کہ حکم الہی ہے، آنحضرت نے فرمایا نہیں تمہارا حال اس کے خلاف ہو گا۔ تم دنیا کی طرف بے حد راغب ہو گے، پھر باہم حد کرو گے پھر تم باہمی تعلقات قطع کر دو گے، پھر ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے پھر محتاج و غریب مہاجرین کی طرف چلو گے اور بعض کو بعض کی گردان پر سوار کر دو گے۔ (مسلم کتاب الزهد) حدیث کے آخری جملے ”ثم تنطلقون“ الخ ، کے متعلق (حاشیہ سنن ابن ماجہ ۲۹۷) میں ہے

لا يكفيكم هذه الصفات حتى تأخذون حقوق مساكين المهاجرين ولا يبقى لهم ما يرتحلون به . انھیں صفتیں پر اکتفانہ ہو گی، بلکہ یہاں تک نوبت ہو چکی کہ مسکین و غریب مہاجرین کے حقوق پر قبضہ کر لو گے ان کے پاس اتنا بھی نہ رہ جائیگا جو ان کے لئے زادراہ بن سکے۔

۲. ما الفقرا خشى عليكم ولكنى اخشى عليكم ان تبسط الدنيا عليكم كما بسطت على من كان قبلکم فتنافسوها كما تنافسوها فتهلككم كما اهلكهم (مسلم کتاب الزهد)
مجھے اس کا خوف تو نہیں ہے کہ تمہیں فخر کا سامنا ہو گا لیکن اس بات کا خوف ضرور ہے

کہ دنیا تمہارے لئے اسی طرح کشادہ کر دی جائیگی جس طرح اگلی امتوں کے لئے ہو چکی ہے اور دنیا طلبی کے مقابلے تمہارے درمیان بھی ویسے ہی ہونے لگیں گے جیسے اگلے لوگوں میں ہو چکے ہیں۔ اور یہ غبہ دنیا تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دیگی جس طرح ان کو ہلاک کر چکی ہے

اسلامی نظام معیشت

مال و وزر کی ذخیرہ اندوزی کو بدترین جرم قرار دیتا ہے

اسلام کا نظام معیشت مال و متاع کی ذخیرہ اندوزی اور دولت و ثروت کے خزانے بھر لینے کی عادت کو سنگین اور قابل تهدید جرم قرار دیتا ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الْدَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرُهُمْ
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۲) يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكَوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ
وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لَا نَفْسٌ كُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ

(۳۵) (التوبہ)

جو لوگ سونے اور چاندی کے ذخیرے جمع کرتے ہیں اور انکو خدا کی راہ میں خرج نہیں کرتے (اے رسول) انکو درناک عذاب کی خبر سنادو جس دن وہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانی، پہلوؤں، پٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائیگا) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا (اب) اپنے جمع کئے ہوئے خزانے کا مزہ چکھو۔

ضرورت سے زیادہ زرمال تمہیں اس لئے نہیں دیا گیا کہ اسکے خزانے جمع کر رکھو

حدیث میں ہے: انما اعطاكم الله هذه الفضول من الاموال لتجهوها

حيث وجهها الله تعالى ولم يعطكم لتكتنزوها (تفسیر صافی ۲۲۲)

خدانے یہ ضرورت سے زیادہ مال تمہیں اس لئے عطا کیا ہے کہ اسے ادھر صرف کرو جد ہر خدا نے حکم دیا، اس لئے نہیں دیا ہے کہ اس کے خزانے جمع کر رکھو۔ (الكافی: ج ۲، ص ۳۲)

اس نے محض اس زبانی تہذید اور اخروی متاج کی خرابی سے تخویف ہی پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ اس بری عادت کے انسداد کے لئے ایک عملی قدم یہ بھی اٹھایا ہے کہ سونے چاندی کے سکوں کے ہر اس ذخیرہ پر زکوٰۃ واجب کر دی جو سال بھرا یک جگہ بند پڑا رہے کسی کاروبار میں نہ لگایا جائے۔

اسلام کے اس قانون کی مصلحت و غرض ظاہر ہے۔ ایک صرف ذخیرہ اندوزی کی خرابیوں سے بچانا مقصود ہے، دوسری طرف کاروبار کی ترقی کے طریقوں کو فروغ دینا جو صرف روپے کی گردش ہی پر موقوف ہے، بند پڑے ہوئے ذخائر سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، دوسروں کا ذکر کیا خود ان کے مالک ہی کو ان سے تازہ منفعت حاصل نہیں ہوتی ایسے ذخائر مال پر زکوٰۃ فرض کر کے یہ ہدایت کی ہے کہ اصل فائدہ ان کو کاروبار میں لگانے میں ہے نہ کہ خزانوں کے اندر مغلول رکھنے میں۔

اسلام کا عام معاشی اصول دولت کی گردش صرف دولتمندوں کے طبقے میں محدود نہ رہنے پائے

قرآن مجید صاف و صریح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ سرمائے کاطبقة اغنياء کے اندر محدود ہو کر عوام کی نکبت و افلاس ہلاکت کا باعث بن جانا بدترین جرم ہے جو کا انسداد نظام اسلامی کا اعلیٰ و اہم مقصد ہے۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرْيَ فَلَلَّهِ وَلِرَسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى
وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (۷)
جو مال خدا نے اپنے رسول کو گاؤں والوں سے بے لڑے لوایا ہے وہ خدا و رسول (اور رسول کے) قرابداروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے تاکہ تم میں سے جو لوگ دولتمند ہیں دولت کی گردش ہر پھر کر انھیں کے اندر محدود نہ ہونے پائے۔ (الحضر)

زرومال کی خرچ کی بابت تاکیدی احکام

جس طرح کسب مال و دولت کا حکم دینے میں اسلامی نظام نے اہتمام خاص ملحوظ رکھا ہے اور اس نظریہ کی ہر ممکن تصریح کر دی ہے کہ ہر آدمی کو بقدر استطاعت و مشقت برداشت کر کے اسباب معیشت خود حاصل کرنا چاہئے، اس طرح خرچ مال و وزر کے تاکیدی احکام بھی جاری کئے ہیں اور خرچ کی مدت بھی بصراحت بتادی ہے، اسلامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ:- مناسب طریقے سے دولت کماو اور نفع خلق اللہ کے اعلیٰ مقاصد میں خرچ کرو، صرف چند احکام

یہاں نقل کئے جاتے ہیں انھیں سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ اسلام کا نصب اعین کیا ہے۔

۱. لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُوَلُوا وُجُوهُكُمْ قِبْلَ الْمَسْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرُّ
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ
ذُوِّ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّفَاقَابِ وَأَقَامَ
الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَوةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبُلَاسَاءِ
وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْبُلْأَسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (۷۱)

نیکی کچھ یہی بات نہیں ہے کہ (نماز میں) اپنے منہ پورپ یا پچھم کی طرف کرو، بلکہ نیکی تو وہ ہے جو خدا و آخرت کے دن اور فرشتوں اور عذاب کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں اپنا مال قرابداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور غریب مالکوں والوں کو دے اور (لوٹدیوں غلاموں) آزاد کرانے میں (صرف) کرے اور نماز کا پابند ہو اور زکوٰۃ دیتا رہے اور عہد و پیمان کرنے کے بعد پورا کرنے والے۔ یعنی اور تکلیف اور جہاد کے کھٹکن وقت میں ثابت قدم رہنے والے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (ایمان کے دعویٰ) کو صح کر دکھایا، اور یہی لوگ پر تہیز گار ہیں۔ (الفقرہ)

اس آئیہ مبارکہ میں تمام کمالات انسانیہ مذکور ہیں:

عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے جتنے کمالات انسانیہ تصور میں آسکتے ہیں وہ سب اس آئیہ مبارکہ میں کیجا جمع کر دیئے گئے ہیں۔ صرف اسی کو پیش نظر کھکر یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کا برترین نصب اعین کیا ہے اور وہ انسان کو کمالات و سعادت کے کن اعلیٰ مراتب پر فائز ہدیخنا چاہتا ہے۔ اس نے حضرت سانتا ماریا بَلِيَّتَهُ نے فرمایا ہے: مَنْ عَمِلَ بِهَذِهِ الْآيَةِ فَقَدْ
اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ۔ جس نے اس آیت پر عمل کیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

بلند پایا مفسر جناب محسن فیض کا شانی فرماتے ہیں:

قیل الآیة کما تری جامعۃ للكمالات الانسانیۃ باسرها دالة علیها صریحًا او ضمناً فانها بکثرتها و تشتبهها منحصرة فی ثلاثة اشیاء: صحة الاعتقاد، و حسن العاشره، و تهذیب النفس و قد اشير الى الاول بقوله (من آمن الى النبیین)، و الى الشانی بقوله (و اتی المال الى و فی الرقاب، و الى الثالث بقوله و اقام الصلوة الى اخوها)، ولذلك وصف المجتمع بها بالصدق نظراً الى ایمانه و اعتقاده و بالتقوی اعتباراً بمعاشرته للخلق و معاملته مع الحلق.

کہا گیا ہے کہ (علماء کا ہی قول) کہ یہ آیت جیسا کہ تم دیکھتے ہو جملہ کمالات انسانی کے جامع ہے اور ان سب کے طرف صریحًا یا ضمناً رہنمائی کرتی ہے اور کمالات انسانیہ تین چیزوں میں منحصر ہیں: (اول) صحیح عقائد۔ (دوم) حسن معاشرت (سوم) تہذیب نفس: من آمن لے کر النبیین تک قول خداوندی میں پہلی چیز یعنی صحت اعتقاد کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرا چیز یعنی حسن معاشرة کا: و اتی المال سے و فی الرقاب تک تذکرہ ہے۔ اور تیسرا چیز یعنی تہذیب نفس کا تذکرہ ہے: اقام الصلوة سے آخر تک ہے۔ اور ان صفات کمال کے جامع انسان کا وصف بنظر اس کے ایمان و اعتقاد کے۔ صدق۔ سے کہا ہے اور خلق کے ساتھ حسن معاشرت اور حق تعالیٰ کے ساتھ خوبی معاملہ کے اعتبار سے اس کو تقوی۔ سے موصوف کیا ہے۔

مال خدا کا ہے وہی ما لک حیقی ہے:

۲. آمنوا بالله و رسوله و انفقوا مما جعلکم مستخلفین فيه فالذین
امنوا منکم و انفقوا لهم اجر کبیر۔ (الحدید: ۷)
اللہ پر ایمان لا اور اس کے رسول پر اور جس مال میں تمکو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں (راہ خدا

میں) خرچ کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہوں ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اس بات طرف اشارہ ہے کہ اسباب معیشت کا مالک حقیقتی خدا ہے اور اس نے اپنے نائب کی معیشت سے بندوں کو عطا فرمایا ہے تاکہ وہ حقداروں تک پہنچا سکیں۔

حدیث قدسی میں ہے: مال میرا ہے مالدار میرے وکیل ہیں اور فقراء و اہل احتیاج میرے عیال ہیں پھر اگر میرا وکیل میرے عیال کو میرے مال سے خرچ نہ دیگا تو میں اسکو جہنم میں داخل کر دوں گا اور مجھے اس کی کچھ پرواہ ہوگی۔

مالداروں پر زکوٰۃ و خمس ایسے واجب حقوق کے علاوہ دوسرے انسانی حقوق

۳. وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلصَّالِيْلِ وَالْمُحْرُومِ (الذاریات: ۱۹).

ان کے اموال میں مانگنے والے اور محروموں کا معین حق ہے،

اس آیت میں زکوٰۃ و خمس ایسے صدقات واجبہ کا ذکر نہیں جن کا ادا کرنا ہر صاحب مال پر فرض کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی مالداروں پر انسانی حقوق عاید کرنے کے لئے ہیں۔ انہیں کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ روایات ذیل اس پر شاہد ہیں:

(الف) بعض صحابہ نے حضرت رسولہ ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور حق بھی ہے؟ تو فرمایا: نعم بر الرحم اذا دبرت و اصلة

الجار المسلم فما مان بي من بات شبعانًا و جاره المسلم جاء، ثم قال: ما زال

جبرئيل يوصيني بالجار حتى ظننت انه سيورثني

ہاں صدر جی اور ہمسایہ سے حسن سلوک وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں رکھتا جو سیر ہو کر رات کو بس کرتا ہے جبکہ اس کا ہمسایہ بھوکا ہے، جبرئیل نے پڑو سی سے متعلق اتنی تاکید و سفارش کی کہ میں سمجھا

پڑوئی کو بھی میری میراث میں سے ملے گا۔ (وسائل الشیعہ ج ۹ ص ۵۳)

(ب) ابو بصیر راوی ہیں۔ کنا عند ابی عبد اللہ و معناہ بعض اصحاب الاموال و ذکر و الزکوٰۃ فقال ابو عبد اللہ ان الزکوٰۃ ليس يحمد بها صاحبها انما هو شئ ظاهر انما هو حقن به دمه و سمی مسلما و ان عليکم في اموالكم غير الزکوٰۃ فقلت اصلاحک الله وما علينا فی اموالنا غير الزکوٰۃ فقال سبحان الله اما تسمع الله يقول في كتابه والذین فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم۔ (الکافی: ج ۳، ص ۳۹۹)

ہم لوگ جناب ابو عبد اللہ جعفر صادق کی خدمت میں حاضر تھے اور ہمارے ساتھ پچھے دولتمند لوگ بھی تھے ”زکوٰۃ“ کا تذکرہ ہوا تو حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ زکوٰۃ پر صاحب زکوٰۃ مستحق تعریف و شناخت ہوتا۔ وہ تو ایک ظاہری چیز ہے، جس کے ذریعے انسان کا خون محفوظ ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ مسلم کہلاتا ہے تم پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالی فرائض عاید ہوتے ہیں، عرض کی ارشاد ہو زکوٰۃ کے علاوہ ہمارے اموال میں اور کوئی سے فرائض ہم پر عاید ہوتے ہیں؟ سبحان اللہ تم نے نہیں سا کہ خداوند عالم اپنی کتاب میں فرمایا : وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات: ۱۹)

(ج) حضرت علی بن الحسین علیہ السلام نے فرمایا: الحق المعلوم الشئ يخرجه من ماله ليس من الزكوة ولا من صدقة المفروضين فقال له الرجل فما يصنع فقال يصل به رحمة ويقوى به ضعيفا ويحمل به كلا او يصل به اخالة في الله .

(د) حضرت امام علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا: حق معلوم سے مراد زکوٰۃ یا کوئی اور صدقہ واجب نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسرا حق مراد ہے جسے انسان کو اپنے مال میں سے

نکالنا چاہئے، پوچھنے والے نے کہا کہ اس حق کو مال سے نکال کر کیا کرے؟ فرمایا قرابتاروں کو دے کمزوروں کو قوت پہنچائے کسی حاجت مند کا بارا پنے اور پر لے، یا کسی دینی بھائی کی مدد کرے۔
(الکافی: ج ۳، ص ۳۹۹)

محتاجوں کی مالی امداد کی عظمت کا اظہار

الْمُعْلَمُوْا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنِ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ (التوبہ: ۱۰۲)

کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ اللہ یقیناً اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو لیتا ہے، اور یقیناً وہ توبہ کا بڑا قبول کرنے والا مہربان ہے۔
اس آیہ مبارکہ میں یہ کہا گیا ہے کہ خیرات و صدقات جو محتاجوں کو دیے جاتے ہیں وہ خدا کے ہاتھوں میں جاتے ہیں۔

حدیث بُویٰ ہے: ان الصدقة تقع في يد الله قبل ان تصل الى يد السائل، صدقة خدا کے ہاتھ میں پڑتا ہے قبل اس کے کہ سائل کے ہاتھ میں پہنچے۔ (تفسیر صافی: ج ۲ ص ۳۷۲)

یہ اندازیاں محتاجوں اور حقداروں کی مالی امداد کی عظمت و اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے

کارخیر کی اہمیت

وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (۲۷۲) وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نُنْسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (البقرہ: ۲۷۳)

اور تم جو کچھ کارخیر میں خرچ کرو گے تو اپنے لئے اور تم خدا کی خوشنودی کی طلب کے

سو اور کام میں خرچ کرتے ہی نہیں اور جو کچھ کارخیر میں خرچ کرو گے (بروز قیامت) تم کو پھر واپس مل جائیگا اور تمہارا حق مارانہ جائیگا۔

بُجْلَ کی مِدْمَت

مَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (التغابن: ۱۶)
مَثْلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثْلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَابِلَ فِي كُلِّ
سُبْلَةٍ مَّتَّهُ حَبَّةً وَاللَّهُ يَضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ (سورة بقرہ: ۲۶)

جو شخص اپنے نفس کی لاچ سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ اپنی دلی مراد پائیں گے۔ جو لوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان (کے خرچ) کی مثال اس دانے کی ہے جس کی سات بالیاں نکلیں، اور ہر بالی میں سو (۱۰۰) دانے ہوں اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے دو گنا (بھی) کر دیتا ہے۔

کس قسم کے لوگوں پر انفاق۔۔۔ کرنا چاہیئے اس سلسلے میں چند آیتیں اور روایتیں پیش کی جاتی ہیں

مال باب کے حقوق

۱) وَقَضَى رَبُّكَ أَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَاهُ وَبِالْأَوَّلِ الدِّينِ إِحْسَاناً
(الاسراء: ۲۳)

اور تمہارے پروردگار کا یہی حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور مال باب کے ساتھ نیکی کرو:

مال امداد کے مستحق اور ان کے درجات

۲) يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ حَيْرٍ فَإِلَوَالِدِينِ وَالْأَقْرَبِينَ

وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ وَابْنُ السَّيِّلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَهِ عَلِيهِمْ
(البقرہ: ۲۱۵)

(پیغمبر) یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں (کن لوگوں پر) تو تم ان سے کہو کہ جو کچھ نیک کمائی سے خرچ کرنا ہے وہ (تمہاری) ماں باپ اور قرابداروں اور قیمتوں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے اور جو اچھا کام کرو گے خدا اس سے ضرور واقف ہو گا۔

خوددار غربیوں پر خاص نظر عنایت

۳) لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِعُونَ ضَرُبًا فِي
الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءِ مِنَ التَّعْفُفِ تَعْرُفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ
النَّاسَ إِلَحْافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَهِ عَلِيهِمْ (البقرہ: ۲۷)

(تمہاری طرف سے مالی امداد) خاص ان حاجتمندوں کا حق ہے جو خدا کی راہ میں گھر گئے ہوں اور روئے زمین پر (اگر جانا چاہیں تو) چل نہ سکتے ہوں، ناواقف ان کو امیر سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ لاحاظ خودداری کسی سے سوال نہیں کرتے لیکن تم ان کی صورت ہی سے پچھاں جاؤ گے (کہ وہ محتاج و مستحق افراد ہیں اگرچہ) لوگوں سے سوال نہیں کرتے، اور جو کچھ تم مصرف خیر میں خرچ کرتے ہو خدا اس کو ضرور جانتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤْلَفَةُ
قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْأَغْارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّيِّلِ فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ
وَاللَّهُ عَلِيهِ حَكِيمٌ (التوبہ: ۲۰)

مال زکوٰۃ (غیرہ) تو فقیروں کا محتاجوں کا حق ہے اور (ان) کارندوں کا (جن کے متعلق ان کا وصول کرنا ہے) اور ان کا جن کی تالیف قلب کی گئی ہو اور غلاموں کو آزاد کرنے اور ان

قرضداروں کا قرض ادا کرنے میں (جونادر ہیں) اور غذا کی راہ میں (جہاد وغیرہ) اور مسافروں کی امداد میں خرچ کرنا چاہئے (یہ حقوق) خدا کی طرف سے واجب قرار دیئے گئے ہیں اور خدا بڑا عالم اور صاحب حکمت ہے۔

انسانی حقوق دوسرے کا رخیر پر مقدم ہیں

اتی رجل الی النبی بدینارین فقال يا رسول الله اريد ان احمل بهما فی سبیل الله قال لک والدان او احدهما؟ قال: نعم قال اذهب وانفقهما على والدیک فهو خير لک ان تحمل بهما فی سبیل الله فرجع ففعل واتاه بدینارین اخیرین فقال: يا رسول الله قد فعلت هذان دیناران اريد ان احمل بهما فی سبیل الله قال لک ولد قال نعم قال اذهب وانفقهما على ولدک فهو خير لک ان تحمل بهما فی سبیل الله فاتاه فرجع بدینارین اخیرین فقال يا رسول الله قد فعلت و هذان دیناران اريد ان يحمل بهما فی سبیل الله فقال الک زوجة؟ قال نعم، قال بهما فی سبیل الله انفقهما على زوجتك فهو خير لک ان تحمل بهما فی سبیل الله فرجع ففعل فاتاه بدینارین اخیرین فقال يا رسول الله قد فعلت و هذان دیناران اريد ان احمل بهما فی سبیل الله فقال لک خادم ، قال نعم ، قال فاذهب انفقهما على خادمک فهو خير لک من ان تحمل بهما فی سبیل الله ففعل فاتاه بدینارین اخیرین فقال يا رسول الله انی اريد ان احمل بهما فی سبیل الله فقال احملهما واعلم بانهما ليسا بافضل من دنانيک (النالی الاخبار)

روایت ہے، ایک شخص حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دواشرفیاں (دینار کا

ترجمہ مصنفہ نور اللہ مرقدہ نے اشرفیاں کیا ہے جو کہ سونے کی ہوا کرتی تھیں دینار کی طرح) لے کر حاضر ہوا، اور عرض کی کہ ان کو راہ خدا میں خرچ کرنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا۔ کیا تیرے ماں باپ ہیں، یا ان میں سے کوئی ایک؟ اس نے کہا ہاں، تو فرمایا کہ جا اور ان اشرفیوں کو ماں باپ پر خرچ کریے بات تیرے حق میں راہ خدا میں صرف کرنے سے بہتر ہوگی، وہ گیا اور تعقیل حکم کر کے دوسری دواشرفیاں لئے ہوئے پھر آیا، اور کہنے لگا کہ میں حکم بجالا یا اور یہ دواشرفیاں ہیں ان کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ تیرے کوئی لڑکا ہے؟ اس نے عرض کی ہاں، حضرت نے فرمایا جا اور ان دیناروں کو اپنے بیٹے پر خرچ کریے بات تیرے لئے نسبت راہ خدا میں صرف کرنے سے بہتر ہے، وہ پلاٹا اور تعقیل ارشاد کر کے دواشرفیاں لئے ہوئے پھر حاضر خدمت ہوا اور انھیں راہ خدا میں خرچ کرنے کی خواہش کی تو حضرت نے فرمایا کہ تیرے پاس زوجہ ہے اس نے کہا ہاں حضرت نے فرمایا جا اور ان دیناروں کو اپنی زوجہ پر خرچ کریا امر تیرے لئے نسبت راہ خدا میں خرچ کرنے سے بہتر ہے وہ واپس گیا اور بمحض حکم عمل کر کے دواشرفیاں لئے ہوئے پھر آیا تو حسب سابق راہ خدا میں صرف کرنے کی درخواست کی حضرت نے فرمایا کہ تو کوئی خدمتگار رکھتا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو حضرت نے فرمایا جا اور ان دیناروں کو اپنے خادم پر صرف کر، یہ امر تیرے لئے راہ خدا میں خرچ کرنے سے بہتر ہوگا، اس نے اس ارشاد پر عمل کیا، اور دواشرفیاں لئے ہوئے پھر حاضر خدمت ہوا اور راہ خدا میں خرچ کرنے کی خواہش کی، تو فرمایا، اچھا مگر جان لینا کہ یہ دونوں دینار تیرے سابق دیناروں سے بڑھ کر نہ ہو گے۔

نیز حدیث نبوی ہے: لا صدقة وذور حم محتاج . صدقہ نہیں جبکہ قربات امتحان ہوں۔

(من لا يحضره الفقيه: ج: ۲: ص: ۶۸)

کس قسم کی چیزوں کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہئے

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (سورہ آل عمران: ۹۲)

کس قسم کی چیزیں صرف خیر میں صرف کرنی چاہئیں اس کے متعلق چند ہدایات ہیں جبکہ تم ان چیزوں میں سے جن سے محبت رکھتے ہو خرچ نہ کرو گے ہرگز نیکی کا درجہ نہیں پاسکتے۔

۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيْمِمُوا الْخَيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَأَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُعْمَضُوا فِيهِ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِّيٌّ حَمِيدٌ (سورہ بقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو، اپنی پاک مکائی اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے واسطے زمین سے نکالی ہیں (راہ خدا میں) خرچ کرو اور بری چیز کو خرچ کرنے کا قصد نہ کرو، حالانکہ ایسی چیز کوئی تمہیں دینا چاہے تو تم اس کے لینے والے نہیں، مگر یہ کہ اس کے لینے میں (عدما) آنکھ چڑا اور جان لو کہ خدا بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔

ارشادِ نبوی ہے: ان الله طيب لا يقبل الا الطيب "خدا پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔

راہ خدا میں دینے کے حدود و قیود کو بھی اسلام نے نظر انداز نہیں کیا ہے، اس سلسلہ کی چند آیتیں ملاحظہ ہوں:

اپنے احسانوں کو احسان جتنا کرو اور دکھ دیکر بر بادنہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطِلُوا أَصْدَقَاتِكُمْ بِالْمُنْ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ
مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثُلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانِ عَلَيْهِ تُرَابٌ
فَأَصَابَهُ وَابْلُ فَسَرَ كُهْ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مُّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (سورہ بقرہ: ۲۶۳)

اے ایمان والو! اپنے صدقوں کو احسان جانا اور (سائل کو) دکھ دینے سے اکارت نا کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور خدا اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، اسکی (خیرات) اس صاف چٹان کی سی ہے جس پر مٹی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ بر سے اور اسے (اس کی مٹی بھا کر) بالکل صاف چکنی چھوڑ دے۔ ریا کاروں کو اس خیرات میں سے جوانہوں نے کی ہے کچھ بھی ہاتھ نہ آئیگا اور خدا کافروں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

سچی خیرات کی اعلیٰ مثال

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ أَبْيَاعَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَبَثِّبُنَا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ
بِرَبُوبَةِ أَصَابَهَا وَابْلُ فَاتَّ أَكْلَهَا ضَعْفَيْنِ (سورہ بقرہ: ۲۶۵)

جو لوگ اپنے مال کی رضا جوئی میں اور اپنے دلی مضبوط اعتماد سے خرچ کرتے ہیں، انکی مثال اس (سر بز) باغ کی سی ہے جو کسی اوپنجی زمین پر لگا ہو پھر اس پر زور کا مینہ بر سے تو وہ دو گنے پھل لائے۔

ریاء شرک اصغر ہے: حدیث رسولؐ ہے: انی اخوف ما اخاف علیکم الشرک
الصغر۔ قالوا: وما شرك الاصغر يا رسول الله؟
فقال: الرياء
سب سے زیادہ ڈراویٰ نیچیز جس کا مجھے تم سے ڈر ہے شرک اصغر ہے کسی نے پوچھا کہ ”شرک
اصغر“ کیا ہے؟ فرمایا ”ریا کاری“

چھپی ہوئی خیرات کی فضیلت

إِنْ تُبَدِّلُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعْمًا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءُ فَهُوَ خَيْرٌ
لُكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ حَبِيرٌ (سورة بقرہ: ۲۷۴)
اگر تم صدقات کو کھلے طور پر دو تو یہ (بھی) اچھی بات ہے اور اس کو چھپا کر مجاہدوں
کو دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے (ایسے صدقے) تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دیے گے اور تم جو کچھ
کرتے ہو خدا اس سے خبردار ہے۔

اپنی ضرورت سے بچاہو امال غریبوں پر خرج کرو

و يسألونك ماذا ينفقون، قل العفو (سورة بقرہ: ۲۱۹)
(اے رسول) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کیا خرج کریں تو تم (ان
سے) کہو کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے نپے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: العفو هو الوسط من غير اشرف
ولا افتخار: (تفسیر نور الثقلین: ج: ۲: ص: ۲۱۰)

العفو سے مراد اوسط درجہ ہے جس میں نہ فضول خرچی ہو نہ تنگ دلی۔

نیز امام باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے، مفضل عن قوت السنۃ ”العفو“ سے مراد وہ مال

ہے جو سال بھر کی خرچ خوراک سے نکر رہے۔ (مجموع البیان: ج ۱ ص ۳۶۶)
ایک اور روایت میں ہے: ما فضل عن الاهل والعيال ”العفو“ سے مراد وہ مال
ہے جو اہل و عیال کے خرچ سے نکر رہے۔

حدا عتدال کا خیال رکھو،

راہ خدا میں خرج کرو مگر ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ

وَأَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيهِكُمْ إِلَى التَّهْلِكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُ الْمُحْسِنِينَ (سورہ بقرہ: ۱۹۵)

خدا کی راہ میں اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی کرو، بیشک خدائی کی
کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لو ان رجالاً اتفق ما في يديه في سبيل الله ما كان احسن ولا وفق
للخلي: . اليس يقول الله ولا تلقوا بآيديكم إلى التهلكة واحسنوا ان الله يحب
المحسنين . يعني: المقتضدين . (تفسیر صافی: ج ۱ ص ۲۳۰)

اگر کوئی شخص جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے راہ خدا میں سب خرچ کر دائے تو یہ بات
کچھ اچھی نہ ہوگی، اور نہ مناسب، کیا خداوند عالم نے نہیں فرمایا کہ محسین سے مراد وہ لوگ ہیں
جو خرچ میں اقتضا و اعدالت اختیار کرتے ہیں:

خيرات میں سب مال و سرمایہ خرج کر کے

خود محتاج نہ بن جاؤ

حدیث نبیؐ ہے: یجیء احمد کم بما له کلمہ یصدق به و یجلس یتکفف

الناس انما الصدقة عن ظهره غنى (متدرک الوسائل: ج ۷ ص ۲۳۰) تم میں سے کوئی شخص اپنا تمام مال خیرات میں دے کر مفلس ہو بیٹھے اور لوگوں کے آگے سوال کا ہاتھ پھیلانے لگے (یہ پسندیدہ نہیں ہے) صدقہ توبہ وہی ہے جس کی خوش حالی باقی ہے۔

مقدار یہ ہے کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے مال کا ایک حصہ مستقبل پر نظر کرتے ہوئے محفوظ رکھنا چاہئے، صرف کرنے کے بعد بھی کچھ مال پس انداز ہونا چاہئے تاکہ بوقت حاجت کام آئے، اتنا نہ صرف کر دیا جائے کہ مفلس ہونا پڑے اور دوسروں کے سامنے دست سوال پھیلانا پڑے۔

حالات انسانی اور نفوس کی قوت صبر و ضبط مختلف ہوا کرتی ہے، عام حالات اور عام نفوس کے اعتبار سے حکم شرع اسلامی وہی ہے جو مقتولہ بالا آیات و احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر مخصوص حالات اور خواص افراد کے لئے ”ایثار علی نفس“، اول و افضل قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ باوجود ذاتی حاجت کے دوسروں کو ترجیح دینا اخلاق کا بلندترین درجہ کمال ہے۔

ملکہ ایثار اخلاق کا بلندترین درجہ کمال ہے

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شَحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحسن: ۹)

ارشاد خداوندی ہے: اگرچہ ان کو ذاتی حاجت سے بیگنی ہی کیوں نہ ہو مگر وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو اپنے نفس کو حرص سے بچالے گئے وہی اپنی دلی مراد پاویں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی ابیان راوی ہیں کہ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مومن پر مومن کا کیا حق ہے؟
تو فرمایا: یا ابیان تقاضمہ شطر مالک ثم نظر الی فرای ما دخلنی،
فقال: یا ابیان اما تعلم ان الله قد ذکر الموثین علی انفسهم؟ قلت بلی جعلت فداک، فقال: اذا انت قاسمته فلم توثره بعد، انما انت و هو سواء، انما توثره اذا اعطيته من النصف الآخر۔ (الكافی: ج ۲، ص ۲۷۲)

اے ابیان! تم اپنا مال اس کے اور اپنے درمیان برابر تقسیم کرلو، یہ فرمایا حضرت نے میری طرف دیکھا، اور میرے دل میں جو خیال آرہا تھا اس کو محسوس کیا، تو فرمایا اے ابیان! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا نے ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں مولا آپ پر میری جان قربان: تو فرمایا جب تمہیں اس بارہ مومن کو اپنے مال کا نصف حصہ دیا تو بھی تم نے ایثار نہیں کیا۔ کیونکہ ابھی تو تم اور وہ دونوں برابر ہیں، ایثار تو اس وقت ہو گا جب تم اپنے نصف حصہ میں سے بھی اس کو کچھ دیدو۔

زندگی میں اپنے ہاتھ سے مستحقین پر مال تقسیم کر دینا
اس سے بہتر ہے کہ
مرنے کے بعد خیرات کر نیکی و صیت کی جائے۔

ان رجالا شابا من الانصار جمع مala کثیر امن الحال فمرض دعاوه رسول الله في جماعة فقال له يا رسول الله او صيك ان تتصدق اموالي كلها على الفقراء والمسكين بيدك بعد وفاتي فقبل رسول الله وصيته فلما مات

امر ببسط امواله ثم ذهب في داره و تصدق امواله كلها بيده فقال الرواى
قلت في نفسي للاغنياء خير الدنيا والآخرة فظر رسول الله إلى و علم ما
اضمرته فاخذثمرة من ماله ورفع يده حتى ظهر ابطه ثم نظر إلى فقال ما الذى
بيدي فقلت جعلت فداك تمره واحدة من التمرات فقال والذى ارسلنى
بالحق نبيا صدق لاو تصدق هذا الرجل بيده تمره واحدة لكان خيرا و مما
تصدقته عنه. (لما الاخبار: ص ۱۱۰)

مروری ہے کہ ایک مردانصاری نے بہت سامال بطریق حلال جمع کیا اور بیمار ہوا
آنحضرت ایک جماعت صحابہ کے ہمراہ اس کی زیارت کو تشریف لائے تو اس نے عرض کی، یا
رسول اللہ میری یہ وصیت ہے کہ آپ میری وفات کے بعد میرا کل مال فقیروں اور محتاجوں پر
اپنے ہاتھ سے تقدیق کر دیجئے گا آنحضرت نے اسکی وصیت قبول فرمائی، جب وہ مر گیا تو آپ
نے ک تمام مالوں کو جمع کرنے کا حکم دیا، اور خود ان کے گھر تشریف لیجا کر اپنے دست مبارک
سمتعات پر تقسیم کر دیا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ مالداروں کے لئے
خیر دنیا و آخرت دونوں ہیں، اس پر آنحضرت نے میری طرف دیکھا اور میری دلی خیال پر مطلع
ہو گئے تھے آپ نے ایک دانہ خرمہ ہاتھ میں لیکر ہاتھ اتنا بلند فرمایا کہ آپ کے نو بغل نظر آیا، پھر
میری طرف دیکھل فرمایا کہ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ایک
دانہ خرمہ ہے، فرمایا اس خدا کی قسم جس نے مجھے نبی برحق بن کر بھیجا گراں شخص نے اپنے ہاتھ
سے ایک دانہ خرمہ تقدیق کر دیا ہوتا تو اس تمام ذخیرے سے اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ جو میں
اس کی طرف سے خیرات میں تقسیم کیا۔

جو کار خر و صی کے ذریعہ سے مقصود ہو وہ جیتے جی خود کر جاؤ

اعد جہاز ک وقدم زادک وکن وصی نفسک ولا تقل لغیرک
یبعث اليك بما يصلحك. (الكافی: ج ۷، ص ۶۵)

جناب جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اپنا سامان خود مہیا کرو، اپنا زاد سفر پہلے بھیجو اپنا وصی
آپ بنو،
(یعنی جو کچھ وصی کے ذریعہ کرنا مقصود ہو وہ خود کر جاؤ) کسی غیر سے نہ کہو کہ تمہاری بھلانی کا
سامان تمہارے بعد تمہاری طرف بھیجے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے: درهم يعطيه الرجل في صحة خير من عتق رقبة عند
الموت. (جامع الاخبار: ص ۱۸۲)

تندرتی کی حالت میں دیا ہوا ایک در ہم بوقت موت ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔
ماعون یعنی روزمرہ کے استعمال کی
ضروری اشیاء کے دینے میں بھل کی شدید مذمت

جو اشیاء روزمرہ کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور خانہ داری کے جس سازو
سامان کی حاجت عموما ہر امیر و غریب کو ہوا کرتی ہے مثلا پانی۔ نمک۔ آگ۔ چراغ، ظروف،
فروش، اور ایسے ہی دیگر اثاث البیت، صاحب ضرورت کو ان کے دینے میں بھل کرنا نہایت
قابل مذمت فعل قرار دیا ہے ارشادِ بانی ہے:
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (۲) الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۵) الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاوُوْنَ (۶)

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (۷) (سورة ماعون)

ان نمازوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہے اور جو دکھانے کے کام کرتے ہیں اور معمولی چیزیں روکتے ہیں جو عام طور سے درکار ہوتی ہیں۔“

”ماعون“ کی تعریف

امام جعفر صادق علیہ السلام نے (ماوعون) کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:
الماوعون ما يتعاوره الناس بينهم من الدلو والفالس وما لا يمنع كالماء والملح. (مجموع البیان: ج ۶ ص ۵۲۸)

وہ اشیاء جن کو لوگ عام طور سے عاریت کے طریقے پر دیا کرتے ہیں، مثلاً دلوں لکڑی، چیڑیں کا آلہ اور وہ چیزیں جن پر لوگ لوک نہیں ہے جیسے پانی، نمک:

نیز دوسری روایت ہے: مثل السراج النار والخمیر واشباه ذلك من
الذى يحتاج اليه الناس. (متدرک سفینۃ الحجارة: ج ۹ ص ۷۰۰)

چراغ، آگ، خیر اور اس قسم کی وہ چیزیں جن کی لوگوں کو ضرورت عام طور سے ہوا
کرتی ہے۔

اسلام کا اصول تقسیم دولت قانون و تقسیم بالسویہ

پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کا نظام معاشی، زمین اور اس کی پیداوار کو تمام انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیتا ہے اور ان میں حق تصرف تمام انسانوں کے لئے برابر ہے اس کا عالم اصول یہ ہے کہ دنیا کی پیداوار تمام انسانوں پر تقسیم ہونی چاہئے، اور یہ تقسیم مساواۃ کے اصول پر ہو جانی اسلام نے اپنے زمانے نے میں اسی ”تقسیم بالسویہ“ کے اصول پر عمل فرمایا، اور اس اصول پر عملدرآمد کی بنابر اپنے جانشینوں کی بھی مدح فرمائی:-

تقسیم بالسویہ کی اہمیت شارع اسلام کی نظر میں

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے فضائل کے ذیل میں ارشاد ہوا۔ اقسامہم

بالسویہ۔ (کنز العمال: ج ۱۳ ص ۷۱)

وہ سب سے زیادہ برابر تقسیم کرنے والا ہے۔“

خاتم الاصیاء اور اسلام کے آخری رہبر حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی: ابشر کم بالمهدی یرضی عنہ ساکن السماء والارض یقسم
المال صحاحا، ویملأء قلوب امة محمد غناه۔ (بخار الانوار: ج ۵، ص ۸۲)

”تمہیں“ مہدی کی بشارت دیتا ہوں ان سے آسمان کے رہنے والے اور زمین کے
لبسنے والے سب ہی رضا مند ہوں گے۔ وہ مال کو صحیح طور پر تقسیم کریں گے، اور امت محمدیہ کے دلوں کو
استغناہ سے بھر دیں گے۔ کسی نے دریافت کیا کہ مال کی صحیح تقسیم سے کیا مراود ہے؟ تو فرمایا:-
بالسویہ بین الناس تمام انسانوں میں برابر کے حصے تقسیم کریں گا۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام عہد میں جب طریقہ نبویہ پر عمل ہوا اور سرمایہ کی تقسیم
مساوات کے اصول پر کی گئی تو اونچے طبقے کے صحابہ میں اس طریقہ کا راستے ناراض و برہمی پھیلی
تو ان کے اظہار عتاب و ناراضی پر حضرت نے فرمایا۔

اصول تقسیم مساوات کے متعلق حضرت امیرؑ کا نقطہ نظر

اتامرونی اطلب النصر بالجور فیمن و لیت علیه والله ما اطور به ما
سمر سمیر و ما ام نجم فی السماء نجماً لوکان المال لی لسویت بینہم

فَكَيْفَ وَانِّمَا الْمَالُ مَالُ اللَّهِ لَهُمْ ثُمَّ قَالَ: إِلَوَانٌ اعْطَاءُ الْمَالِ فِي غَيْرِ حَقِّهِ تَبْذِيرٌ وَاسْرَافٌ وَهُوَ يَرْفَعُ صَاحِبَهُ فِي الدُّنْيَا وَيَضْعِفُهُ فِي الْآخِرَةِ.

کیا مجھے تمہارا یہ حکم ہے کہ (تمہاری) مدد و ہمایت حاصل کرنا چاہتا ہوں ان پر ظلم و جور کر کے جن پر حاکم بنایا گیا ہو؟ (یعنی انکا حق مار کر تمہیں زیادہ دلوں اور اس چیز سے تمہیں اپنا مددگار بناؤں؟) خدا کی قسم! جیتک راتوں کے قصے اور افسانے باقی ہیں اور ایک ستارہ دوسرے کے پیچھے چل رہا ہے اس طرح کے طریقے کے قریب نہ جاؤں گا۔ اگر یہ مال میرا ذاتی مال ہوتا تو بھی لوگوں پر برابر ہی تقسیم کرتا، پھر جبکہ وہ مال خدا کا ہے کیونکر مساوات کا لحاظ نہ رکھوں؟ ہاں سمجھو: کہ بغیر استحقاق مال کی بخشش و فیاضی فضول خرچی اور اسراف بیجا ہے جو اپنے مرتکب کو دنیا میں بلند کرتا ہے مگر آخرت میں پست و ذلیل کر دیتا ہے۔ (نهج البلاغہ: خ ۱۲۶)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی نظر میں دنیا کی معاشی پریشانی کا سبب سرمایہ کی غیر مساوی تقسیم ہے

دنیا کے لئے معاشی پریشانی جو عوام کے لئے خوفناک مصیبت بنی رہتی ہے اور مدارج معاشرت میں جو بتا ہکن نشیب و فراز پایا جاتا ہے اس کا سبب رہبران الاسلام کی نظر میں سرمایہ کی غیر مساوی تقسیم ہے:-

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے،

ان الله تعالى فرض على الاغنياء في اموالهم قدر الذي يسع فقراء هم فان
جاعوا و عرروا و جهدوا فبا يمنع الاغنياء. (متدرک الوسائل: ج ۷ ص ۸)

بے شbekہ خدا نے مالداروں کے سرمایہ مال و دولت میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے جس قدر کہ محتاجوں کے لئے کافی ہو سکتا ہے اب اگر وہ بھوکے ننگے اور خستہ حال نظر آتے ہیں تو

اس کا سبب یہی ہوا کرتا ہے کہ دولت مندر سرمایہ دار لوگ اس حق واجب کو ادا نہیں کرتے۔

ما اوسع العدل الناس يستغنو اذا عدل عليهم (متدرک الوسائل: ج ۱۱ ص ۱۲۳)

امن عدل میں کس قدر وسعت ہے اگر عدل کیا جائے تو سب لوگ خوش حال ہو جائیں گے۔

اسلام کا مقصد انسانیت کی سب سے

بڑی خدمت ہے

یہ ظاہر ہے کہ انسان سے محبت و دوستی کا ثبوت انھیں عالمگیر اسباب فقر و افلاس کو دور کر کے دیا جاسکتا ہے، اسلام خداوند عالم کا یہ اعلان عام بنی نوع انسان تک پہنچا تاہم کہ اس کا مقصد تم پر فضل و کرم کی بارش کرتا ہے جو نظام معیشت اس کی طرف سے جاری کیا جائیگا۔ اس کے متعلق خدا کا وعدہ ہے کہ وہ معیشت میں وسعت و خوشحالی پیدا کرنے والا ہو گا نہ کہ فقر و افلاس کا باعث!

انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ عالمگیر افلاس و فقر کی بلا کو دنیا سے ختم کر دیا جائے اور ایسی صورت پیدا کری جائے کہ عالم میں خوشحالی و فراخی معیشت عام ہو جائے، اور کوئی محتاج بنتلا فلا کرت و افلاس باقی نہ رہ جائے زمانہ حاضر کی اشترائیت جو دنیا کو اپنے معاشی نظام کی خوبیوں پر فریفہ کرنا چاہتی ہے وہ قانون ملکیت و حقوق ماکانہ کو ختم کر دینا، مدارج معیشت کو برابر اور معاشی سطح کو ہمارا بنادیا نیا کے ہمہ گیر مرض افلاس کا واحد علاج قرار دیتی ہے۔

وہ اصول معیشت

جو مناسب حال انسان ہو سکتا ہے

اس سے انکا نہیں کیا جاسکتا کہ وہی اصول معیشت مناسب حال انسان ہو سکتا ہے جو موافق فطرت ہو لہذا قابل عمل وہی نظام ہو سکتا ہے جو مساوات یا عدم مساوات مساوات صرف ایک رخ

کو سامنے رکھ کر دوسرا کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے، یہ درست ہیکہ انسان کی ذاتی قدر و قیمت مساوی ہے، اور وہ بنابر فطرت مساوی حقدار ہے لیکن اسی کے سامنے افراد انسان کی استعداد عمل و صلاحیت کارمین فطری اختلاف و تفاوت پایا جاتا ہے، یعنی عملی قوتیں تمام انسانوں کی خلق طور پر یکساں نہیں ہو اکرتیں، یہ قدرتی تفریق تہذیب و تمدن کی رنگارنگی اور گوناگون ترقی کا راز اپنے اندر مضمرا رکھتی ہے تمدن و تہذیب کے کمال ارتقاء کیلئے مختلف اعمال و افعال کی حسب استعداد فطری ضرورت ہے، قوتیں اور صلاحیتوں کے تفاوت میں انسان کا حال حیوانوں سے مختلف ہے، حیوانوں کے اعمال و عملی قوتیں میں یک رنگی پائی جاتی ہے، عالم حیوانیت میں ہر نوع کے تمام افراد طبعی رجحانات اور عملی قوتیں کے اعتبار سے اختلاف نہیں رکھتے، جو کام اور جس طرح کا عمل ایک فرد سے واقع ہوتا ہے بعینہ ویسا ہی دوسرا افراد بھی کرتے ہیں مگر نو ع انسان کی فطرت صلاحیت عمل اور طبعی رجحانات کی تفریق اور اس کے آثار و نتائج کے تنویر پر قائم کی گئی ہے جبکہ ہر فرد کی قوت عمل و صلاحیت کا راور رجحان طبع میں دوسرا سے یک رنگی نہیں ہوتی۔ تو ان اوصاف کے ثمرات بھی لامحال یکساں نہ ہو گے، افراد انسانی کی سعی عمل کے فطری تفاوت کی طرف ارشاد ربانی میں اشارہ ہے:

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ (۲) بَلْ شَكَّ تَهَارِيٰ كُوشِيش طَرَحَ كَيْ ہِيْنَ۔“ (۲:۹۲)
اور اختلاف رجحانات طبع و تفاوت قوائے عمل کے ثمرات و نتائج کے مختلف ہونے کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے:-

كُلُّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ (۱: ۸۲) ہر شخص اپنے طریق پر عمل کرتا ہے
ان اختلافات کی وجہ سے درجات معیشت میں بھی تفاوت پیدا ہو جانا فطری امر ہے
جسکا بیان اس آیہ مبارکہ میں ہے۔

نَحْنُ فَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ

بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً سُخْرِيًّا (۳۲: ۳۳)

ہم نے ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی ان کے درمیان تقسیم کی ہے اور ایک کے درجہ دوسرے پر بلند کئے ہیں تاکہ ایک دوسرے کی خدمت میں لگائے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فطرت کے اس مصلحت خیز خلاف کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی: اذ خالف بحکمته بین همهمہم و اراداتہم و سائر حالاتہم و جعل ذلک قواماً لمعائش الخلق۔ (بخار الانوار: ج ۹۰، ص ۲۸)

لیستین بعضهم بعض فی ابواب المعاش بها صلاح احوالهم.

خدانے ان کے ارادوں ہمتوں فکروں اور تمام حالات میں اختلاف قرار دیا ہے اور اس بات کو خلق کے معاشی ذرائع کا دار و مدار قرار دیا ہے، تاکہ ہر شخص دوسرے سے معاشی ضروریات اور سائل میں مدد لے جو کوئی صلاح حال کا ذریعہ ہیں۔

تفہیم علی بن ابراہیم فی میں منقولہ بالا آیہ مبارکہ کے متعلق منقول ہے،

وَهَذَا مِنْ أَعْظَمِ دَلَالَةِ اللَّهِ عَلَى التَّوْحِيدِ لَا نَهُوكَفَ عَيْنَ مَلَكِهِمْ كَهیتہم و اراداتہم و اهوائہم لیستین بعضهم علی بعض لان احمدہم بنفسہ لنفسہ ولو احتاج کل انسان ان یکون بناء لنفسه و خیاطا لنفسه و حجا مالنفسه و جميع الصناعات التي يحتاج اليها لاما قام العام طرفة عین و لکھ عزو جل خالق بین همهمہم و ذلک اعظم دلالة على التوحيد (تفہیم برہان)

یہ بیان خدا کی وحدتیت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ ہوں نے انسانوں کے ملکات و قوی پر بھی اسی طرح اختلاف پیدا کیا ہے جس طرح ان کی صورتیں، ارادے اور خواہشیں مختلف قرار دی ہیں تاکہ ایک دوسرے سے مدد حاصل کر سکے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی شخص بھی اپنے ضروریات کا خود فیل نہیں ہو سکتا، اگر ہر آدمی اس کا محتاج ہوتا کہ خود اپنا گھر بنانے والا اور کپڑے

سینے والا اور جامت کرنے والا اور اسی طرح وہ تمام صنعتیں خود کرے جن کی اس کو زندگی دنیا میں حاجت ہوتی ہے تو عالم چشم زدن میں بھی قائم نہ رہ سکے گا، لیکن خداوند عالم نے بندوں کے افکار و خیالات الگ الگ بنائے ہیں، اور یہ تو حیدر کی بہت بڑی دلیل ہے۔

ان آیات اور انکی تفسیروں کا حاصل چند امور ہیں:

(اول) تہذیب و تمدن کی ترقی کے لئے اصول تقسیم عمل لازم ہے خداداد استعداد اور قوتوں کے مناسب ضروری کاموں کا ذمہ مختلف اشخاص کو ہونا چاہئے اس کے بغیر دنیا کا نظام چل نہیں سکتا۔

(دوم) اسی ضرورت کے ماتحت قانون قدرت نے انسانی فطرت میں رنگارنگی اور تنوع پیدا کیا ہے قوی علم و عمل میں تقاضہ قرار دیا ہے، طبیعتوں کے رجحانات افکار و خیالات میں اختلاف رکھا ہے۔ ہمتوں، حوصلوں، قوتوں اور صلاحیتوں میں فطری تفریق قائم کی ہے۔

(سوم) مذکورہ بالا اختلافات کے ثمرات و متأجح بھی میدان عمل میں لا محلاً مختلف ہو گئے، اور اسی طرح مارچ معیشت کا تقاضہ ایک قدرتی ناگزیر امر ہے جو مصلحت نظم عالم کے ماتحت خود خالق کائنات کی مشیت کا تقاضا ہے، ان امور کو پیش نظر رکھنے والے اس بات سے انکار کرنے میں حق بجانب نہیں ہو سکتے کہ عالم انسانیت کی خیر و بہبود کیلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ حاجات معیشت کے تقاضہ کوفطرت ہی کے حدود تک محدود رکھنے کی کوشش کی جائے اس کو بالکل ختم کر دینے کی ہر کوشش دراصل سعی تبدیل فطرت انسان کی مراد ف ہو گی جب تک انسان کی فطرت نہ بدل دی جائے اور اس کے اوصاف و حالات کو لحاظ فطرت برابر نہ کر دیا جائے، سطح معیشت انسانی کو ہموار و یکساں بنانے کی ہر تدبیر و خواہش فطرت سے بغاوت اور قدرت سے جنگ قرار پائیگی کیونکہ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو بلند حوصلہ و بہت عالی اور بہترین قوت عمل واستعداد رکھنے والوں کو انکی فطرت کے مطابق سمعی و محنٹ کی اجازت ہی نہ دی

جائے، یا ان کے لئے ثرات محنٹ سے مناسب فائدہ اٹھانا منوع قرار دیا جائے، اور انکی محنٹوں کے متأجح و ثرات ان سے زبردستی چھین لئے جائیں، ظاہر ہیکہ یہ دونوں صورتیں خلاف منشاء فطرت اور نوع انسانی پر ظلم صریح ہو گئی، یہ ہو سکتا ہے کہ تمام انسانوں کو بڑی بڑی کار گاہوں اور عالی شان عمارتوں کو رکھا جائے اور حکومت کے مصارف سے ان کو یکساں پر تکلف کھانے کھلانے اور دیدہ زیب لباس پہنانے جائیں، ان کے لئے حکومت کی جانب سے وظائف یومیہ مقرر کئے جائیں، غرض ان کی دنیوی معيشت کی سطح کو ہموار بنانے اور معاش طبقہ دار کو دنیا سے مٹانے کی ہر امکان تدبیر کر لی جائے، مگر اس سے حیات انسانی کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، انسان کے فطری تو عمل کے ابھارنے میں یہ تدبیر کارگر نہ ہو گی۔ مگر افراد کی زندگی کچھ نہ کچھ عیش و آرام کی زندگی تو ضرور ہو گی مگر ان میں پر جوش حرکت عمل پیدا کرنے والی کوئی چیز نہ ہو گی، زندگی کی امتیازیں مخوب ہوں گی، قدرتی ی صلاحیتیں اور استعداد و جمود و خمود کے عالم میں پیش ہو گی،

علاوہ اسکے اخلاقی کمالات ارادی عمل کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں اخلاق کی تربیت اور کردار کی اعلیٰ معیار کا ظہور خاص مجبور یوں کی صورت میں ناممکن ہے، جب دولت کمانے اور خرچ کرنے دونوں باتوں میں مناسب آزادی حاصل نہ ہو تو اخلاقی زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس طرح کی زندگی غلامی کی زندگی سے زیادہ مختلف نہ ہو گی، مہربان آقا اپنے غلاموں کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتا اور بہتر سے بہتر لباس پہنتا ہے مگر وہ اپنی کمالی اور اس کے خرچ پر خود مختار نہیں ہوتے، پھر کیا دنیا کے بعض نظامات حاضرہ غلامی کے اسی وصف خصوصی کی طرف دعوت نہیں دیتے؟

جس زندگی میں عمل کا جوش محنٹ کی امنگ، کسب کمال کا عزم صیمیم، ذہنی و جسمانی

وقتوں کے سرمایہ کو فعالیت میں لانے کی بہت بلند موجود نہ ہو وہ حیات انسانی نہیں جہاں سامان معيشت کی فراوانی آزاد کے تعیش کے اسباب کی افراط ہو مگر کسی ہنر میں فطری جوہر دکھانے کیلئے مناسب میدان عمل نہ ہو، اور نہ وہاں کے سامان و اسباب پر حقوق ماکانہ حاصل ہوں۔ وہ جگہ جنت آدم تو ہو سکتی ہے ہماری دنیا بہر صورت نہیں ہو سکتی۔ حاصل کلام یہ کہ اشتراکیت و سرمایہ داری دونوں مخالف فطرت بشری ہونے میں برابر ہیں۔

اسلام کا عام اصول۔ اسان کی قدر و قیمت اس کا حسن عمل ہے

مسلک اعتماد وہی ہے جس پر اسلام چلانا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر انسان کی قدر و قیمت ذاتی اعتبار سے برابر ہے، مگر باعتبار مساوات تقاؤت درجات سے بدل جاتی ہے اس کا عام اصول یہ ہے کہ: قیمة كل امرء ما يحسنہ، انسان کی قیمت کا راز اس کے حسن عمل پر مضمرا ہے۔

نیز بنا بر اصول اسلام حق معيشت عطا یہ خدا ہے جو اس کے بندوں میں برابر تقسیم ہوتا ہے اور ”مدارج معيشت“ میں انسان کی سعی و محنت کو بھی دخل ہے۔ ان اصول کے ماتحت ایک طرف تو دنیا کی پیداوار کو مباح الاصح قرار دے کر تمام انسانوں کے حقوق اتفاق مساوی قرار دئے ہیں اور دنیا کے وسیع میدان عمل میں بقدر بہت و حوصلہ و دُرُّ دھوپ کا عام حق تسلیم کیا ہے اس باب میں افراد و جماعتوں کی ترجیح نہیں رکھی ہے۔ اور نہ کوئی امتیازی حق قرار دیا ہے جو دوسروں کو مرحمت ہوا ہے۔

سرمایہ کی تقسیم بالسویہ کا اصول اسلام کا بنیادی اصول ہے جس سے انحراف بدون

ضرورت جنم ہے مگر اسی کے ساتھ ہر آدمی کو اسکی محنت کے نتائج و ثمرات میں حق ملکیت بھی عطا کرتا ہے، اور اس شخصی حق ملکیت میں دیگر مستحق افراد کے حقوق بھی قائم کرنا ہے۔
وَفِي أموالهِمْ حُقْقٌ لِّلْسَّائِلِ وَالْمُحْرُومِ، (سورہ ذرایات)۔

وہ جہاں ذاتی قابلیتوں کے بل بوتے پر تحصیل معاش میں دُرُّ دھوپ کر کے کامیابی اور نا کامیابی کا تجربہ کرنے کی راہوں کو مسدود نہیں کرتا اور طلب معيشت میں مناسب و معتدل مسابقت کا سد باب روانہ ہیں رکھتا وہاں ہر فرد انسان کو اس کی یہ ہدایت بھی ہے کہ کامل زندگی تہائی کی زندگی نہیں ہے، بلکہ فطری طور پر حیات اجتماعی و تمدنی قرار دی گئی ہے، اور اس کی خیر و بہبود فلاح عام سے وابستہ ہے۔ خیر حقیقی یہ ہے کہ اپنے فائدے کو دوسروں کے مفاد سے الگ نہ قرار دیا جائے، اور یہ مسابقت اور دُرُّ دھوپ ایسے طریقے پر ہونا چاہئے کہ اس سے دوسروں کا حق تلف نہ ہو، بلکہ ان کو فائدہ پہنچے ہر شخص کے لئے ہر قسم کی جائز ترقی کے یکساں موقع حاصل ہو اور ہر آدمی اپنے محنت و ثمرات کا مالک و متصرف ہے۔ ایسا کوئی طبقہ نہیں پیدا ہو جائے جو دوسروں کی محنت کے پھل کھائے جبکہ وہ عمومی ضروریات زندگی کیلئے بھی محتاج ہوں۔

نظام اسلامی کے اساسی نظریات

نظام اسلامی مندرجہ ذیل اصول پر قائم ہے:

۱) اصنعوا المعروف الی کل احد فان کان اهلہ و الا فانت اهلہ.
ہر آدمی کے ساتھ ایک اچھا سلوک کرو اگر وہ اسکا مستحق ہو تو خیر و نہم اسکے مستحق ہو
(کہ نیکی کرو) (الکافی: ج ۲، ص ۶۵)

۲) خیار کم سمحاء کم و شرار کم بخلاء کم: تم میں بھلے وہ لوگ ہیں جو سخی ہیں اور بربے وہ ہیں جو بخیل ہیں۔ (تحف العقول: ص ۷۴)

۳) ما یعبد اللہ بمثیل نقل الاقدام الی برا الاخوان۔
اللہ کی عبادت میں بھائیوں کیسا تھا حسن سلوک میں قدم اٹھانے کی ایسی کوئی عبادت
اور نہیں۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۲۲۲)

۴) المؤمنون فی تبارهم و تراحمهم و تعاطفهم کمثل الجسد اذا
اشتکی تداعی لہ سائرہ بالسهر والحمی۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۲۲۳)
مؤمنین باہمی حسن سلوک اور مہربانی کے برناویں میں مثل بدن کے ہیں کہ جب ایک عضو بدن کو
کوئی بیماری عارض ہوتی ہے۔ تمام اعضاء کو اسکی تکلیف سے نیند نہیں آتی۔

۵) ان الله في عون العبد ما دام العبد في عون أخيه.
خدابندے کامدگار ہوتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کامدگار ہوتا ہے۔

(مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۲۳۰)

۶) راس العقلب بعد الايمان التودد الى الناس و صطناع الخير الى
كل بر و فاجر.

اصل عقل بعد دیداری کے لوگوں کی دوستی و محبت حاصل کرنا ہے اور ہر آدمی کے
ساتھ نیکی کرنا ہے خواہ وہ تیکوکار ہو یا بدکار۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۲۹۶)

اسلام کسی انسان کو
ایسی اقتصادی مسابقت کی اجازت نہیں دیتا
جود رسول کیلئے باعث ضرر ہو

فطری صلاحتوں اور قوتوں کی کمی کی وجہ سے معاشی دوڑ و دھوپ اور اقتصادی
مسابقات میں پچھے رہ جانا اور بات ہے، اور کسی انسان کا دوسرا سے انسانوں کی غیر معقول اور

غیر منصفانہ مسابقت کی وجہ سے درمانہ و ضرر رسیدہ ہو جانا دوسرا امر ہے اسلام دوسری
صورت کو گواہ نہیں کرتا، کسی انسان کو ایسے طریقوں سے کسب معاش کی اجازت نہیں جس میں
دوسروں کا ضرر ہو۔

رہ گئی پہلی صورت جس کا تعلق کارخانہ تکوین و تقدیر ہے تو اس کے متعلق اسلام کی
تعلیمات غیر معمولی ہمدردی انسان پر ہی ہے اور وہ فطری صلاحیت کی کمی یا قدرتی موانع کی وجہ
سے معاشی دوڑ و دھوپ میں ناکام رہ جانے والوں کو ان کی جانب بیچارگی و درماندگی میں نہیں
چھوڑتا۔ بلکہ حکومت اسلامی ان کے تکلف کا بارا پنے ذمہ لیتی ہے نیز کامیاب افراد کو اپنے مکتبہ
سامان معيشت میں انھیں باعزت شریک قرار دینے پر معمور کرتی ہے۔

جناب امیر علیہ السلام نے مالک اشتر و ای مصروف کو اپنے ایک طویل فرمان میں
ہدایت فرمائی:

ثم الله الله في طبقة السفلی من الذين لا حيلة لهم والمساكين
والمحتججين و اهل البوسی والزمنی، فان هذه الطبقة قانعا و معترا، واحفظ
لله ما استحفظك من حقه فيهم، واجعل بيت مالك و قسمما من غلات
صوافی الاسلام فی كل بلد، فان للاقصی منهم مثل الذی للادنی، و کل لک
استرعیت حقه، فلا يشغلنك عنهم بطر..... فاعذر الى الله تعالى في
تادیة حقه اليه، و تعهد اهل الیتم و ذوى الرقه في السن ممن لا حيلة و لا
ینصب للمسئلة نفسه و ذلك على الولاة ثقيل والحق کل ثقيل و قد يخففه
الله على اقوام طلبوالعقابه فصبروا على انفسهم. (نحو البالاغہ: ج ۵۳: ۵۳)

پھر خدا سے ڈروں ادی طبقے کے بارے میں جو بے چارہ غریبوں، مسکینوں میتاجوں

اور آفت رسیدہ لوگوں پر مشتمل ہے کیونکہ اس طبقے میں تقاضت پیشہ فقیر اور مانگنے والے محتاج (دونوں ہی طرح کے) لوگ ہیں، اور اس کے بارے میں خدا کا وہ حق محفوظ رکھو جس کی نگہداشت کا اس نے تم کو حکم دیا ہے اور اس کیلئے بیت المال اور نوع اسلام کی ان زمینوں کی غلات میں سے جو غیمت میں حاصل ہوئی ہیں ہر شہر کا ایک حصہ معین کرو کیونکہ ان میں سے دور کے مقامات میں بننے والوں کا بھی ویسا ہی حق ہے جیسا قریب رہنے والوں کا ہے اور تم ہر ایک کے حق کے گراں بنائے گئے ہو۔ پس تمہیں (دولت و حکومت کا) گھمنڈان سے غافلانہ کرنے پائے، اور تم ہر ایک کا حق اس تک پہنچا کر خدا کے سامنے (پیش کرنے) کیلئے عذر مہیا کرلو۔ ان تیہوں اور بوڑھوں کی خبر گیری کرو۔ جو نہ خود اپنی مجبوری کا کوئی چارہ کار کھتے ہیں، اور نہ سائل بکر دوسروں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، یہ بات عام طور سے حاکموں پر گراں ہوتی ہے، اور اللہ عاقبت کا اندریشہ رکھنے والوں کو آسان بنادیتا ہے۔

فقراء اور افلاس مٹانا اسلام کا عظیم ترین مقصد ہے

اسلام کا نظام معاشی اگرچہ مارج معيشت میں تقاضت جائز رکھا ہے کیونکہ وہ فطرت کا تقاضہ ہے اور اس سے اختلاف فطرت سے بغاوت ہے۔ مگر اس نے اسکا مکمل بندوبست کر دیا ہیکہ نظام اسلامی کے تحت کوئی انسان تنگدست اور ضروریات زندگی کیلئے محتاج نہ رہے، دنیا سے فقر و فاقہ غربت و افلاس کو مٹانا اور خوشحالی و فارغ البالی کو عام کرنا اسکا عظیم ترین مقصد اور نصب العین ہے۔

حاجتمندوں کی قسمیں اور انکی امداد کا مکمل بندوبست

ان الله لا يترك شيئاً من صنوف الاموال الا وقد قسمه و اعطى
كل ذي حق حقه الخاصة والعامة والفقراء والمساكين وكل ضرب من
صنوف. (تهذیب الاحکام: ج ۲، ص ۱۳۹)

حدیث میں ہے: خدا نے کسی قسم کے مال کو قسمیں کے بغیر نہیں چھوڑا ہے خواص و عام
فقراء و مساكین اور ہر طبقے کے لوگوں میں سے جو کا جو حق تھا وہ اسے عطا کر دیا، ایک دوسری
حدیث میں ہے:

لأن فقراء الناس جعل ارذاقهم في اموال الناس على ثمانية و لم يبق
منهم أحد و جعل لفقراء قرابات النبي نصف الخمس فاغناهم به عن صدقات
الناس فلم يبق فقير من فقراء الناس و لم يبق فقير من فقراء قرابات النبي إلا
و قد استغنى ولا فقير . (خ) (تهذیب الاحکام: ج ۲، ص ۱۳۱)

عام حاجتمندوں کی آٹھ قسمیں قرار دیں اور لوگوں سے (بذرکوہ) حاصل شدہ
مالوں میں ان کے رزق مقرر کئے ان حاجتمندوں میں کوئی باقی نہ رہا جس کا حصہ معین نہ کر دیا ہو اور
جناب رسالت مبارکہ کے قرابداروں کیلئے مال خمس کا آدھا حصہ قرار دیا ہے، اور اس طریقے سے
ان کو عوام انسان کے صدقات سے بے نیاز کر دیا ہے، لہذا نہ عام فقیروں میں سے کوئی ایسا فقیر
رہ جائے اور نہ قرابدار ان رسول میں سے کوئی محتاج ایسا باقی رہا جس کو مستغنى نہ کر دیا ہو۔

معلوم ہوا کہ اگر نظام اسلامی پر دنیا میں صحیح عمل درآمد ہو تو فقراء اور افلاس کی کلفتیں باقی
نہیں رہ سکتیں، اور درجات کا یقاب نفرت تقاضاً تھا میں رہ سکتا کہ ایک محدود طبقے کے خلاف

انسانیت ہوں پرستی اور حریصانہ دولت طلبی کی بدولت عام بندگان خدا ننگے بھوکے بے خاندان و بے سروسامان ہیں۔

فطری طور پر ضرورت اس بات کی نہیں ہے کہ درجات معیشت کو برابر کر کے سب کو امیر، یا غریب بنا دیا جائے، بلکہ ضروری کام یہ ہیکہ تمام بندگان خدا کو غذا اور لباس و مسکن حسب ضرورت نصیب ہو، فکر معاش میں کسی کی زندگی و بال نہ ہو، ہر فرد انسان کو ضروریات زندگی با فراغت میسر آئیں، نظام اسلامی اس بات کا کفیل اور ذمہ دار ہے، اس کے ماتحت عالم انسانیت معاشی کشمکش سے نجات پا سکتا ہے، نظام اسلامی کا گہرا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ تقسیم دولت اس کا نہایت ضروری اور عظیم الشان مقصد ہے جسے وہ فطری اصول کے ذریعہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے نہ کہ غیر فطری طریقوں سے اور زمانہ حاضرہ کے نظام اشتراکیت کے مقابلے میں یہ اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔

سرماہی داری واشتراکیت کا

اسلام سے موازنہ

نظام سرماہی داری جس کے زمانہ حاضرہ میں "جمهوریت" کی پرفیب اصطلاح قرار دی گئی ہے انسان کی خود غرضی، ہوا پرستی حرص آزاد رطوب کی غیر محدود جوانگاہ اور بے پایاں میدان عمل ہے سرماہی دارانہ ذہنیت صرف زمین اور اصل سرماہی کی قیمت قرار دیتی ہے، انسان کی محنت عمل کی اس کی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں، اس دنیا میں شخصی خیر اور ذمہ داری منفعت کو عام اجتماعی بہبود سے متوافق بنانے کی پروانیں کی جاتی ہے، ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے اور ہر شے کا ایک انجام ہوا کرتا ہے سرماہی داروں کی چیزہ دستی خواہش قہر و غلبہ اور انسانی ہمدردی سے بے گانگی حقوق عوام سے بے پرواںی کا رد عمل شروع ہوا، عوام کے سینے آتشکدہ جذبات انتقام

بن گئے نظام اشتراکیت مرتب ہوا، اور نظام سرماہی داری سے اسکی جنگ کا آغاز کر دیا ہو گیا، اور آج ہماری دنیا پر اس جنگ کے ہولناک خطرات چھائے ہوئے ہیں۔

اس نظام جدید یعنی اشتراکیت کا غیر جانب مطالعہ کرنے والے اس کا اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ اس کی بنیاد نواع انسانی کی خیر طبی سے زیادہ سر اسر غیر متعال جذبہ انتقام پر قائم کی گئی ہے، اس نے اس شعلہ فشاں جذبہ کے ماتحت، زمین، اور اصل سرماہی کو بحیثیت عامل پیدا کیا اس میں معیشت درجہ اعتبار سے بالکل ساقط کر دیا، صرف محنت اشیاء کی قدر و قیمت کی بنیاد پر قرار دی گئی، اسکی نظر میں قدر و قیمت فقط محنت ہی سے پیدا ہوتی ہے اس نظریہ پر بھی بے اعتدالی کا سایہ پڑا، یعنی محنت بھی اصول اشتراکیت کی نظر میں ناگزیر زندگی ہی کا ایک ہلاکا ساحق پیدا کرتی ہے جس کو حق ملکیت نہیں کہہ سکتے، جذبہ انتقام کی افراط شعلہ فشاں نے صرف سرماہی داری کے خلاف جنگ کا آغاز نہیں کیا۔ بلکہ شخصی ملکیت کے حق کا استیصال کر کے وہ فطرت کے خلاف بھی بر سر پیکار ہے اگر اشتعال جذبہ انتقام نے عقل کو فکر صحیح سے عاجز نہ کر دیا تو یہ بات چھپی نہ رہ جاتی۔ کسی بیمار اضwo کے بہتر تدبیر علاج یہ نہیں ہیکہ اسکو کاٹ دیا جائے بلکہ مناسب فطرت علاج یہ ہیکہ اسکو برقرار رکھتے ہوئے صحت مند بنایا جائے، دراصل انفرادی و شخصی حقوق ملکیت باعث فساد نظام معیشت نہیں بلکہ انکی لا انتہائی فراوانی، طغیانی، اور اعتدال و توازن کا فقدان تمام مفاد کا اصل سبب ہے حقوق ملکیت کا استیصال کرنا انسان کے انکار و ہم اور قوائے عمل کو دعوت جمود و تعطل دیتا ہے اور فطرت کے خلاف جنگ مول لینا ہے، (معلوم ہوا ہیکہ حق تصنیف میں ملکیت بلکہ وراثت کو اب تسلیم کر لیا گیا ہے ممکن ہیکہ مستقبل اور ترقی کرے۔

ضرورت اس بات کی ہیکہ حقوق ملکیت شخصی و انفرادی و منفعت عمومی و اجتماعی میں اعتدال و توازن برقرار رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ اسی صورت سے صلاح خاص و عام ممکن ہے

مگر اس قسم کا عادلانہ نظام قائم کرنا بات حرص و ہوا کے پرستار اور جذبہ انتقام کے طوفانی جہازوں میں سوار انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔

اسلام، الہی نظام ہے وہ سرمایہ دارانہ مفاسد اور اشتراکیت کے مخالف فطری رجحانات، دونوں کا سد باب کرتا ہے، گھری نظر سے اسکا مشاہدہ کرنے والے یہ محسوس کر لیں گے کہ وہ نظمات عالم کی کی خوبیوں کا حامل اور انکی جملہ فساد انگیز ہے اعتدالیوں سے پاک ہے، وہ جہاں شخصی ملکیت کا حق دیتا ہے وہاں اس سے پیدا ہونے والی فساد کی راہ بھی بند کرتا ہے اور جہاں اشتراکی مساوات کا نظریہ قائم کرتا ہے وہاں اس کا بندوبست بھی کرتا ہے کہ فطرت سے بغاوت اور قدرت سے بگٹ لازم نہ آئے قرآن مجید، احادیث، اور فرقہ اسلام کی کتابیں موجود ہیں، ان سے اس نظام کی جامعیت و اعتدال پسندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اس مختصر مضمون میں عام وسائل معيشت کے متعلق صرف چند عام اصول کا تذکرہ ممکن ہے۔

قرآن مجید اور معاشیات

اما ما جاءَ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرٍ معاشیِ الْخَلْقِ وَ اسْبَابِهَا فَقَدْ اعْلَمَنَا سُبْحَانَهُ ذَلِكَ مِنْ خَمْسَةِ أَوْجَهِ الْأَمَارَةِ وَ وِجْهِ الْعِمَارَةِ وَ وِجْهِ الْإِجَارَةِ وَ وِجْهِ التِّجَارَةِ وَ وِجْهِ الصَّدَقَاتِ (وسائل الشیعہ ج ۹ ص ۲۹۰)

اگرچہ قرآن مجید میں معاشیات کے موضوع پر تفصیل بحث نہیں ہے، اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ وہ معاشیات کی مستقل کتاب نہیں ہے پھر بھی انسان کیلئے جتنے وسائل معاش ہو سکتے ہیں ان سب کو پانچ قسموں میں جمع کر دیا ہے، اور ہر ایک کی جانب سراحت یا اشارۃ انسان کو توجہ دلائی ہے حضرت امیر المؤمنین کا ارشاد ہے: قرآن مجید میں معاش خلق کے وسائل و اسباب کا تذکرہ جو کچھ آیا ہے اسکا خلاصہ یہ ہیکہ خدا نے ان اسباب و وسائل کے پانچ وجہ قرار دیئے ہیں

(۱) وجہ امارہ (۲) وجہ عمارہ (۳) وجہ اجارہ (۴) وجہ تجارت (۵) وجہ صدقات۔

وجہ امارت و وسیلہ حکومت

وجہ الامارة سے حضرت کا مقصد یہ ہیکہ حکومت و سلطنت کا نظم و نسق اور خدمت ملک و ملت بھی معاش کا ایک ذریعہ ہے اس مطلب کی پوری توضیح تو اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ اسلامی نظریہ حکومت و امارت کو زیر بحث لائیں، جو اس مضمون کے موضوع سے خارج ہے، تاہم صرف دو آیتیں پیش کرتا ہوں جن سے ظاہر ہو جائیگا کہ اسلام دنیا میں کس قسم کی حکومت پسند کرتا ہے، اور کس طرح کی حکومت سے اس کو نفرت ہے۔

طرز حکومت کے متعلق اسلام کا عام نظریہ۔ اسلام کی پسندیدہ حکومت

الَّذِينَ إِنْ مَكَنَّا هُمْ فِي الْأَرْضِ أَقْمُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاءَ وَأَمْرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (الحج: ۷۱)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ ہم انھیں زمین میں طاقت دیدے تو وہ نماز قائم کریں گے:-
زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم دیں گے۔ اور بری باتوں سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اسلام کی نظر میں قابل نفرت حکومت کے اوصاف

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (۲۰۵) وَإِذَا قِيلَ لَهُ أَتَقِ اللهُ أَخْذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسِبَهُ
جَهَنَّمُ وَلِئِنْسَ الْمِهَادُ (البقرہ: ۲۰۶)

اور جب حکم بنتا ہے تو زمین میں اس کی ادھر ادھر دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہیکہ فساد پھیلائے، اور کھنچتی اور نسل انسانی و حیوانی (کوہلاں کرڈا لے اور خدا فساد کو پسند نہیں کرتا، اور جب ان سے کہا جاتا ہیکہ خدا کا خوف کرو تو اسکو عزت (کا جھوٹا فخر و غرور) پکڑ کر گناہ میں لگا دیتا ہے، تو اس کیلئے وزخ ہی کافی ہے اور یقیناً وہ بڑی جگہ ہے۔

اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول تعاون علی البر و التقویٰ

وَلَا يَجُرِّنَّكُمْ شَنَآنٌ قَوْمٌ أَنْ صَدُوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعَذُّدُوا
وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبَرِّ وَالثَّقَوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدُوْانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ (المائدہ: ۲۰)

ایک عام قرآنی اصول جو تمام وسائل معيشت کے اندر جاری و ساری ہے یہ ہے، کسی قوم کی یہ دشمنی کہ ان لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام (میں جانے) سے روکا تمکو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس پر) زیادتی کرنے لگو، ور (تمہارا تو یہ طریقہ ہونا چاہئے) کہ یہی اور پرہیز گاری ہر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ و زیادتی پر ایک دوسرے کی امداد نہ کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو، بیشک خدا (بدی کی) سخت سزا دینے والا ہے۔

وجہ عمارة،

یعنی زمین کی آبادی کے ذریعہ سے معاش حاصل کرنا

وجہ عمارة کے متعلق حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

وَأَمَّا وَجْهُ الْعِمَارَةِ فَقُولُهُ هُوَ انشاكم من الارض واستمر کم فيها
فَاعلمنَا سبحانه قد اصولهم بالعمارة لیکون ذالک سبباً لمعاشهم بما یخرج
من الارض، من الحب والشمرات وما شاكل ذلک مما جعله الله تعالى

معائیش للخد (بخار)

وجہ عمارة، یعنی آبادکاری کے ذریعہ کے بارے میں خدا کا یہ ارشاد ہے۔ ہے و انشاکم من الارض واستمر کم فيها۔ (مودودی: ۲۱)

(اسی خدا) نے تم کو زمین پر پیدا کیا اور تمکو اس میں بسایا۔ خداوند عالم نے اس آیت یہ بتایا ہیکہ انسانوں کو اس کا یہ حکم ہے کہ زمین کو آباد کریں۔ تاکہ زمین سے پیدا ہونے والے غلے اور پھل اور اسی طرح کی دوسری چیزیں خلق کیلئے اسباب معيشت بنیں۔

حاصل کلام امام یہ ہے کہ زمین معاش انسانی کا مخزن ہے۔ خداوند عالم نے کھیق کرنے باغ لگانے اور شریف طریقوں سے معاش حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور کلامِ رباني ”ہو انشاء کم من الارض واستمر کم فيها“ میں نشاء خداوندی کا اظہار اور اسی امرِ رباني کا اعلان ہے۔

زمین اور زراعت

زمین کے متعلق اسلام کے معاشی نظام کا نصب اعین اشتراکی ہے اور وہ مندرجہ ذیل اصول پر قائم کیا گیا ہے۔

اول۔ الارض لله۔ دوم، الخلق عیال الله فاحب الخلق الى الله من

نفع عیال الله۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۳۸۹)

اول۔ زمین خدا کی ہے، دوم۔ خلق عیال خدا کا ہے اور خلق اللہ میں خدا کو سب سے زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جا عیال خدا کو نفع پہنچائے، سوم۔ بندگان خدا کو ضرر پہنچانے سے بڑا کوئی شر نہیں ہے۔

ارشادِ نبوی ہے، سوم، خصلتان لیس فوقهما شر الشرک بالله والاضرار

بعبد الله۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۱ ص ۱۲۵)

دوبڑی باتیں ایسی ہیں جنے بالاتو کوئی اور شرمندیں (۱) شرک باللہ (۲) بندگان خدا کو ضرر پھو نچانا۔

چہارم۔ انسان کی محنت اور اس کا عمل قبل احترام ہے اور اس کو اپنی محنت کے پھل سے صرف انتقام ہی کا مجاز نہ کیا جائے، بلکہ اس پر مالکانہ حیثیت سے ہر طرح کے تصرف کا حق ملنا چاہئے اشتراکیت کی سبب سے بڑی پست نظری یہ ہے کہ دنیا کو انسان کے لئے جنت آدم بنانا چاہتی ہے جہاں اجازت انتقام تو ہو مگر حق ملکیت و تصرف مالکانہ شجرہ منوعہ ہو اس کے بر عکس اسلام انسان کو یہ بتاتا ہے کہ تم آخرت کی طرح دنیا کے بھی مالک ہو دنیا میدان عمل ہے، بقدر حوصلہ حدود مقررہ کے اندر رسمی و محنت کرو گے، تو اسکے ثمرات کے تم مالک ہو گے۔

دوسروں کے ثمرات محنت پر دست درازی کا سد باب کرنے والے اصول

دنیا کے میدان عمل میں دوسروں کی ثمرات محنت پر دست درازی کا سد باب کرنے کیلئے دو اصول بتائے۔

اول۔ وَأَنْ لَيْسَ لِلإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم: ۳۹)
انسان کے لئے بس وہی ہے جس وہ کوشش کرتا ہے۔

دوم۔ مَنْ سَبَقَ إِلَيْهِ مَا لَمْ يَسْبِقَهُ إِلَيْهِ الْمُسْلِمُ فَهُوَ أَحْقَ بِهِ۔

جو آدمی اس چیز کی طرف سبقت کر جائے جس پر اس سے پہلے کوئی مرد مسلم سابق نہ ہوا ہو تو وہ اس چیز کا زیادہ حقدار قرار پائے گا۔ (مستدرک الوسائل: ج ۷، ص ۱۱۲)

زمین کے اقسام اور ان کے احکام پہلی قسم

”موات بالاصالة“

شریعت اسلام میں باعتبار حالات زمین کی کئی قسمیں قرار دیکھ رہا ہے اس کے احکام جدا گانہ بیان کئے گے کتاب مکاسب میں ہے۔
الارض اما موات واما عامرة۔ فکل منهما اما اصيلة او عرض لها
ذلک فالاقسام اربعة لا خامس لها۔

زمین خبر (غیر آباد ہوتی) ہے یا آباد ہے اور یہ دونوں وصف اسکے اصل ہیں یا عارض ہوئے ہیں لہذا زمین کی چار قسمیں ہوتی ہیں پانچویں کوئی قسم نہیں۔
پھر ہر قسم کی تعریف اور اس کا حکم شرعی بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:-

الاول ما كان موات بالاصالة بان تكن مسبوقة بالعمارة و لا اشكال ولا خلاف ما في كونها للامام نعم البيع التصرف فيها بالاحياء بلا عرض.
پہلی قسم وہ زمین ہے جو اصالۃ خبر ہو، اور وہ آباد ہونے کے بعد مردہ نہ ہوتی ہو، اس میں کوئی اشکال ہے نہ اختلاف کہ اس طرح کی زمین امام کی ملکیت ہوگی۔ ہاں اس میں بغیر کسی عرض کے تصرف آباد کاری کے ذریعہ مباح ہے۔
اس کلام سے دو باتیں ظاہر ہوئیں:

۱) موات بالاصالة۔ وہ زمین ہے جو ابتداء سے خبر اور ویران ہو اور کسی کی مملوکہ و مقبوضہ نہ ہو۔

۲) اس طرح کی زمین قانونی طور پر خدا کے حکم سے نمائیدہ حکومت الہیہ یعنی رسول ﷺ اور آپ کے جانشین امام کی ملکیت ہوگی۔ مگر اس کو آباد کرنے اور مزروعہ بنانے

اور اس سے مشغول ہونے کی بغیر کسی معاوضہ کے اجازت عام ہے اور اس پر احادیث نبویہ شاہد ہیں۔

غیر آباد یعنی بجز میں کے معاملہ میں اسلام کا نظریہ اشتراکی موتات الارض لله و رسوله ثم هی لكم منی ایها المسلمون بجز میں دراصل خدا و رسول کی ملکیت ہے۔ پھر اے مسلمانو! وہ تمہارے لئے ہے۔ اسلام کا کمال وسعت نظر۔ ہر قوم کے لئے تصرف ماکانہ کا اذن عام اگرچہ اس حدیث میں خطاب اہل اسلام سے ہے، مگر دوسری حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بجز میں کی آباد کاری اور ملکیت کے متعلق شریعت اسلام کا نظریہ مذہب و ملت کی تفریق سے بالاتر ہے۔ وہ ہر انسان کو بلا تفریق مذہب و ملت اس قسم کی آراضی کو آباد کرنے اور ماکانہ حق انتفاع پیدا کرنے کا اذن عام دیتا ہے۔ وہ احادیث یہ ہیں:

۱) ایما قوم احیوا شیئا من الارض و عمروها فهم احق بھا و هي لهم جس قوم نے کسی زمین کو آباد کیا اور بسا یا تو وہ لوگ اس کے زیادہ حقدار ہوں گے اور وہ (زمین) انھیں کا حق ہوگی۔ (الکافی: ج ۵، ص ۲۶)

۲) من احیي ارضًا مواتاً فھی له۔ (تهذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۵۲) جس نے کسی بجز میں کو آباد کیا تو وہ اس کے ہوگی۔

۳) من غرس شجرا او حفر وادیا بدأ لم يسبقه اليه احد ، و احیي ارضًا میتة فھی له قضاء من الله و رسوله۔ (الکافی: ج ۵، ص ۲۸۰)

جس نے درخت لگایا (زمین) کھو کر پانی کا راستہ بنایا اور اس کام میں اس نے پہل کی۔ اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا، اور مردہ زمین کو زندہ کیا تو بگم خدا و رسول یہ چیزیں اسی

کی ملکیت ہوں گی۔

۲) سائل ابا عبد الله علیہ السلام عن شراء الارضين من اهل الذمة فقال لا بأس بأن يشتري منهم اذا عمروها و احيوها فھی لهم وقد كان رسول الله ﷺ حين ظهر على خير و فيها اليهود خارجهم على امر و ترك الارضين في ايدهم يعملونها و يعمرونها۔ (تهذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۳۸)

میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اہل ذمہ (یہود و نصاری) سے زمین خریدنے کا حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان سے خریدنے میں کوئی مزا تقدیمیں، جب انھوں نے اس کو بسا یا آباد کیا تو وہ ان کی ملک ہو گئی۔ حضرت رسالتہ اب ﷺ نے فتح خیر کے بعد وہاں کی زمین کا معاملہ یہود سے کر لیا تھا اور انکو انھیں کے قبضے میں چھوڑ دیا تھا کہ ان سے روزی کمائیں اور انکو آباد رکھیں۔

معاشیات میں مسلمان و کافر کا فرق نہیں

علامہ محلسیؒ نے شرح حدیث میں فرمایا ہے، تفصیل القول فی ذلك ما ذکرہ الشهید الثانیؒ حیث قال من احیي ارضًا قصد تمکله فی غیۃ الامام یملکه فی ذلك المسلم والکافر لعموم من احیاها۔

تفصیل قول اس بارے میں وہ ہے جس کا ذکر شہید ثانیؒ نے کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ زمانہ غیبت امام میں جس نے کوئی زمین آباد کی اور اسکو اپنی ملکیت میں لینے کا ارادہ کیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اس بارے میں مسلمان اور کافر دونوں برابر ہیں، کیونکہ حدیث میں لفظ، من احیاها، عموم دلالت کرتا ہے۔

ولا یقدح فی ذلك کونها للامام یکون سائر حقوقہ کذا لک فی

ایدی الناس علی جہة الملک۔ (شرح فروع کافی جلد ۳ ص ۳۲۹)
اس زمانہ کا مملوکہ امام ہونا اس بارے میں (یعنی دوسروں کی ملک بننے میں) مانع نہ
ہوگا کیونکہ امام کے سارے حقوق ہی اسی طرح بعنوان ملکیت لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

زمین کی دوسری قسم

الشانی ما کانت عامرة بالاصالة اى لا من عمر والظاهر انه ايضا
للاماں ... وهو ظاهر اطلاق قولهم و كل ارض لم يجر عليها ملك مسلم
 فهو للاماں هل يملك هذه بالحيازة؟ و جهان: من كونه مال الامام و من عدم
منافاته للتملك بالحيازة كما يملك الاموات بالاحياء مع كونه مال الامام
فدخل في عموم النبوى من سبق الى ما لم يسبق اليه مسلم فهو احق به.

(دوسری قسم) وہ زمین ہے جو بالاصالة بغیر کسی کے آباد کئے ہوئے قدرتی طور پر
آباد ہو، ظاہر ہے کہ اس قسم کی زمین بھی امام ہی کی ملکیت ہوگی۔ اس حدیث (ہر وہ زمین جس
پرسی مسلم کی ملکیت نہ جاری ہوئی ہو وہ مملوکہ امام ہوگی) کے اطلاق سے یہی ظاہر ہوتا ہے، اب
رہ گیا یہ امر کہ وہ بغرض نہ گذاشت قبضہ کر لینے سے کسی کی ملکیت بجائی ہے یا نہیں تو اس کے
متعلق دو جہیں ہیں (۱) اسکا مال امام ہونا اور (۲) اس بات کا بعجه، حیازہ، کسی کی ملکیت بن
جانے کیلئے منافی نہ ہونا (یعنی مال امام ہوتے ہوئے وہ زمین اس شخص کی ملکیت میں
آجائے گی۔ جو اس پر تصرف کریگا اور وہ اس حدیث بنوی کے عموم میں داخل ہو جائے گا کہ
جو آدمی کسی ایسی شے کی طرف سابق ہوگا، جس پرسی مسلم نے پہلے سے قبضہ نہ کیا ہو وہ

اسکا زیادہ مستحق ہوگا۔

اس کلام سے بھی دو باتیں ظاہر ہوتیں ہیں:

(۱) عامر بالاصالة، وہ زمین ہے جو قدرتی طور پر آباد اور بغیر کسی آباد کرنے والے کی محنت و سعی
کے پیداوار سے مالا مال ہواں قسم کی زمین بھی نمائندہ حکومت الہیہ امام کی ملکیت ہوگی۔

(۲) اس پر قبضہ کرنے اور اپنی نگرانی و حیازہ میں لے لینے کا اذن عام ہو، ہر شخص حق "حیازہ"
کی بنابر اسکا مالک قرار پاسکتا ہے، اور اس بارے میں زمین کا رسول امام کی ملکیت ہونا منع نہ
ہوگا، جس طرح خبر و افتادہ زمین بنابر حق آباد کاری مال امام ہونے کے باوجود آباد کرنے والے
کی مملوکہ بن جاتی ہے، وہی صورت اس زمین کی بھی ہوگی۔ جو عامر بالاصالة ہے، اور وہ
اس قانون عام کے اندر داخل ہوگی جو اس حدیث بنوی میں مذکور ہے کہ:

من سبق الى ما لم يسبق اليه مسلم فهو احق به۔

زمین کی تیسرا قسم

الثالث: ما عرض له الحيات بعد الموت . هو للمحبي فيصير ملکا

له اما بشروط المذكورة في باب الاحياء . (المکاسب: ج ۲ ص ۷۱)
وہ زمین جو خبر ہنے کے بعد آباد ہوئی ہو اس قسم کی زمین کا حکم یہ ہے:- وہ اس شخص کی ملک ہوگی
جس نے اسے آباد کیا مگر ان شرائط کے ساتھ جو حیاء موات (مردہ زمینوں کی آباد کاری) کے
باب میں مذکور ہے۔

زمین کی چوتھی قسم

الرابع: ما عرض له الموت بعد العمارة . (المکاسب: ج ۲ ص ۷۱)

جو آبادرنے کے بعد بخبر ہوئی ہواں زمین کا حکم یہ ہے:

فان كانت العمارة الاصلية فهـي مال الامام و ان كانت العمارة من
معمر فـي بقائـها عـلـى مـلـك معـمـرـها او خـرـوجـها عـنـهـ و صـيـرـورـتها مـلـكـاـ لـمـنـ
عـمـرـهـا ثـانـياـ خـلـافـ مـعـرـوفـ فـي كـتـابـ اـحـيـاءـ الـأـمـوـاتـ .

اگر اس زمین کی آبادی اصلی ہے وہ مال امام ہوگی، اور اگر کسی دوسرے آباد کرنے والوں کی محتـ
سے آباد کی گئی ہوگی تو زمین کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ پہلے آباد کرنے والے کی ملکیت پر
باقی رہے گی یا اس کی ملکیت سے نکال کر دوسرے آباد کرنے والے کی ملکیت ہو جائے گی۔

ممالک مفتوحة کی آراضی کے متعلق نظریہ اشتراک، ارض خارج کا حکم

ممالک مفتوحة کی آبادی و مزروعہ آراضی کا حکم بھی نظریہ اشتراک و مساوات پر ہے
۔ یعنی وہ تمام اہل اسلام کے مشترک ملکیت ہوگی، اس قسم کی زمین کو اصطلاح فقه اسلامی میں
ارض الخارج کہتے ہیں شرائع اسلام اور اسکی شرح جواہر الكلام میں ہے۔

كيف كان فلا خلاف اجده في ان عامر الارض المفتوحة عنوة و
قهر او قت الفتح لل المسلمين قاطبة بلا خوف ... فلا يملك احد منهم
بالخصوص رقبتها فلا يصح لاحدمتهم بخصوصه منهم فضلاً عن غيرهم
بيعها ولا رهنها ولا هبتها ولا غير ذلك مما يتوقف صحته على
الملك ... فلو ماتت لم يصح احياءها على وجه يترتب عليه الملك
للمحى لأن المالك لها بغير احياء معروف وهو المسلمين قاطبة.

میں نے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا کہ وہ زمینیں عام مسلمانوں کی
ملکیت ہوگی جو طاقت و غلبہ سے فتح کی گئیں اور بوقت فتح آباد تھیں، کوئی خاص مسلمان ان کا
مالک نہ ہوگا (اور وہ کسی کی شخصی ملکیت نہ ہوگی) لہذا مسلمانوں میں سے کسی ایک کیلئے اس کو
فروخت کرنا نیا رہن رکھنا یا ہبہ کرنا اور اس طرح دوسرے تصرفات جس کی صحت ملکیت ہونے
پر موقوف ہے صحیح نہ ہو گے اور اسی قسم کی زمین اگر بخبر ہو جائے تو اسی طریقے پر سے آباد کرنا صحیح
نہ ہوگا، کہ آباد کرنے والے کی ملکیت قرار پائے کیونکہ اس کے مالک تو معلوم ہیں، اور جملہ
اہل اسلام ہیں۔ (شرائع الاسلام: ج ۳۸ ص ۱۸)

ارض خارج کی ملکیت کی خاص نوعیت

یہ بات واضح ہے کہ بلا مفتوحہ کی آبادی و مزروعہ آراضی عام مسلمانوں کی ملکیت
ہوگی، مرفقاہے نے تصریح کی ہیکہ اس ملک کی حیثیت دوسری املاک سے جدا گانہ ہے۔
صاحب مکاسب فرماتے ہیں،
انها غير مملوکة لملأاـکـها عـلـى نـحـوـ سـائـرـ الـأـمـلاـکـ فـهـذـهـ الـمـلـكـیـةـ
نـحـوـ مـسـتـقـلـ مـنـ الـمـلـکـیـةـ قـدـ دـلـ عـلـیـهـ الدـلـیـلـ وـمـعـنـاـهـ صـرـفـ حـاـصـلـ الـمـلـکـ
فـیـ مـصـالـحـ الـمـلـاـکـ . (المکاسب: ج ۲ ص ۱۱)

وہ زمینیں اپنے مالکوں کی ملکیت دوسرے املاک کی طرح نہیں ہوگی بلکہ یہ ملکیت کا
ایک مستقل عنوان جدا گانہ ہوگا جس پر دلیل شاہد ہے۔ کیونکہ اس قسم کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ
املاک کی امدنی مالکوں کی مصلحتوں میں صرف کی جائے (وہ زمین اس معنی سے تمام مسلمانوں

کی ملکیت ہوگی کہ ان کی آمدنی ان لوگوں کی مصالح عام میں صرف کی جائے۔ معلوم ہوا کہ ارض خراج اس معنی سے عامہ مسلمین کی ملکیت ہے کہ اس کی آمدنی زیر گلگانی اسلامیہ تقویت دین و استحکام مملکت اور مصالح عامہ و رفاه عام کے دوسرا کاموں میں خرچ کی جائیگی، اور نظام مصالح عامہ سے جو فضل رقم نجح جائیگی، نمائندہ حکومت الہیہ یعنی امام کا اسمیں کوئی حق نہ ہوگا۔

صاحب مکاسب لکھتے ہیں: لیس لنفسه من ذلک و قلیل ولا کثیر۔ امام کے لئے اس میں کچھ بھی نہ ہو گا نہ کم نہ زیاد۔

آراضی مفتوحہ سابق کاشتکاروں کے قبضے میں رکھی جائیگی، مقدار خراج کی بابت اسلام کا منصافانہ نظریہ

اراضی الخروج یعنی ممالک مفتوحہ کی زمینوں کے متعلق اسلامی نظریہ ہیکہ وہ سابق کاشتکاروں اور آباد کرنے والوں ہی کے ہاتھوں میں چھوڑ دی جائے گی، ایک حدیث میں ہے۔

والارض التي اخذت عنوه بخيل و رجل فهو موقفة متروكة
فی يد من يعمرها ويحييها و يقوم عليها على ما يصالحهم الوالى على
قدر طاقتهم من الحق النصف او الثالث او الشلين على قدر ما يكون لهم
صلاحا ولا يضر بهم. (الكافی: ج ۱، ص ۵۲۱)

وہ زمین جو فوجی طاقت سے حاصل کیجائے گی وہ وقف عام ہے، اور اسکے آباد کرنے

والوں ہی کے قبضے میں چھوڑ دی جائے گی اور حاکم اسلام اُنکی طاقت پر نظر کر کے یا نصف یا ایک ثلث یا دو ثلث غرض خراج کی وہ مقدار طے کریں گے جو ان کاشتکاروں کے لئے مناسب حال ہے، اور اس سے ان کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم اسلامی اراضی مفتوحہ کا بندوبست انہیں لوگوں کے ساتھ کریں جن کے ہاتھوں میں وہ پہلے سے ہو گی، اور اس بندوبست میں اس بات کا لحاظ رکھنا ہو گا۔ کہ خراج ان لوگوں کی طاقت برداشت سے باہر نہ ہونے پائے ایسی مقدار خراج نہ ہو جو ان کے واسطے باعث ضرر بن جائے۔

غیر مسلم کاشتکاروں کے ساتھ رعایت

شریعت اسلام آراضی مفتوحہ کو سابق کاشتکاروں کے ہاتھوں ہی میں رکھے جانے کا حکم نہیں دیتی۔ بلکہ وہ ان کاشتکاروں کیلئے بھی حق تصرف مالکانہ تجویز کرتی ہے۔ یعنی انکو ان زمینوں کی خرید و فروخت کا بھی اختیار دیتی ہے۔ اس طرح آراضی مفتوحہ کے مالک دو ہو جائے ہیں، (۱) مالک اعلیٰ یعنی تمام مسلمین (۲) مالک ادنیٰ یعنی کاشتکار جن کے ہاتھوں میں وہ فتح سے پہلے تھیں اور بعد میں رہیں گی، کسی مسلم کو انھیں انکے حق ملکیت سے محروم کرنا جائز نہیں ہے البتہ ان سے ان زمینوں کو خرید سکتا ہے، مگر جو لوگان وہ لوگ ادا کرتے تھے۔ وہ خریدنے والے کے ذمہ بھی واجب الادا ہو گا۔

سائلت ابا عبد الله عن شراء الارض من ارض الخراج فكرهه قال
انما ارض الخراج للمسلمين فقالوا اليه يشتربها الرجل و عليه خراجها فقال
لا باس الان يستحب من عيب ذلك. (تهذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۲۸)

میں نے جب عبداللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ خراج کی زمین کا خریدنا کیسا ہے؟ تو حضرت نے اس کی کراہت ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ زمین خراج تو جملہ مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے لوگوں نے عرض کی کہ مشتری اس شرط پر خریدے گا کہ اس زمین کس خراج (سابق غیر مسلم کاشتکار کی طرح) اسکے ذمہ بھی واجب الادا ہوگا، تو فرمایا اس صورت سے خریدنے میں مضاائقہ نہیں۔ اگر اس کو خراج کے عیوب سے شرم نہ آتی ہو۔

صاحب مکاسب لکھتے ہیں:

و ظاهره کما تری عدم جواز بیعها حتی بیع الا ثار المملوکة فيها
علی ان تكون جزع من المبيع فيدخل في ملك المشتری نعم یکون
للمشتري على وجه كان للبایع اعني مجرد الاولوية و عدم جواز مزاهمة.

جیسا کہ تم دیکھتے ہو ظاہر حدیث یہ یہ کہ اس زمین کا بیع کرنا جائز نہیں حتی کہ اگر اسمیں کچھ ایسے آثار (مثلا درخت مکان وغیرہ) ہیں جو کسی کی ملکیت ہیں تو ان کے مالک کو ان آثار کے ساتھ اس زمین کے فروخت کا اختیار نہ ہوگا۔ کہ وہ بھی ان کو ساتھ خریدنے والے کی ملکیت بخایے۔ البتہ خریدار کا اس زمین پر وہی حق ہوگا جو بیچنے والے کا تھا۔ یعنی اولیہ (بہ نسبت دوسرے کے ان کو حق اتفاق زیادہ ہونا) اور منفعت حاصل کرنے میں اس کی مزاحمت و ممانعت جائز نہ ہوتا۔ (کتاب مکاسب: ج ۲ ص ۲۲)

**لیگان و مالگزاری زمین کی اجرت ہے
اس کی تعین کاشتکار کی رضامندی پر موقوف ہے**

لیس للخرج قدر معین میل المناط فيه ما تراضی فیه السلطان و
مستعمل الأرض لان الخراج هي اجرة الأرض فينوط برضى الموجر و

خارج یعنی زمین کی لگان کی کوئی معین مقدار نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات سلطان اسلام اور زمین کے عالموں کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے۔ اس لئے کہ خراج زمین کی اجرت ہے اور اجرت کا معاملہ موجرا اور مستاجر (مالک اور کرایہ دار) کی باہمی رضامندی پر موقوف ہوا کرتا ہے۔
یہ حکم ظاہر کرتا ہے کہ شریعت اسلام حکومت اسلامیہ اور اہل خراج یعنی کاشتکاروں کے درمیان تعین خراج کا معاملہ دو برابر کے شریکوں کی طرح طے کرنا چاہتی ہے حکومت خود اپنی طرف سے کوئی مقدار خراج مقرر کر کے انکو ادا کرنے پر مجبور نہیں کرے گی۔ بلکہ اسکا تعین فریقین کی باہمی رضامندی سے ہوگا معمول دنیا یہ رہا کہ حکومتیں خود زمینوں کی حیثیت اور انکی مقدار لگان و مالگزاری شخص متعین کرتی ہے زمینداروں اور کاشتکاروں کی رضامندی اسمیں شرط نہیں ہے۔ انکے معاملات موجرا و مستاجر کی مساوی حیثیت کے اصول پر قائم نہیں ہوتے بلکہ حاکم اور رعایہ کی حیثیت سے طے کئے جاتے ہیں، دنیا میں امت اسلامیہ کی یہ واحد مثال ہے کہ وہ کاشتکاروں کے برابر شریک کی حیثیت دے کر انکے رضامندی کے بغیر شخص مالگزاری و خراج کا معاملہ خود حاکمانہ طریقے پر طے نہیں کرنا چاہتی بلکہ تراضی طریفیں اس معاملہ کی بنیادی شرط قرار دیتی ہے، اس طرز عمل سے ظاہر ہے کہ نظام اسلامی کاشتکاروں کو کتنی اہمیت دیتا ہے، اور اس کی نظر میں اس طبقے کی کتنی عظمت ہے، اسکا طریقہ کار جا گیرانہ نظام سے کتنا مختلف ہے۔

ایک ضروری امر کی توضیح

احادیث منقولہ بالایہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ زمین کے بعض اقسام کا رسول و امام کی ملکیت ہونا اور ریاست کا حق قرار پاناعامتہ الناس کے حق اتفاق میں مزاحم و خلل انداز

نہیں ہوتا، ان زمینوں کی نوعیت شاہی جاگیر اور سلاطین کی زیادتی املاک اور صرف خاص کی جائیدادوں کی نہیں ہوتی، جن میں رعایہ کا کوئی حق نہیں ہوتا، وروہ محض ان کے شاہانہ و امیرانی جاہ و جلال کے برقرار رکھنے کا ذریعہ ہوں اور محض ذاتی عیش و عشرت کا سامان مہیا کرتی ہوں، بلکہ وہ بھی ریاست اسلامیہ ہی کی ملکیت ہوتی ہے اور ان کا تعلق بھی مفاد عامۃ خلائق سے ہوا کرتا ہے، پونکہ شریعت اسلامیہ نے بعض اقسام آراضی کو ملک عامہ مسلمین قرار دیا ہے اور ان کو سلطنت اور رعایہ کے عام مصالح کیلئے مخصوص کر دیا ہے اور مملکتی ضرورتی سے فاضل رقم میں " تقسیم بالسویہ" کا اصول تجویز کیا ہے جس کی رو سے وہ ہر خاص و عام، ہر امیر و غریب پر مساوی تقسیم کی جائے گی، لہذا امیر حکومت اسلامیہ کی قانونی حیثیت ان زمینوں کے بارے میں محض متولی و نگرانی کی قرار دی گئی ہے۔ جس کا کام خراج اصول کرنا اور مصالح عامہ میں خرچ کرنا اور فاضل رقم کو عام مسلمین پر بالسویہ تقسیم کر دینا ہے۔

یہ ظاہر ہیکہ عام ملکی ضرورتوں کے علاوہ رعایا کی کچھ خاص ضرورتیں بھی ہوتی ہے۔ جو والی ریاست و حکومت سے متعلق ہوتی ہے اور ان میں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے اختیار از روئے قانون و سیج رکھے جائیں تاکہ حسب ضرورت و مصلحت مناسب عملدرآمد کر سکے۔ اس واسطے زمین کے بعض اقسام کو والی حکومت یعنی رسول و امام کی خاص ملکیت قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اس پر اور ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی ہے۔

امیر ریاست اسلامی کے مخصوص فرائض اور ذمہ داریاں

تیموں کی پروش بیواؤں کی امداد اور قرضوں کا ادا کرنا، النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم (سورہ احزاب) کی تفسیر میں منقول ہے۔ (تفسیر صافی):

فَلَمَّا جَعَلَ اللَّهُ النَّبِيًّا أَبَا الْمُؤْمِنِينَ الزَّمْهَ مَؤْتَهُمْ وَتَرْبِيَةِ اِيَّاتِهِمْ فَضَدَّ
ذَلِكَ صَدَرَ رَسُولُ اللَّهِ الْمُنَبِّرُ مِنْ تَرْكِ مَالًا فَلُوْرَثَتْهُ وَمِنْ تَرْكِ دِينِهِ أَوْ
ضِيَاعًا فَعَلَى وَالِّيِّ فَالْزَمِّ اللَّهِ يَنِيهِ مَا يَلْزَمُ الْوَالِدَ لِلْوَلَدِ وَكَذَلِكَ الزَّمِّ اِمِيرِ
الْمُؤْمِنِينَ وَالْزَمِّ رَسُولِ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَبَعْدِ الْأَئْمَةِ وَاحِدًا وَاحِدًا.
جب خدا نے رسول ﷺ کو مؤمنین کا باپ قرار دیا تو ان کی کفالت اور ان کے
تیموں کی پروش بھی ان پر لازم کر دی جب ایسا ہوا تو جناب رسالت مبارکہ پر تشریف لے
گئے اور فرمایا جو شخص کوئی مال چھوڑے گا وہ اس کے وارثوں کا ہوگا۔ جو آدمی قرض یا تباہ حال عیال
چھوڑ جائے گا تو وہ میرے ذمہ ہے اور میری طرف (یعنی ادائے قرض اور تباہیت عیال کا میں ذمہ
دار ہوں) تو خدا نے اپنے رسول پر وہ بات فرض کی جو باپ پر بیٹے کے حق میں فرض ہوتی ہے
اسی طرح امیر المؤمنین نے اپنے بعد کے امام پر وہ امر لازم کیا جو رسول خدا آپ پر فرض کر گئے
تھے اور یہی آئمہ میں کیے بعد گیرے جاری رہا۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۲)

کس قسم کے دیوان کا ادا کرنا حاکم شرح کا فرض ہے؟

حضرت امام صادقؑ کا ارشاد ہے: من کان له علی رجل مال اخذہ ولم
ینفقه فی اسراف او فی معصیة فعسر عليه ان یقضیه فعلی من له المال ان
ینظره حتی یرزقه الله فیقضیه واذا كان الامام العادل قائمًا علىه ان یقضی عنہ
دینه لقول رسول اللہ من ترك مالا فلورثته ومن ترك ديننا او ضياعا فعلى و
على الامام ما ضمنه الرسول (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۱۰)

جس شخص کا کسی پر قرض ہو جس کو قرض دار نے فضول خرپی اور خدا کے گناہ میں صرف نہ کیا ہو اور
اس کا ادا کرنا تنگستی کی وجہ سے دشوار ہو جائے تو صاحب مال کو اسے مہلت دینا اور اس وقت

یک انتظار کرنا لازم ہے کہ خدا اس کو وسعت رزق دے۔ اور وہ قرض ادا کر کے اور امام عادل اگر برسر حکومت ہوں تو ان کا فرض ہو گا کہ اس شخص کا قرض ادا کرے کیونکہ جناب رسول خدا کی حدیث ہے، من ترک مالا۔ الخ۔ جو شخص مال پھوٹے کا تو وہ اس کے ورشکا ہو گا اور اگر قرض یا تباہ حال عیال چھوڑ جائے گا تو وہ میرے ذمہ ہے اور امام پروہ ذمہ داری ہو گی جو رسول نے ان پر عائد کی ہیں۔

نیز مردی ہے، الامام يقضى عن المؤمنين الديون امام مونین کے قرضے ادا کریں گے

خود کاشت کرنے کی ہدایت

اسلامی نظام معيشت ہر آدمی کو حکم دیتا ہے کہ مملوک اور مقبوضہ آراضی میں خود کاشت کرے، اور خود باغ لگائے۔ حدیث میں ہمیکہ جناب رسالت مبارکہ زمین کے مالکوں سے فرمایا کرتے تھے ازرع فی ارضک، خود کاشت کرو۔ کان یعمل بیدہ، حضرت اپنے ہاتھ سے کام کا ج کیا کرتے تھے۔

قانون مزارعہ

لیکن خود کاشت نہ کرنے کی صورت میں لگان یا بٹائی پر دوسرے شخص کا معاملہ کر لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور اس کو اصطلاح فقه اسلام میں مزارعہ کہتے ہیں:-
حدیث نبویؐ ہے: لا باس بالزارعۃ بالثلث والربع والخمس واقل و
اکثر مما یخرج اذا کان صاحب الارض لا یأخذ المزارع الا بما اخرجه۔
مزارعہ (بٹائی) کا معاملہ پیداوار کے تیری چوتھے پانچویں حصے یا اس کے کم یا زیادہ پربھی طے کرنے میں مضاائقہ نہیں۔ مگر مالک زمین کو کاشتکار سے اپنی زمین کی پیداوار ہی سے وصول کرنے کا حق ہو گا۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۶۵)

مالک زمین کا مطالبہ صرف اس کی زمین کے پیداوار سے متعلق ہو گا

جناب صدوق ابن بابویہ نے فرمایا: لا باس ان تستاجر الارض بدرهم (و)
بدارهم و تزارع الناس على الثالث والرابع او اقل او اکثر اذا كنت لا تأخذ
الرجل الا بما اخرجه ارضك۔ (تهذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۹۲)

اس میں مضائقہ نہیں کے تم زمین نقدی لگان پر اٹھادو، یا مزارعہ (بٹائی) کا معاملہ
تھائی چوتھائی یا اور اس سے کم و پیش غلے پر کرو، جبکہ تم اس آدمی سے جس سے معاملہ کیا ہے اپنی
زمین کی پیداوار ہی میں سے وصول کرو۔

اسلام کا قانون مزارعہ نظام جا گیرداری نہیں یہ کاشتکاروں کا حامی اور نظام عدل و مساوات ہے

اسلامی، مزارعہ، کو اس قسم کی جابرانہ و ظالمانہ معاملہ پر قیاس نہ کرنا چاہئے جو
ہندوستان یادوسرے ممالک میں عام طور سے زمین داروں کاشتکار کے درمیان ہوتا
ہے بلکہ وہ ایسا معاملہ ہے جس میں جانبین کے حقوق از روئے انصاف معین اور محفوظ ہوتے ہیں
مالک زمین اور کاشتکار دونوں کا اشتراک و مساوات کا درجہ اس معاملہ کی روح سے ہے، اس کے
شرط و احکام جو فقہ اسلام کی کتابوں میں مذکور ہیں میرے اس بیان پر شاہد ہیں، اس مختصر سے
مضمون میں ان کو نقل کرنا مناسب نہ ہو گا، البتہ چند شواہد یہاں پیش کئے جاتے ہیں، جو یہ ثابت
کر دینے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام کا عادلانہ نظام کاشتکاروں کا جتنا حامی و ہمدرد ہے اس کی
مثال عالم کے جا گیرانہ وزمیندارانہ نظمات میں نہیں مل سکتی۔

کسانوں کے حقوق کا تحفظ، وقت وفات شارع اسلام کی وصیت کاشنکاروں پر ظلم نہ ہونے پائے، مقررہ لگان سے زیادہ رقم وصول نہ کی جائے بیگار کی ممانعت

علی الازرق راوی ہیں: سمعت ابا عبد اللہ يقول وصی رسول الله علیہ
عند وفاتہ فقال يا علىٰ لا يظلم الفلاحون بحضوركم ولا يزداد على الارض و
صنعت عليها ولا سخرت على مسلم يعني الاجير. (الکافی: ج ۵، ص ۲۸۲)

میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے سن کہ جناب رسالت نے
حضرت علیؑ کو بوقت وفات وصیت فرمائی کہ اے علیؑ، کسانوں پر تمہارے روپر کوئی ظلم نہ
ہونے پائے اور نہ زین کا مقررہ لگان بڑھایا جائے اور نہ کسی مسلم اجیر سے بیگار کی جائے۔

**حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا فرمان
کاشنکاروں کی حمایت میں بیگار اور
نذرانہ کی ممانعت**

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کان الامیر المؤمنین نكتب
الى عماله لا تسخروا المسلمين و ماسألكم غير الفريضه فقد اعتدى فلا تعطوه
و كان يكتب يوصى بالفالحين خيراً. (وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۶۶)

حضرت امیر المؤمنین اپنے عمال کو یہ فرمان بھیجا کرتے تھے کہ مسلمانوں سے بیگار نہ
لیا جائے (پھر کاشنکاروں سے خطاب فرماتے تھے کہ) جو کچھ واجب الا ولگان کے مسواتم سے
مانگا جائے وہ زیادتی ظلم ہے، تم وہ مانگنے والے کو نہ دینا، اور آپ اپنے فرمانوں میں کاشنکاروں
کے حق میں لکھا کرتے ہیں، کہ عدمہ سلوک کیا جائے۔

اسلام ممکنہ مفتوحہ کے غیر مسلم کاشنکاروں کے ساتھ بھی ان نا انصافیوں کو ناروا سمجھتا
ہے جو دنیا کے جا گیر دارانہ نظامات میں عموماً کی جاتی ہے۔ وہ انکی مرضی کے خلاف بیگار یعنی
بدون معاوضہ خدمت لینا یا کوئی اور مفعت حاصل کرنا منوع قرار دیتا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل
روایت سے ظاہر ہے۔

(۱) ان رسول الله اعطیٰ یہود خیر علی الشطر فکان یبعث
عليهم من يغرض عليهم ويامر لهم ان يبقى لهم ما يأكلون.
جناب رسالت نے اراضی مفتوحہ نصف بیانی پر خبر کے یہودیوں کو دیدی۔
اور آپ کسی کو پیداوار اور حصہ کا تخصینہ کرنے لئے بھیجتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ یہودیوں کے
پاس اتنا باتی رکھیں جو ان کے کھانے کے واسطے کافی ہو۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۱
ص ۱۲۵)

(۲) سألت ابا عبد الله عن سخرة في القرى و ما يوخذ من
العلوج والا كراه في القرى فقال اشتربت عليهم فما اشتربت عليهم من
الدرارهم والسخرة وما سوى ذلك فهو لك وليس لك ان تأخذ منهم
شيئا حتى تشارطهم وان كان كالمستيقن ان كان من نزل تلك القرية
اخذ ذلك منه.
(وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۶۶)

گاؤں میں جو بے گار طریقہ ہے۔ اور غیر معمولی اور کسانوں سے گاؤں میں جو
کچھ (نذرانہ وغیرہ) لیا جاتا ہے، اور اسکی بابت میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے
پوچھا، کہ فرمایا کہ تم ان سے بطور شرط کے طے کر لیا کرو، نقدر ہم (روپیہ) خدمت یا اس

کے علاوہ جو کچھ بھی تم کاشتکار سے طے کر لو گے وہ تمہارا حق ہے اور تمہیں بغیر معاملہ طے کئے ہوئے ان سے کچھ لینا کا حق نہیں، اگرچہ انکو (بنا بر رواج عام کے) اسکا یقین ہی کیوں نہ ہو کہ گاؤں میں جو شخص بھی (زمیندار کی حیثیت سے) آئے گا وہ ان سے وہ چیزیں لیگا۔

خارج کی وصولیابی میں جابرانہ طریقوں کی ممانعت

خارج کی وصولیابی طریقوں کا انسداد کیا ہے، زد و کوب اور جبر و تشدید کے دوسرا طریقے اختیار کرنا منوع قرار دیا ہے۔ مطالبه خراج میں آلات زراعت، ہل، بیل، ضروری لباس سرما و گرماء، سامان خوارک روزمرہ کے ضروریات زندگی کو فروخت یا نیلام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اگر معاشی مجبوریوں کی وجہ سے کاشتکار خراج ادا کرنے سے عاجز رہے ہوں تو ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کا حکم دیا ہے، اس پر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے فرمانوں کے مندرجہ ذیل اقتباس شاہد ہیں۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا فرمان عمال خراج کے نام عام کسانوں کے حق میں لاثانی ہمدردی

(۱) ولا نتيعين للناس في خراج كسوة ستاع صيف ولا دابة
يعتملون عليها ولا عبدا ولا تضربين احدا سوطا لمكان درهم ولا تمسس
مال أحد من الناس مصل ولا معاهد..(نهج البلاغه: خ ۵۱)
اور دیکھنا خراج (لگان) مطالبه میں لوگوں کے سردی و گرمی کے لباس کھانے کی
فربما حدث من الامور ما اذا عولت فيه عليهم من بعد احتملواه طيبة انفسهم
اجماعك لهم والشقة منهم بما عودتهم من عدلك عليهم في رفقك بهم
به فان العمران متتحمل ما حملته و انما يوتى خراب الأرض من اعواز اهلها لا

شراف انفس الولاۃ علی الجميع وسوء ظنهم بالبقاء و قلة انتفاعهم بالعبر .

(نهج البلاغة: خ ۵۳))

معیشت (سامان زندگی) کا دار و مدار خراج واہل خراج ہی پر ہے اور خراج وصول کرنے سے زیادہ تمہاری نگاہ زمین کی آبادی پر ٹوٹی چاہئے اس لئے کے خراج بغیر زمین کی آبادی کے حاصل نہیں ہو سکتا اور جس نے زمین کو آباد رکھے بغیر خراج وصول کرنا چاہا اس نے ملک کو خراب اور بندگان خدا کو تباہ کر دیا اور اس کی حکومت تھوڑے دنوں کے سوارست نہ رہ سکی، پس اگر (کاشنکار) مقدار خراج (لگان) کے بھاری ہونے اور کسی ناگہانی آفت یا نہر سے سیرابی کے بند ہو جانے یا مینہ نہ بر سنبھلے یا زمین کے غرقاب رہنے یا بخوبی سیراب نہ ہو سکنے سے پیداوار کی خرابی کی شکایت کریں تو ان سے اتنی مقدار کم کر دو جتنی میں تم کو امید ہو کہ انکی حالت درست ہو جائے گی، اور اس مقدار کا کم کرنا تم پر گران نہ گزرے کیونکہ وہ ان کے پاس جمع رہے گی۔ اور شہروں کے آباد ہو جانے اور ملک کی حالت سدھرنے کے بعد تمہاری طرف پلٹ آئیں ساتھ ہی اسکے تمکو انکی مدح ثناء بھی حاصل ہو گی اور ان کے درمیان عدل و انصاف جاری کر سکو گے ان کو راحت دیکر جو کچھ ان کے پاس ذخیرہ کر دو گے اسکو (خوشحالی کے وقت میں) انکی فاضل آمدی پر (بوقت ضرورت) بھروسہ کر سکو گے اور اپنی نرمی و انصاف کی عادت دلا کر ان کا اعتناد بھی حاصل کرلو گے، اسکے بعد ناگہانی ضرورتوں میں جب ان پر بھروسہ کرو گے تو وہ بخوبی اس بوجھ کو اٹھائیں گے، کیونکہ ملک کی آبادی و خوشحالی وہ سب بار اٹھا سکتی ہے جو تم اس پر ڈالو گے، اور کسانوں کا محتاج رہنا ہی زمین کی خرابی کا باعث ہوتا ہے، اور زمیندار مغلس اسی

وقت ہوتے ہیں جب حاکموں کے نفس مال و دولت سمنے پر مائل ہو جاتے ہیں، بقاء منصب امارت

کی طرف سے بدگمان ہو جاتے ہیں، اور زمانہ کی عربتوں سے نفع حاصل نہیں کرتے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا فرمان ان غیر مسلم زمینداروں کے نام جنکی زمینوں پر سے اسلامی افواج گذرنے والی تھیں

اما بعد فانی سیرت جنودا ہی مادہ بکم انشاء الله و قد او صیتهم بما
يجب الله عليهم من كف الذى و صرف الشذى و انا ببرع اليكم والى ذمتكم
من معرة الجيش الاجوعة الضطر لا يجد عنها مذهبها الى شيعه فتكلوا منهم
ظلمًا عن ظلمهم و كفوا ايدي سفهائهم عن مصادتهم والتعرض لهم فيما
استثنيناهم منهم وان بين اظهر الجيش فارفعوا الى مظالمكم وما عراكم مما
يغلبكم من امرهم ولا تطقوون دفعه الا بالله وبى، اغيرة بمعونة الله انشاء الله.

اما بعد میں نے فوجوں کو روانہ کیا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے قریب سے گزریں گی، میں نے وہ باتیں سمجھادی ہیں جو خدا کی طرف سے ان پر فرض ہیں یعنی وہ اذیت رسانی شر انگیزی سے باز رہیں اب اگر ان فوجوں سے کوئی ضرر تمہیں پہنچے تو میں تم سے ان کی بابت اپنی برائت چاہتا ہوں، مگر یہ کہ کوئی شخص بھوک سے مضطرب ہو کر بغیر کچھ فقصان پہنچائے سیر ہو سکنے کی کوئی راہ نہ پائے پس جو شخص ان میں سے (بغیر ضرورت) کسی شی کو ہاتھ لگائے تو اس کو ظلم کی سزا دو، مگر ہم نے جو کچھ متنقی کر دیا ہے (یعنی بوقت ضرورت بقدر احتیاج (لے لینا) اسکی بابت اپنی قوم کے بے عقولوں کی مزاحمت اور چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز رکھنا (اور یہ

جان لوکہ گویا) میں لشکر ہی میں موجود ہوں، پس جو مظالم تم پر ہوں اور فوجوں کے طرف سے جو زبردستی تم پر واقع ہو۔ جس کے دفع کرنے پر تم خود قادر نہ ہو سکو تو وہ مجھ تک پہنچاؤ، میں خدا کی مدد سے اسکو دفع کر دوں گا۔ (نجی البالغون: خ ۲۰)

معادن کے اقسام و احکام

جس طرح زمین کی بعض قسمیں اصلاً غیر مملوک قرار دی گئی ہیں۔ اور وہ شخص ان پر آباد کاری کی غرض سے پہلے قبضہ کر لے گا۔ وہ اسکا حقدار بن جائیگا۔ اس طرح کا حکم مورثیات کی بعض اقسام کا بھی ہے اسکی تفصیل معلوم کرنے کیلئے شرائع اسلام کی مندرجہ ذیل عبارت پر لٹکر کرنی چاہئے

معادن ظاہرہ

الطرف الرابع في المعادن فالظاهر منها لا تفتقر إلى اظهار كالملح والنفط والقار لا تملك فلا يختص بها المحجر وفي جواز اقطاع السلطان

المعادن المياه تردد۔ (شرائع اسلام: ج ۳ ص ۲۷۸)

طرف چھارم معادن کے بیان میں: ظاہری معادن یعنی جو نکلنے کے محتاج نہ ہوں (ان تک بغیر کسی محنت و مشقت کے رسائی ہو سکتی ہو) مثلاً نمک اور نفط (مٹی) کا تیل اور قیرے تاکوں) اس قسم کے معادن کا کوئی مالک نہیں ہوتا اور نہ وہ تجیر (کسی چیز سے روک دینے) کی وجہ سے مجر (روکنے والے) کیلئے مخصوص ہوتے ہیں، اور آیا حکومت کیلئے ایسے معادن اور (دریاؤں اور ندیوں) پانی کو کسی کی جاگیر قرار دینا جائز ہے، تو اس بارے میں تردد ہے، جو شخص ایسے معادن اور پانی تک پہنچے گا اسکو بقدر اپنی حاجت کے اس میں سے لینا جائز ہے۔

معادن باطنہ

من سبق الیها فله اخذ حاجته اما المعادن الباطنة هی التي لا تظهر الا بالعمل کمادن الذهب الفضة النحاس فھی تملک بالاصیاء.

معادن باطن سے مراد وہ ہیں جو بغیر عمل و محنت کے ظاہر نہ ہوتے ہوں جیسے سونے چاندی تابنے کی کا نیں اس قسم کے معادن بوجه احیاء (آبادی کرنے کھو دے نکلنے کے) ملک بن جاتے ہیں۔ (شرائع اسلام: ج ۳ ص ۲۹۷)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ معادن کی دو قسمیں ہیں، اور ایک کا حکم جدا گانہ ہے (اول) معادن ظاہرہ۔ یعنی جن تک رسائی آسان سے نفع اٹھانا بغیر کسی محنت و مشقت کے ممکن ہو چوکہ ایسے معادن کی چیز خود بخود باہر آجائے کی وجہ سے بغیر محنت اور عملی جدو جہد کے قابل انتفاع ہوتی ہیں۔ لہذا وہ بندگان خدا کی مشترکہ ملکیت رہیں گی اور ان کا شمار منافع مشترکہ میں ہو گا۔

(دوم) معادن باطنی۔ یعنی وہ معادن جن کے کھدنے میں اور نکلنے میں محنت و مشقت اور عملی جدو جہد درکار ہوتی ہے، وہ محنت و عمل کی بنا پر انفرادی ملکیت بن سکتی ہیں، اور ان کا حکم ان بخوبی میتوں کا ہو گا جن کا ذکر اوپر گذر رہا۔

چند ضروریات زندگی

جن کو اسلام نے اشتراکی سرمایہ قرار دیا ہے

چند اہم ضروریات زندگی کو اسلام نے عامہ خلافت کا اشتراکی سرمایہ قرار دیا ہے۔ اور وہ اس حدیث میں مذکور ہے،: قال رسول الله خمس لا يحل منعهن الماء

والملح والکلاء والنار والعلم . (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۳۵)

پانچ چیزوں کی روک ٹوک جائز نہیں۔ پانی۔ نمک۔ آگ۔ چوپا یوں کا چارہ۔ (سبزہ لگاس وغیرہ) اور علم (جس مذہب میں علم کو مخصوص طبقہ کا حق قرار دیا گیا ہے وہ سردر گریبان ہو کر پیغمبر اسلام کی اس حدیث پر غور کرے) ان کی تفصیل احکام کتب فقہ اسلام سے معلوم کئے جاتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔

تجارت کی اہمیت و ضرورت اور اسکے شرعی احکام

حدیث منقولہ بالا ”وجا التجارة“، کے متعلق جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: اما و وجه التجارة فقوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَابَّتْمُ بِدِينِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاقْتُبُوْهُ وَلِيُكْتُبْ بِيَنْكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ الْخ۔ (البقرہ: ۲۸۲) فعرفہم سبحانہ کیف یشترون المتعاف فی السفر والحضر و کیف یتاجرون۔ کسب معاش کا طریقہ تجارت کی طرف خدا نے اس آیہ مبارکہ میں ہدایت فرمائی ہے، خدا نے اس آیت میں انسانوں کو بتایا ہیکہ سفر و حضر میں کس طرح متعاف تجارت خریدیں اور کیونکر بیع و شراء کے معاملات کریں۔ (وسائل الشیعہ: ج ۷ ص ۱۱)

سورہ بقرہ کی چند آیتوں میں خداوند عالم نے نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ سفر و حضر میں نقد و قرض کے معاملات کس طرح کئے جائیں۔ حضرت امیرؐ نے انہیں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

زمانہ حاضرہ کے مشاہدات نے اب اس حقیقت کو متوجه بحث نہیں رکھا ہے کہ قوم کے معاشی فلاح و بہبود کا راز وسائل معاش میں سب سے زیادہ تجارت میں مضمرا ہے۔ اور

یہی مبارک پیشہ معاشی نظام کی ترقی و برتری کا کفیل اعظم بنتا ہے، جس قوم کو تجارت کی برکات میسر نہیں وہ دوسرے قوموں کی دست نگری اور غلام ضرور ہو گئی، اگر سیاسی نہیں تو کم از کم اقتصادی و معاشی حیثیت سے اسکا غلام بن جانا ناگزیر ہے، اسی بات کی جانب جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے لا تدعوا التجارة فتهونوا اجر و ایار ک اللہ لكم، تجارتی کاروبار نہ چھوڑ و کہ اس سے تم ذیل ہو گے تجارت کرو خدا تھیں برکت دے۔ (تہذیب الاحکام: ج ۷، ص ۳)

نیز اسی وجہ سے ترک تجارت کو حدیث میں بے عقلی سے تعبیر کیا ہے، اور اسکو سبب زوال عقل بتایا ہے:

من ترك التجارة ذهب ثلثا عقله لا تتركها فان تركها مذهبة للعقل اسع على عيالك واياك ام يكونوا هم السعاة عليك. (وسائل الشیعہ: ج ۱۲ ص ۶) جو شخص تجارت کو چھوڑ دیتا ہے اسکی دو تھائی عقل چلی جاتی ہے۔ تجارت ترک نہ کرو، کہ اس سے عقل زائل ہو جاتی ہے اپنے اہل و عیال کی معیشت کے لئے تم دوڑ ڈھوپ کرو، اور ایسا نہ ہونے دو کہ وہ تمہارے لئے محنت و سعی کریں، فقة اسلام میں احکام تجارت کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان کے متعلق بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہو سکے گا کہ فقة اسلام نے تجارت کو ایک مستقل فن کا مرتبہ دیا ہے، اور ساتھ ہی تجارت کو ہدایت کی ہیکہ کاروبار تجارت شروع کرنے سے پہلے اس کے مسائل پر عبور حاصل کر لیں، جناب شیخ مفید۔

ارشاد خداوندی:

لا تأكلوا اموالکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض (ناء: ۲۹)
اور قول الٰہی انفقوا من طیبات ما کسبتم (بقرہ: ۲۶۷) کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے

هـ: فنـدـبـ الـىـ الـاتـفـاقـ مـنـ طـيـبـ الـاـكـتـسـابـ وـ نـهـىـ عـنـ طـلـبـ الـخـيـثـ
لـلـمـعـيـشـةـ فـمـنـ لـمـ يـعـرـفـ فـرـقـ مـاـبـيـنـ الـحـالـ الـمـكـتـبـ وـ الـحـرـامـ لـمـ يـكـنـ
مـجـتـبـاـ لـلـخـيـثـ مـنـ الـاعـمـالـ وـ لـاـ كـانـ عـنـ ثـقـةـ فـيـ تـفـقـةـ مـنـ طـيـبـ الـاـكـتـسـابـ.

خدا نے پاک کمائی سے راہ خدا میں خرچ کرنے کی دعوت دی ہے اور ناپاک روزی سے منع کیا ہے جو آدمی یہ نہ جانتا ہوگا کہ حلال و حرام کمائی میں کیا فرق ہے وہ خبیث و (ناپاک) کار و بار سے پر ہیز نہ کر سکے گا، اور نہ قابل اعتماد علم اس بات کا اسے حاصل ہوگا کہ کمانے کا عمدہ اور پاک طریقہ کیا ہے۔ (المقعن: ص ۵۹)

نیز خدا کا ارشاد ہے:

ذلک بانہم قالو اینما البیع مثل الرّبَا واحلَ اللّهُ الْبیعَ وَحرَمَ الرّبَا (بقرہ: ٢٧٥) ذلک بانہم یاں وجہ سے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ جیسا کاروبار ویسا ہی سود کا معاملہ، حالاً کہ کاروبار کو خدا نے حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے، لہذا ہر آدمی کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ بیع جور بوا کے خلاف ہے (اور جو حلال قرار دی گئی ہے) کیا ہے تاکہ اسے علم ہو جائے کہ خدا نے تجارت اور اکتساب معاش کے وسائل و ذرائع میں سے کسکو حرام قرار دیا گیا ہے، اور مروی ہیکہ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: من اتجر بغير علم فقد ارتطم في الربا ثم ارطّم: کہ جو شخص بغیر علم کے تجارتی کاروبار کرے وہ ربوکے دلدل میں گریگا اور پھر گریگا۔

من اراد التسجارة فليتفق في دينه: قال الصادق عليه السلام: ليعلم بذلك ما يحل له و يحرم عليه و من لم يتفقه في دينه ثم اتحرر تورط في شبهاهات. (وسائل الشيعة: ج ١/ ص ٣٨٢)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو تجارت کرنا چاہتا ہے اسکو دینی

مسائل کا علم ضرور حاصل کر لینا چاہئے، تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے، اور جو بغیر علم حاصل کئے تجارت کر گا وہ شہزادت میں بنتا ہوگا: (حلال و حرام کی تمیز نہ کر سکے گا)۔

تجارت سے متعلق اس مختصر مضمون میں صرف چند بنیادی اصول اور اساسی احکام و پہلائیت کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔

معاملہ تجارت کی بنیاد ترااضی
ترفین پر ہونی چاہئے

فِرْمَانُ خَدَاوَنْدِيٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكِلُوا أَمْوَالَ الْكُفَّارِ بِيَنْكُمْ
بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (نَسَاءٌ: ٢٩)
اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ باہم تجارتی
معاملات ایک دوسرے کی رضا مندی سے ہوں۔

اس آیت کی تفصیل میں فرمایا ہے:
اس آئی مبارکہ میں معاملات تجارت کے متعلق فقہ اسلام کے احکام وہدایات کی بنیاد
 واضح کر دی گئی ہے، یعنی خرید و فروخت میں کسی طرح کی بد معاملگی نہ ہونی چاہئے اور معاملہ
تاجر اور گاہک کی باہمی رضا مندی اور خوش دلی پر مشتمل ہونی چاہئے صاحب کنز العرفان نے

هـنـا فـرـوع (ا) شـرـط التـجـارـة كـوـنـهـا عـن تـراـضـ اـى صـادـرـة عـن
تـراـضـ مـنـ الـمـتـعـاـقـدـيـنـ فـيـخـرـجـ مـالـمـ يـكـنـ كـذـلـكـ عـنـ الـابـاحـةـ. (ب) قال
الـشـافـعـىـ الـمـرـادـ التـفـرـقـ عـنـ تـراـضـ فـلـهـمـاـ الـخـيـارـ قـبـلـ التـفـرـقـ وـهـوـ مـذـهـبـ
الـاصـحـابـ لـقـوـلـهـ الـبـيـعـانـ بـالـخـيـارـ مـالـمـ يـفـتـرـقـ. (وسـائـلـ الشـيـعـهـ: جـ ١٨ـ صـ ٥ـ)
تجـارـتـ مـيـںـ يـہـ شـرـطـ ہـےـ کـہـ تـاـجـرـ اـوـ دـوـنـوـںـ کـیـ ہـمـیـ رـضـاـمـنـدـیـ سـےـ وـاقـعـ ہـوـ مـعـالـمـ

تجارت ایسا نہ ہوگا اباحت سے خارج ہوگا (جائز و حلال نہ ہوگا) شافعی کا قول ہے کہ تراضی کے ساتھ طرفین کا ایک دوسرے سے جدا ہونا مراد ہے لہذا جب تک صاحب مال اور خریدار متفرق نہیں ہوئے ہیں معاملہ کی فتح کر دینے کا انہیں حق حاصل رہے گا اور یہی مذہب ہمارے اصحاب (علماء امامیہ) کا بھی ہے کیونکہ آنحضرت کا ارشاد ہے، باعث و مشتری کو خیار حاصل ہے (یعنی انہیں معاملات کے فتح کر دینے کا حق ہے) جب تک متفرق نہ ہو جائیں۔

(ج) عقد المکرہ باطل نعم لو اجاز فيما بعد صح لحصول الرضا: مجبور کا معاملہ خرید و فروخت باطل ہے ہاں اگر بعد حصول اختیار اجازت دے تو صحیح رہیگا کیونکہ رضا (جو شرط صحیح معاملہ ہے) حاصل ہو گئی۔

(۲) الرضا يراد به المعتبر شرعا فلا اعتبار بر رضا الصبي والمجنون والسكران والسفيه والمفلس فلا يصح عقودتهم ولو اجازوا بعد زوال المانع. (کنز العرفان)۔

رضاء وہ رضا مراد ہے۔ جو شرعاً معتبر ہے، لہذا پچھے دیوانے، نشہ میں سرشار بے عقل و مفلس (قاضی شریعت کی طرف سے جس کو دیوانہ و مفلس قرار دیا گیا ہو) کا معاملہ صحیح نہ ہوگا اگرچہ بعد زوال مانع اسکی اجازت دیں۔

حق کی لین دین شرط تجارت ہے

حدیث نبوی ہے:

التاجر فاجر والفارجر في النار الامن اخذ الحق واعطى الحق۔

تاجر فاجر (بدکار) ہے اور فاجر جہنمی ہے مگر حق لے اور حق دے۔

(وسائل الشیعہ: ج ۱۷ ص ۳۸۲)

تجارت میں بدمعاملگی نہ ہونے پائے

نیز حدیث نبوی ہے: افضل الکسب بیع مبرور عمل الرجل بیده سب سے اچھی کمائی بیع مبرور ہے اور دستکاری،۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۲)

”بیع مبرور“ ایسا تجارتی کا رو بار مراد ہے جس میں دھوکا! فریب، خیانت بدمعاملگی، ضرر و نقصان، خدا کی نافرمانی مردم آزاری نہ ہو۔

آداب تجارت کی بابت

تجار کو حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی ہدایتیں

مردوی ہیکہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام بنفس نفس کوفہ کے بازاروں میں تشریف لے جاتے تھے اور تاجروں کے مجمع میں یوں خطاب فرماتے تھے:

قدموا الاستخارة و تبرکوا بالسهولة واقتربوا من المتابعين وتزيينا
بالحكم وتناهوا عن اليمين و جانبوا الكذب وتجافوا عن الظلم وانصفوا
المظلومين ولا تقربوا الربوا او فوالكيل والميزان ولا بخسوا الناس اشياءهم
الا تعثروا في الأرض مفسدين. (الکافی: ج ۵، ص ۱۵۱)

سب سے پہلے خدا سے خیر کے طالب ہوں اور سہولت و نرمی سے برکت حاصل کرو
خریداروں سے قریب رہو (یعنی بد خلقی نہ کرو کہ وہ تم سے دور ہو جائیں) اور حلم سے آراستہ بنو
قسموں سے باز رہو جھوٹ سے بچوں میں سے دور بھاگو مظلوموں کے ساتھ انصاف کرو، ربا، سود
کے قریب نہ جاؤ ناپ تول پوری کیا کرو لوگوں کی (خریدی ہوئی) چیز کم نہ دیا کرو اور زمین میں
فساد نہ پھیلاؤ۔

ارشادِ نبیٰ: بتاجر کو پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے

حضرت ابوالعبد اللہ جعفر صادقؑ نے فرمایا: قال رسول الله من باع و اشتري فليحفظ خمس خصال والا فلا يشترين ولا يبيعن الربوا والحلف و كتمان العيب والحمد اذا باع والدم اذا اشتري۔ (الكافی: ج ۵، ص ۱۵۰)

جو آدمی خرید و فروخت کرے اس کو پانچ باتوں کی نگہ داشت ضروری ہے اگر نہ کر سکتا ہو تو ہرگز خرید و فروش کا کاروبار نہ کرے سو دلینا قسم کھانا مال کا عیب چھپانا بچنے کے وقت اپنے مال کی تعریف کرنا اور خریدنے کے وقت دوسروں کے مال کی برائی کرنا۔

چند آداب تجارت ارشادِ نبیٰ میں:

ابو امامہ راوی ہیں، سمعت رسول الله يقول اربع من کن فيه طاب مکسبه اذا اشتري لم يعب واذا باع لم يحمد ولا يدلس وفيما بين ذلك لا يحلف۔ (الكافی: ج ۵، ص ۱۵۳)

میں نے جناب رسالت مآب کو یہ فرماتے سنا کہ جس آدمی میں چار باتیں ہوئیں اس کی کمائی پاک ہے جب خریدے تو عیب نہ لگائے جب بیچے تو تعریف نہ کرے تدليس سے کام نہ لے (یعنی خریدار سے مال کا عیب نہ چھپائے) اور قسمیں نہ کھائے۔

آداب تجارت کے متعلق امام جعفر صادقؑ کی ہدایات

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک صحابی کو جو سفر تجارت کا قصد کر کے حاضر خدمت ہوئے اور آپ سے مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا:

عليک بصدق اللسان فى حديثك ولا تكتم عيما يكون فى

تجارت ک ولات غبن المسترسيل فان غبنه لا يحل ولا ترض للناس الا ما ترضي لنفسك واعط الحق وخذنه ولا تحف ولا تخن فان الناجر الصدق مع سفرة الكرام البورة يوم القيمة واجتنب الحلف فان اليمين الفاجرة تورث صاحبها النار و الناجر فاجر الامن اعطي الحق وخذنه اذا عزمت على السفر او حاجة مهمة فاكثر الدعاء والاستخاره فان ابي حدثى عن ابيه عن جده ان رسول الله كان يعلم اصحابه الاستخاره كما يعلمهم السورة.

اپنی زبان گفتگو میں بھی رکھوار مال میں جو عیب ہے اسے نہ چھپا و جو تم پر معاملہ میں بھروسہ کرے اس کو نقصان نہ پہنچا و اس کا نقصان کرنا حلال نہیں اس کا مقصد یہ نہیں کہ دوسروں کو کم دینا جائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یوں تو عام خریداروں کو نقصان پہنچانا یا کم دینا جیسا کہ پہلے معلوم ہوا جائز نہیں ہے لیکن اس آدمی کے ساتھ یہ بتاؤ جو تمہاری ایمانداری و دیانت پر بھروسہ کرتا ہو اور بھی برا ہے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی بات پسند کرو جو اپنی ذات کیلئے پسند کرتے ہو حق دو، اور حق لو، نہ ڈروا ورنہ خیانت کرو میشک سچا تاجر قیامت کے روز فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ کیوں کہ جھوٹی قسم کھانے والے کو جہنم کا مستحق بناتی ہیں۔ تاجر فاجر (بدکار) ہے مگر وہی اس مستحق ہے جو حق دے اور حق لے۔ اور جب سفر تجارت کا قصد کرو یا کسی اہم ضرورت میں گھر سے نکلو تو خدا سے دعا اور طلب خیر زیادہ کرو۔ میرے والد اپنے پدر عالیقدر سے اور انہوں نے اپنے جدا میر المونینؑ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ اپنے اصحاب کو طلب خیر کے طریقے اور دعائیں سورہ قرآن کی طرح سکھایا کرتے تھے۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱، ص ۲۸۵)

کم تو لنے کی ذمہ

(۱) والسماء رفعها ووضع الميزان الا تطغوا في الميزان واقيموا الوزن بالقسط و لا تقسروا الميزان. (الرحمن: ۷. ۹)

اور خدائن انصاف کو قائم کیا تاکہ تم لوگ ترازو (سے تو لنے) میں نا انصافی نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تو لو۔ اور تو لم نہ کرو۔

ناپ قول میں کمی کرنے والے کے لئے تباہی ہے

(۲) ويل للمطففين الذين اذا كتالوا على الناس يستوفون اذا كانواهم او وزنوهם يخسرون الا يظنوا انهم مبعوثون ليوم عظيم يوم يقوم الناس لرب العالمين. (المطففين: ۵. ۱)

ناپ قول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی (تباہی) ہے۔ جو اورں سے جب ناپ قول کرتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ قول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا وہ ایک بڑے (سخت) دن کے لئے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن تمام لوگ سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے ٹھہرے ہوں گے۔

(۳) و اوفوا اكيل اذا كلتم وزنوا بالقسطاس المستقيم ذلك خير و احسن تاويلا. (الاسراء: ۳۲)

جب ناپ کر دینا ہو تو پیمانہ کو پورا بھر دیا کرو۔ اور (جب قول کر دینا ہو تو) ٹھیک ترازو سے تو لا کرو۔ یہی اچھا طریقہ ہے اور اس کا انعام بھی بہتر ہے۔

(۴) و اوفوا اكيل ولا تكونوا من الخسررين. وزنو بالقسطاس

المستقيم。 ولا تبخسوا الناس اشياء هم ولا تعثروا في الارض مفسدين.

واتقوا الذى خلقكم والجلة الاولين. (الشعراء: ۱۸۲. ۱۸۱)

پیمانہ پورا کر دیا کرو۔ اور کم دینے والوں سے نہ ہو جاؤ۔ اور لوگوں کی (خریدی ہوئی) چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد نہ پھلاتے نہ پھر دیو۔ اور اس (بیدا کرنے والے) سے ڈر جس نے تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔

ناپ قول میں کمی کرنے سے قو میں مبتلاۓ عذاب ہو چکیں ہیں

صفوان راوی ہیں:

بن المسترسن قال ابو عبد الله عليه السلام ان فيكم خصلتين هلك بهما لك قبلكم من الامم! قالوا: وما هما يابن رسول الله؟ قال: المكيال ولميزان. (وسائل الشيعه: ح ۷ ص ۳۹۵)

جناب امام جعفر صادق نے فرمایا: تم میں دو چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے امتنی ہلاک ہو چکی ہیں! اصحاب نے پوچھا اے فرزند رسول وہ چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: پیمانہ اور ترازو۔

وزن کب پورا ہو گا

جناب امام جعفر صادق کا ارشاد ہے: لا یکون الوفاء حتی یمیل الميزان وزن پورا نہیں ہوتا جب تک ترازو جک نہ جائے۔ (الکافی: ح ۵، ص ۱۵۹)

غبن حرام ہے

(۱) غبن المسترسن سحت (۲) غبنا الموم من حرام (۱) بھروسہ کرنے والوں کو کم دینا حرام ہے (۲) اور مومن کو کم دینا حرام ہے۔ (الکافی: ح ۵، ص ۱۵۳)

شرط بیع یہ ہے کہ مقدار شی معلوم و معین ہو

شرائع الاسلام میں ہے:

وَانِ يَكُونُ الْمَبِيعُ مَعْلُومًا فَلَا يَجُوزُ بَيْعُ مَا يَكَالُ وَيُوزَنُ أَوْ يَعْدَ جَزَافًا
وَلَوْ كَانَ مَشَاهِدًا كَاصِبَرَةً وَلَا بَكَيَانَ مَجْهُولَ. (شرائع الاسلام: ج ۲ ص ۱۰)

شرط بیع یہ بھی ہے کہ مقدار بیع معلوم ہو، پس جو چیز کہ پیانا سے فروخت کی جاتی ہے اور جوشی وزن سے فروخت کی جاتی ہے اور جوشی شمار کر کے پیچی جاتی ہے اس کو تجین اور خیالی انداز سے فروخت کرنا ناجائز ہے اگرچہ وہ شئی آنکھوں کے سامنے ہو جیسے کہ غلے کی ڈھیری اسی طرح چیزوں کا ایسے پیانا سے بینا بھی ناجائز ہے جس کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تاجریوں کیلئے قسمیں

اور دستکاروں کے لئے آج کل کے جھوٹے وعدے بتاہی کے باعث ہیں
حدیث بنوی میں ہے کہ:

وَيَلِ لِتَجَارَ امْتَى مِنْ لَا وَاللهُ وَبِلِّيْ وَاللهُ وَوَيْلٌ لِصَنَاعَ امْتَى مِنَ الْيَوْمِ
وَغَدَا. (من لا يحضره الفقيه: ج ۳ ص ۱۶۰)

میری امت کے تجارت کی بتاہی ہے ”لا والله“ اور ”بِلِّيْ وَاللهُ“ جھوٹی قسموں
سے اور دستکاروں کی بتاہی ہے، آج و کل، کے جھوٹے وعدوں سے۔

حد سے سوانح خوری کی شدید مذمت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص کو جنکا نام مصارف تھا ایک ہزار
اشرفیاں دیں اور فرمایا کہ مال تجارت خرید کر مصر جانے والے تجارتی قافلہ کے ساتھ جائے اور
فروخت کرے۔ اس نے سامان تجارت خرید لیا اور روانہ ہوا، وہ اور اس کے رفقائے سفر مصر کے
قریب پہنچے تو ادھر سے ایک قافلہ واپس آتا ہوا ان سے ملا، ان لوگوں نے اپنے مال تجارت

کی بابت میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ چیزیں وہاں نایاب ہیں اور وہ ایسی چیزیں تھیں جن کی ضرورت عام طور سے ہوا کرتی ہے ان لوگوں نے یہ خبر پاتے ہی آپس میں عہدو پیمان کر لیا کہ ایک اشرفی کے مال پر ایک اشرفی نفع لیں گے، جب وہ اس قرارداد پر سب مال فروخت کر کے واپس ہوئے۔ اور مصارف نے حضرت کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا کہ کس طرح ان لوگوں نے عہدو پیمان کیا اور کیوں کر سامان تجارت گرائیں قیمت پر بیجا تو آپ نے فرمایا:

سَبْحَانَ اللَّهِ تَخْلُفُونَ عَلَى قَوْمٍ مُسْلِمِينَ إِنْ لَا تَبِعُوهُمْ إِلَّا بِرُوحٍ
الدِّينَارُ دِينَارًا ثُمَّ أَخْذَ الْكَيْنَ وَقَالَ هَذَا رَاسُ مَالِيِّ وَلَا حَاجَةُ لَنَا هَذَا الرُّبْحُ ثُمَّ
قَالَ يَا مَصَارِفَ مَجَالِدَةِ السَّيُوفِ اهُوْنَ مِنْ طَلْبِ الْحَلَالِ. (الکافی: ج ۵، ص ۱۷۲)

سبحان اللہ تم کیسے لوگ ہو کہ مسلمانوں کے بارے میں آپس میں یہ عہدو قسم کھاتے ہو کہ ان کے ہاتھ ایک اشرفی سے ایک اشرفی نفع لئے بغیر نہ پہنچو گے۔ پھر حضرت نے دونوں تھیلیاں لیں اور فرمایا کہ یہ ایک میرا راس المال ہے اور (دوسری تھیلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: مجھے اس نفع کی حاجت نہیں ہے) پھر فرمایا: اے مصارف تلواروں سے لڑنا طلب حلال کی بہبیت آسان ہے۔

خبر غیب کا ایک آئینہ

جس میں ہمارے زمانہ کے حالات کی تصویریں نظر آتی ہیں

نَبَّاجُ الْبَلَاغِ میں ہیکہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: یاتی علی الناس زمان عضوض یمض المومر فیہ علی ما فی یدیہ و لم یوْمَرْ بِذلِكَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ تَنْهَدْ فِيهِ الْأَشْرَارُ وَتَسْتَدْلُ الْأَخْيَارُ وَبِيَاعِ
الْمُضْطَرُونَ وَقَدْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّينَ. (نَبَّاجُ الْبَلَاغِ: قصار: ۲۶۸)

لوگوں پر ایک نہایت سخت زمانہ آنے والا ہے، جس میں خوشحال لوگ اپنے مال و دولت کو دانتوں سے پکڑ لیکے حالانکہ حکم خدا یہ نہیں ہے، اسکا فرمان تو یہ ہیکہ آپس میں نیک سلوک کرنا نہ بھولو، اسی زمانہ میں اشرار (شورش و فساد پر) اٹھ کھڑے ہو گئے اور نیک لوگ ذلیل کئے جائیں گے اور مضطرب لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کی جائیگی حالانکہ جناب رسول نے ریچ المضطربین سے منع فرمایا ہے۔ (نهج البلاغہ: القصار ۳۶۸)

یاتی علی الناس زمان عضوض یمض الفضل کل امرء ما فی يدیه و یسنی الفضل بینکم ثم یبزی فی ذلک الزمان اقوام یبایعون الضطئین اوئلک هم شرار الناس (وسائل الشیعہ: ج ۷ ص ۲۲۹)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لوگوں پر ایک نہایت سخت زمانہ آنے والا ہے جس میں ہر آدمی اپنے مال و دولت کو دانتوں پکڑ لیگا، اور بزرگانہ کردار کو جلا دیگا، حالانکہ خدا کا حکم یہ ہیکہ تم لوگ با ہم حسن سلوک نہ بھولو، پھر اس زمانہ میں ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو مضطرب لوگوں سے خرید و فروخت کریں گے وہ بدترین انسان ہوں گے۔

مضطرب سے وہ شخص مراد ہے جو ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے مال و ممتاع کو فروخت کر دینا چاہتا ہے ایسے موقع سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اور صاحب حاجت کی ضرورت اور مجبوری کو غیرمکمل سمجھ کر اسکے مال و ممتاع کوکم سے کم قیمت پر خرید لینا چاہتے ہیں، شریعت اسلام نے اس فعل کو خلاف دین و مروت قرار دیا ہے، اور مقصد یہ ہے کہ مضطرب کے ذخیرہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، اس کے مال و ممتاع کی واجبی قیمت ادا کی جائے، یا اس کو بقدر ضرورت روپیہ دیدیا جائے، اور اس طرح اسکو اپنا مال و ممتاع نقصان پر فروخت کرنے سے بچایا جائے، اس

صورت میں بیع کے معنی شراء یعنی خریدنے کے ہوں گے یا قبول بیع مراد ہو گا، لیکن جس طرح انسان شدید ضرورت سے اپنے مال و ممتاع کو کم سے کم قیمت پر نقصان اٹھا کر بیع دینے پر مجبور ہوتا ہے، اسی طرح ضروریات زندگی کو ہر قیمت پر خریدنے کی مجبوری بھی پیش آتی ہے، جبکہ سرماہی دار اور ماکان ممتاع جنس ذخیرہ اندوزی و نفع بازی کے مرض میں بیٹلا ہوتے ہیں۔ اشیاء ضرورت ان کے قبضے میں ہوتی ہے، اور حاجتمند مضطرب ہوتے ہیں کہ ان کی من مانی قیمت ادا کر کے ضروریات زندگی خریدیں، جیسا کہ ہمارے زمانے میں عام طور سے ہو رہا ہے، کہ ضروری اشیاء پر سرماہی داروں اور ذخیرہ اندوزوں کا قبضہ ہے اور ہر شخص ان کی مطلوبہ قیمت خواہ کسی ہی کیوں نہ ہوادا کرنے پر مجبور ہے، لہذا اس طرح یہ پنا اضطرار سے ہو سکتا ہے، اسی طرح خریدنے میں بھی اضطرار کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، لہذا یہ حدیث اضطرار کی دونوں صورتوں سے تعلق رکھتی ہے، بلکہ الفاظ حدیث سے اضطراری خریداری کا احتمال زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب کے ساتھ یکساں معاملہ ہونا چاہئے

حدائق ناضرہ میں ہے:

یستحب ان یساوی بین المبتعین و الباعین، فالصغریں عنده
بمنزلة الكبیر والغنى كالفقیر والمجادل كغيره والمراد ان لا یفاؤت
بینهما فی الانصاف بالمساکة و عدمها والظاهرانہ لو فاؤت بینهما
بسیب الدین والفضل فلا باس. قیل: و لکن یکرہ للاخذ قبول ذلک حتی
نقل ان السلف كانوا یوکلون فی الشراء من لم یعرف هرba من ذلک.

(حدائق الناضرہ: ج ۱۸ ص ۳۲)

مستحب ہے کہ تمام خریداروں کے ساتھ یکساں بتاؤ کرے (اور مال سب کو برابر قیمت پر دے) اسکے نزدیک چھوٹا بمنزلہ بڑے کے اور غنی بمنزلہ فقیر کے ہو۔ اور قیمت طے کرنے میں جھگڑنے والا نہ جھگڑنے والا کے برابر ہو۔ اور مرا داں سے یہ ہے کہ قیمت کم کرانے اور نہ کرانے دونوں صورتوں میں الفاظ کوئی فرق نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ قیمت کم کرانے والا کے لئے قیمت گھٹادے اور جس نے قیمت میں بحث نہ کی اس سے زیادہ وصول کر لے۔
**کسی کو دوسرا کے معاملے میں
دخل نہیں دینا چاہئے**

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: نہی رسول اللہ ان یدخل الرجل فی سوم اخیہ المسلم۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۷ ص ۲۵۹)
 جناب رسول نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے برادر مومن کے مسودے میں دخل نہ دے یعنی جس چیز کوئی مومن خرید رہا ہواں کی قیمت کم یا زیادہ کر کے خود نہ خریدے، مقصدا یہ ہے کہ جس چیز کوئی مسلم خریدتا ہواں کے معاملہ میں دخل دینا اور قیمت کم یا زیادہ کر کے خود لینا برا اور منوع ہے۔

نجش حرام ہے

ارشاد بُوئی ہے۔ والناجش والمنجوش ملعونون،
 ناجش و منجوش سب کے سب ملعون ہیں۔ (الكافی: ج ۵، ص ۵۶۰)

تعریف ”نجش“

تعریف نجش کے بارے میں حدائق ناضرہ میں ہے:

فالظاهر ان المراد به هو ان يوطئ البائع رجالا اذا اراد بيعا ان يساومه بشمن كثير ليقع فيه غيره والمشهور في كلام الاصحاب تحريمـه.

(حدائق الناضرہ: ج ۱۸ ص ۳۲)

نجش، کے معنی یہ ہیں کہ تاجر خریدار کو پہنانے کی تدبیر کرے کہ کسی شخص کو اس طرح اپنے موافق بنالے کہ جب وہ مال بینا چاہے تو وہ شخص زیادہ قیمت پر اس سے سودا ٹھرانے کی بات چیت کرے تاکہ ناواقف خریدار اس کے فریب میں آجائے۔ مشہور یہ ہے کہ نجش حرام ہے۔

دھوکے فریب ملاوٹ کا حکم

حدائق ناضرہ میں ہے:

الاول في الغش بالخفى كشوب اللبن بالماء ولا خلاف لتحريمـه
 كما حكاه في المنتهيـا. أما لو غش بما لا يخفى كالتراب يجعلـه في الحنطـه
 والردى منها بالجـيد: فالظاهر الاصحـاب عدم التحرـيمـه. وان كان
 مـکروـهـا ظـهورـهـا العـيـبـاـتـاـ المـذـكـورـاـ لـلـمـشـتـرـىـ فـهـوـ اـنـمـاـ اـشـتـرـىـ رـاضـيـاـ بـهـ. وـ لـعـلـ
 وجـهـ الـكـراـهـهـ عـنـهـمـ اـنـهـ تـدـلـيـسـ فـيـ الجـملـهـ وـ اـنـهـ رـبـماـ يـغـفـلـ عـنـهـ المـشـتـرـىـ
 لـاـسـيـمـاـ مـعـ كـثـرـةـ الـجـيدـ اـذـاـ خـلـطـ بـالـرـدـىـ. (حدائق الناضرہ: ج ۱۸ ص ۱۸۹)

اول یہ کہ کسی ایسی چیز میں ملاوٹ جو ظاہر نہ ہو۔ جیسے دو دھوکے میں پانی ملانا اس فعل کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسی چیز ملائی جائے جو چھپ نہ سکتی ہو مثلاً گیہوں میں مٹی اور عمدہ گیہوں میں خراب ملادینا تو علماء کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت حرام نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ اور وجہ حرام نہ ہونے کی یہ ہے کہ خریدار پر عیب ظاہر رہتا ہے۔ اور جب اس نے اس عیب کو دیکھتے ہوئے خریدا تو اس پر راضی تھا۔ اور وجہ کراہت شاید یہ ہو کہ

تدلیس ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خریدار اس عیب سے غافل رہ جاتا ہے خصوصاً جبکہ اچھے گیہوں (یا سی اور غلے) کی کثیر مقدار مقدار میں تھوڑی ملائی ہو۔ غش۔ کی ممانعت میں جس قدر اہتمام پیش نظر شریعت ہے وہ احادیث ذیل سے ظاہر ہے:

لیس من المسلمين من غشهم۔ وَخُنْضُ مُسْلِمَانُوْنَ كَزَمَهُ سَيَّرَهُ
ہے جوان کے ہاتھ ملاوٹ کا مال بیچتا ہے۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۳ ص ۲۰۸)

**خرید و فروخت اجائے میں ہونی چاہئے نہ کہ اندھیرے میں
ان الیع فی الظلال غش والغش لا يحل.**

ایسے اندھیرے مقام میں بیچنا جہاں مال کا عیب ظاہرنہ ہو سکتا ہو غش یعنی دھوکا ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ (الكافی: ج ۵، ص ۱۶۹)

دودھ میں پانی ملانے کی ممانعت

نهی النبی ان يشاب اللین بالماء للبيع.

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جناب رسول اللہ ﷺ نے دودھ میں پانی ملان کی ممانعت فرمائی ہے۔ (تهذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۳)

تلقی الرکبان کی مذمت

اکثر سرمایدار تاجر و کاروباری طریقہ ہوتا ہے کہ دیہات سے آنے والے سامان تجارت کو شہر سے باہر لکل کرنے خرید لیا کرے اور کوئی شہری تاجر کی طرف نہ بیچے۔ خدا مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق پہنچاتا ہے، مکاسب شیخ مرتضیٰ میں ہے:

فیحتمل ان تكون العلة في كراحته التلقى مسامحة الركب في

الميزان بما لا يتسامح به الملتقي او مظنة حبس الملتقيين مما اشتراه او
ادخاره عن اعين الناس و بيعه تدريجا بخلاف ما اذا اتى الركب و طرحوا
امتعتهم في الخانات والأسواق فان له اثرا بلينا في امتلاء اعين الناس

اصطلاح میں۔ تلقی الرکبان۔ کہتے ہیں۔ اس کو بعض فقهاء حرام قرار دیتے ہیں اور اس کے فعل مکروہ ہونے پر توبہ کا اتفاق ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق فروع و جزئیات پر اطلاع کتب فقه اسلام سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہاں صرف اتنا ہی کہدیانا کافی ہے کہ خرید و فروخت کا یہ طریقہ بے جانع خوری کے علاوہ ناواقف دیہاتی بیوپاری اور عامہ خلائق کے ضرر عظیم کا احتمال بھی رکھتا ہے اس وجہ سے شرع اسلام نے اس کو منوع قرار دیا ہے، اور منشاء شریعت یہ ہے کہ مال تجارت بازاروں میں آجائے، اور لانے والوں کو نرخ بازار معلوم ہو جائے، اور عامۃ الناس اس سے براہ راست معاملہ خرید و فروخت کریں اور یہ سرمایہ داروں کی من مانی قیمتیوں کی گرانباری سے محفوظ رہیں اسی غرض سے یہ حکم بھی دیا ہے کہ کوئی شہری تاجر ان دیہاتی بیوپاری کسانوں کا وکیل نہ بنئے، جو مال کی قیمت نرخ بازار کے مطابق نہ جانتا ہو، یہ دونوں حکم اس حدیث نبوی میں مذکور ہے:

لَا يُتلقى احدهُم تجارةً خادجاً من المصارف ولا بيع حاضر الباد

والمسلمون يرزق الله بعضهم من بعض۔ (تهذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۵۸)

تم میں سے کوئی شخص سامان تجارت کو شہر سے باہر لکل کرنے خرید لیا کرے اور کوئی شہری گاؤں والے کی طرف نہ بیچے۔ خدا مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق پہنچاتا ہے، مکاسب شیخ مرتضیٰ میں ہے:

فیحتمل ان تكون العلة في كراحته التلقى مسامحة الركب في

الميزان بما لا يتسامح به الملتقي او مظنة حبس الملتقيين مما اشتراه او
ادخاره عن اعين الناس و بيعه تدريجا بخلاف ما اذا اتى الركب و طرحوا
امتعتهم في الخانات والأسواق فان له اثرا بلينا في امتلاء اعين الناس

خصوصاً الفقراء وقت الغلاء اذا اتى بالطعم. (المکاسب: ج ۳ ص ۳۵۳)

احتمال ہے کہ "تلقلی الرکبان" کے مکروہ ہونے کی علت یہ ہو کہ دیہات کے آنے والے بیوپاری تول میں سیرچشمی و نرمی و تسالیں کا وہ برداشت کرتے ہوں جو متلقی (شہر سے باہر نکل کر خرید لینے والا) نہ کرتا ہو یا اس کا احتمال ہو کہ "تلقلی کرنے والے" خریدی ہوئی جنس و منتع کو اپنے پاس روک لیں، اور لوگوں کی نگاہوں سے غائب کر کے رفتہ رفتہ نکال کر چور بازاری کے طریقہ پر منہجے داموں فروخت کریں بخلاف اس کے جب باہر کے بیوپاری بازار اور منڈیوں میں آئیں گے اور منتع و جنس دوکانوں میں لا کر ڈالیں گے تو عامہ خلاق کے اندر سیرچشمی کی کیفیت پیدا ہونے میں اس کا نمایاں اثر ہو گا خصوصاً مبتذل جوں کے اندر جکہ قحط کے زمانہ میں سامان خوراک دیا جائے گا۔

سامان غذا کی ذخیرہ اندوزی "احتکار" کی حرمت و کراہت

غرض مقصود شریعت تجارتی کا رو بار کے ایسے تمام طریقہ کو منوع قرار دینا جن سے بے جانع خوری کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور عامہ خلاق کی ضروریات زندگی کے مہیا ہونے میں تنگی و دشواری پیدا ہوتی ہے ان میں ایک بدترین طریقہ احتکار ہے، اور اس سے مراد سامان غذا کی اس غرض سے ذخیرہ اندوزی ہے کہ قیمتوں کے گراں ہو جانے کے وقت مہنگے داموں پر فروخت کیا جائے۔ فقهاء نے اس کی تعریف میں کہا ہے، هو جمع الطعام و حبسه يتربص به الغلاء، غذائی اشیاء کو گرانی کے انتظار میں جمع رکھنا احتکار ہے۔

کنز العرفان میں ہے،:

قیل الاحتكار مکروہ لقول الصادق مکروہ ان تحتكر الطعام و

تذر الناس لا شئ لهم. و قيل حرام وهو الاصح لقوله الجالب مرحوم وفي محتلکر ملعون. و انما يكون حراما بشرطين : احدهما: حبس القوت الذى هو الحنطة واعير والثمر والربيب والسمن والملح طلا للزيادة في الشمن . و ثانيهما ان لا يوجد باذل سواء فيجبر حيئنذا على البيع. و هل يسرع عليه؟ قيل: نعم والا لافتت فائدة الجبر. و قيل: لا وهو الاصح لقوله الناس مسلطون على اموالهم. و قوله ايضا الاسعار الى الله اللهم الا ان يطلب شططا فيسرع عليه . (کنزالعرفان: ج ۲ ص ۲۹)

"کہا گیا ہے" "احتکار مکروہ ہے کیونکہ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ بات مکروہ ہے کہ تم سامان خوراک کے ذخیرے بند کر کے رکھو اور لوگوں کو ایسے حالات میں چھوڑ دو کہ ان کے پاس کھانے کا سامان پکھھنہ ہو۔ یہ قول بھی ہے کہ احتکار حرام ہے، اور یہی قول صحیح ترین ہے کیونکہ رسالت مآب نے فرمایا ہے ضروریات زندگی (سامان خوراک وغیرہ) ادھر ادھر سے لانے والے تاجر پر خدا کی رحمت ہے اور احتکار کرنے والے (بغرض نفع خوری ذخیرہ اندوزی کرنے والے) پر خدا کی لعنت۔ اور احتکار کے حرام ہونے کی دو شرطیں ہیں: ایک شرط تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کی ہے وہ اشیاء خوردنی ہوں۔ یعنی گھوٹوں، جو، خرما، کشمش، روغن، نمک، (پس انہیں غذا کی چیزوں میں احتکار ہو گا) جبکہ مقصود زیادہ قیمت حاصل کرنا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص ان اشیاء خوراک کا بیچنے والا نہ ہو، اس صورت میں اسکو بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔ آیا حکومت کی طرف سے اس کا نزد بھی معین کیا جائے گا؟ تو بعض فقهاء نے فرمایا ہے کہ ہاں یہ ضروری بات ہے ورنہ بیچنے پر مجبور کرنے کا فائدہ ہی کچھ نہ ہو گا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قیمت مقرر کرنے کا خود مالک مال کو اختیار حاصل ہو گا، یہی قول صحت سے قریب تر ہے، کیونکہ حدیث نبوی ہے کہ "لوگ اپنے مال پر تسلط رکھتے ہیں" ،

(مال ان کا ہے اُن کو ہر طرح فروخت کرنے کا حق ہے) نیز حضرت کا ارشاد ہے کہ زرخ کا تقریر خدا کے ذمہ ہے، مگر جب کہ مال کا مالک حق سے بہت زیادہ قیمت مانگتا ہو تو اُس سے اس کے ظلم و جور کی وجہ سے زرخ مقرر کر دیا جائے گا۔

احتکار کی مدت

حدیث نبویؐ میں ہے، انما رجل اشتري طعاما فحسبه اربعين صباحا يزيد به الغلاء لل المسلمين ثم باعه و تصدق بشمه لم يكن كفاره لما صنع.
(وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۲۵)

”جس آدمی نے کھانے کا سامان خریدا اور اس کو چالیس دن تک اس لئے روک رکھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ گراں قیمت پر فروخت کرے پھر اس نے اُس کو فروخت کیا اور اس کی قیمت محتاجوں پر تصدق کر دی تو یہ تصدق اس کے برے کرتوت کا کفارہ نہ ہوگا۔

احتکار کی مدت کا تعین

ارزانی کے زمانے میں چالیس دن اور گرانی کے زمانے میں تین دن سے زیادہ سامان غذا کی ذخیرہ اندوzi احتکار ہے، حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:
الحکرة في الخصب أربعون يوما و في شدة والبلاد ثلاثة أيام فما زاد على الأربعين يوما في الخصب فصاحب ملعون وما زاد في العسرة فوق ثلاثة أيام فصاحب ملعون.

احتکارؑ کی مدت ارزانی اور خوشحالی کے زمانے میں چالیس دن اور سختی و تقطیع کے ایام میں تین دن ہے۔ جو شخص ارزانی و خوشحالی کے زمانے میں چالیس دن سے زیادہ غذا کی چیزوں کو روک رکھے گا تو وہ ملعون ہوگا، اور جو آدمی تنگی کے دنوں میں تین روز سے زیادہ روک رکھے گا وہ ملعون ہوگا۔

حضرت امیر کا فرمان ”احتکار“

کی ممانعت، ذخیرہ اندوزوں کو سزا دو

حضرت امیر المؤمنینؑ نے مالک اشتر والی مصر کو حکومت کا مبسوط دستور العمل لکھ کر بھیجا تھا اس میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا:

فامنع من الاحتکار فان رسول الله منع منه ولیکن البيع بيعا سمحا بموازين عدل لا يجحف بالفريقين من البائع والمتابع فمن قارف حکره بعد نهيک ایاہ فنکل وعاقب في غير اسراف. (نهج البلاغه: خ ۵۳)

تم تاجروں کو ”احتکار“ سے باز کھو کیونکہ جناب رسول خدا نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور لازم ہے کہ فروخت ہل (اور سیر چشمی سے) پورے پورے اوزان پر ہو، اور ایسے زرخ پر ہو جس سے فریقین (بائع و مشتری) میں سے کسی کو خسارہ نہ ہونے پائے، جو شخص تمہارے حکم امتناع کے بعد بھی ”احتکار“ (ذخیرہ اندوزوی) کا مرکب ہواں کو بغیر ظلم و زیادتی کے سزا دو۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام راوی ہیں:

انه مربا للمحتكرین فامر بمحکرتهم ان تخرج الى بطون الاسواق و حيث نظر الابصار اليها . (وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۳۰)

”جناب رسالتاً بذخیرہ اندوزی کرنے والے تاجروں کے پاس گزرے تو حکم صادر فرمایا کہ ذخیرہ کئے ہوئے مال کو وہ بازاروں میں منظر عام پر لائیں۔

اس حدیث میں جو حکم مذکور ہے اس کی مصلحت مکاسب کی مذکورہ بالاعبارت میں بیان کی گئی ہے بازاروں اور منڈیوں میں سامان خوارک کا بکثرت آنکھوں کے سامنے ہونا ایک نفیاتی اثر رکھتا ہے، آسودگی غاطر وطمینان قلب میں اس کو خاص دخل ہوا کرتا ہے، جس سے آج کل ہماری

دنیا بالکل محروم ہے۔

سال بھر خوراک جمع کر لینا پسندیدہ کام ہے

اگرچہ شریعت اسلام سال بھر کی خوراک کا فرائیں کر لینا فضل حسن و کار پسندیدہ قرار دیتی ہے، ارشادِ نبوی ہے: ان النفس اذا احرزت قوتها استقرت "نفس جب اپنی خوراک پوری حاصل کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے"۔ (الکافی: ج ۵، ص ۹۰)

اسی بنابر آئندہ دین واکا بر اسلام کی سیرت یہی رہی ہے کہ سال بھر کے لئے سامان خوراک ذخیرہ کر لیا کرتے تھے ایک طویل روایت میں منقول ہے:

قال ثم من قد علتم بعده في فضله و زهده سلمان و ابوذر (رحمهما الله) فاما سلمان اذا اخذ عطائه رفع منه قوله لسته حق يحضر عطاوه من قابل فقيل له: يا ابا عبد الله انت في زهدك تصنع هذا و انت لا تدرى لعلك تموت اليوم او غدا فكانه جوابه ان قال: مالكم لا ترجون لى البقاء كما خفتم على الفناء اما علمتم ياجهله ان النفس قد تلذت على صاحبها اذالم يكن لها من العيش ما يعتمد عليه فإذا هي احرزت معيشتها اطمانت. (الکافی: ج ۵، ص ۶۹)۔

حضرت نے فرمایا: سلمان و ابوذر (رحمهما) جن کے فضل و زہد کا حال تم کو معلوم ہے۔ ان کا بھی طریقہ یہی تھا کہ سامان خوراک اپنے پاس مہیا کر لیتے تھے۔ کسی نے عرض کیا یا باب عبد الله! آپ کا باوجود زہد یہ طریقہ عمل ہے، حالانکہ یہ خبر نہیں رکھتے ہیں کہ آج موت آجائے گی یا کل، تو آپ نے جواب دیا کہ تم کو جس طرح میرے لئے فاوموت کا ڈر ہے اسی طرح

میری بقا کی امید بھی ہے (جس طرح یہ احتمال ہے کہ آج یا کل مرجاؤں گا اُسی طرح یہ بھی امید ہے کہ زندہ رہ جاؤں) اے جاہلو! جب سامان معيشت جس پر بھروسہ ہو فراہم نہیں رہتا تو نفس پریشانی میں گرفتار رہتا ہے اور جب اپنی روزی جمع کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔

زمانہ قحط میں ذخیرہ خوراک فروخت کر دینا مستحب ہے راشتگ کے طریقہ کی رضا کارانہ ترغیب

لیکن قحط و گرانی کے زمانہ کے لئے مستحب ہے کہ انسان اپنا ذخیرہ خوراک فروخت کر دے اور ہر دن بقدر ضرورت خرید لیا کرے۔ اور اس طرح راشتگ کا جو طریقہ حکومتیں جب و تشدید سے جاری کرتی ہیں اس کو شریعت اسلام اخلاقی بنیادوں پر رضا کارانہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

معتب معتبر روایی ہیں روایت کرتے ہیں: قال لی ابو عبد الله و قدیزید السعر بالمدينه کم عندنا من طعام؟ قال: قلت عندنا ما يكفيانا اشهرا كيشه قال: اخرجه و بعه قال: قلت له وليس بالمدينه طعام؟ قال: بعه فلما بعثه قال: اشتري مع الناس يوما بيوم وقال: يا معتبر اجعل قوت عيالي نصفا شعيرا ونصفا حنطة فان الله يعلم اني واجد ان اطعمهم الحنطة على وجهها ولكن احب ان يرني الله قد احسنت تقدير المعيشة۔ (تهذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۹۲)

"مدینہ میں غذا کا نرخ چڑھ گیا تو حضرت امام جعفر صادقؑ نے پوچھا کہ سامان خوراک ہمارے پاس کتنا ہے؟ میں نے کہا، اتنا سامان ہے جو کئی مہینے کے واسطے کافی ہو سکتا ہے تو فرمایا کہ اس کو زکا لوا اور تیج ڈالو، معتبر کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ مدینہ میں غذا کا سامان نہیں ہے، آپ نے فرمایا: تم اپنا ذخیرہ تیج ڈالو۔ جب میں نے فروخت کر دیا تو فرمایا کہ لوگوں کے

ساتھ روز کی غذا کا سامان روز خریدو، اور فرمایا: اے معقب! میرے عیال کی خوراک میں آدھا جو رکھوا اور آدھا گیہوں، خدا کو یہ معلوم ہے کہ میں ان کو صرف گیہوں کھلانے پر دسترس رکھتا ہوں مگر مجھے یہ بات پسند ہے کہ خداوند عالم یہ دیکھے کہ میں نے اندازِ معیشت اچھا مقرر کیا ہے۔

اسی مضمون کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نے فرمایا:

سیرت آئمہ اسلام

فانا نکرہ ان ناکل جیدا و یا کل الناس ردیا۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں عمدہ غذا کھاؤں، اور لوگ بری غذا کھائیں۔ (فروع الكافی: ج ۱ ص ۳۷۵)

دوسری روایت میں ہے: کان ابوالحسن یاموننا اذا ادركت الشمرة ان نخر جها فبقيها و نشرتى مع المسلمين يوم بيوم. امام علی رضا کا ہم کو یہ حکم تھا کہ جب خرما کے پھل پختہ ہو جائیں تو ان کو فروخت کر ڈالیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہر روز کی خوراک ہر روز خریدیں۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۳۷۷)

شراب اور قمار کی حرمت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنَصَابُ وَالْأَرْلَامُ حِلٌّ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۹۰) إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بِيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبُغْضَاءُ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنِ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهُلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (۹۱) (المائدہ)

”اے ایماندارو! شراب اور جو اور بہت اور پاسے ناپاک اور شیطانی ہی کام ہیں تو تم لوگ اس سے بچے رہو، تاکہ فلاج پاؤ، شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کی وجہ سے عداوت اور دشمنی ڈال دے۔ اور تھیس خدا کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا

تم اس سے بازاںے والے ہو۔“

اس آیت کے متعلق چند باتیں مجملًا قبل ذکر ہیں:

(اول) شراب و قمار کو شریعت اسلام نے جرم قرار دیا ہے اور اس کی وجہی بھی بتائی ہیں۔
کنز العرفان میں ہے: انما حض العداوة وبغضاء نالخمر والميسر موجب
لزوال المال وزوال العقل والمال موجبان للعداوة وبغضاء بخلاف الانصار
والازلام فانهم مایو جبان یسخط الله والنار لا العداوة بين العابدين۔

”عداوت و دشمنی کو خدا نے شراب اور جوئے کے ساتھ مخصوص کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ شراب عقل کے زوال کا باعث ہوتی ہے اور، جوا، مال کے زوال کا سبب ہوتا ہے اور عقل و مال کے زوال سے عداوت و دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے بت اور پاسے خدا کی ناراضی اور جہنم کی سزا کے موجب ہوتے ہیں، مگر پونچنے والوں کے درمیان عداوت کا باعث نہیں ہوا کرتے۔“ (کنز العرفان: ج ۲ ص ۲۱)

تجارت مسکرات کی ممانعت

(دوم) شراب اور تمام مسکرات کی تجارت اور ان کے ذریعہ سے روپیہ پیدا کرنے کی تمام صورتیں بھی حرام قرار دی گئی ہیں اور اس کے متعلق عام اصول اس حدیث نبوی میں مذکور ہے: ان حرم الله شيئاً حرم ثمنه، ”جب خدا نے کسی چیز کو حرام کیا تو اس کی قیمت بھی حرام کر دی۔“

نیز جابر صحابی راوی ہیں: ان رسول الله لعن الخمر و شاربها و عاصرها و ساقیها و بائعها واکل ثمنها فقام اليه اعرابی فقال يا رسول الله انى كنت رجالا هذه تجارتی فحصل لى من بيع من بيع الخمر مال فهل ينفعني المال ان

علمت به طاعة؟ فقال لوانفنته في حج او جهاد لم يعدل عند الله حاج
بعوضة ان الله لا يقبل الا اطيب فترك قل لا يستوى الخبيث والطيب.

(مستدرک الوسائل: ج ۱۶ ص ۵۵)

”جناب رسول نے شراب اور اس کے پینے والے اس کے بنانے والے اور پلانے
والے اور بچنے والے اور اسکی قیمت کھانے والے سب ہی پر لعنت کی۔ تو ایک مرد اعرابی اٹھ کھڑا
ہوا، اور عرض کی یا رسول اللہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کی یہی تجارت رہی ہے اور مجھے
شراب فروشی کے ذریعہ مال حاصل ہوا، اب اگر اس کو طاعت خدا میں صرف کروں تو مجھے نفع دیگا
؟ حضرت نے فرمایا اگر تو اس کو حج یا جہاد میں صرف کریگا تو وہ پرشہ کے برابر بھی نہ ٹھہرے گا
، خدا تو فقط پاک چیز کو قبول کرتا ہے، اس وقت یا آیت اتری۔ قل لا يستوى الخبيث۔“

جوئے کی تمام فتنمیں حرام ہیں

(سوم) کنز العرفان میں ہے: المیسر هو القمار بسائر النواعہ
کالنرد والشطرنج قاله جل المفسرین هو المروی عن اهل البيت عليهم
السلام قالوا: حتى ان لعب الصبيان بالجوز من لا قمار فيحرم التكسب به
وعمل الآلة وبيعها والجلوس على مجلس يكون فيه قال رسول الله اللاعب
بالنرد شیر كمن غمس يده لا في لحم الخنزير ودمه وقال الصادق عليه
السلام اللعب بالشطرنج شرك والسلام على اللاهي به معصية.

جوئے کی تمام اقسام و انواع، میسر، ہیں مثلا، نرد و شطرنج وغیرہ تمام مفسرین اسی کے
قالیں اور یہی آئمہ اہلیت علیہم السلام سے بھی مروی ہے یہاں تک کہ یہی کہا ہے کہ بچوں کا جزو

سے کھلیتا بھی، قمار، میں داخل ہے لہذا قمار کے ذریعہ روپیہ کمانا اس کے آلات بانا اور بچنا اور اس
گلکہ بیٹھنا جہاں قمار ہو رہا ہو، یہ تمام امور حرام ہیں، حضرت رسالت مآب کا ارشاد ہے نزد کھلینے والا مثل
اس آدمی کے ہے جس کے ہاتھ سور کے گوشت اور خون میں آلوہ ہوں اور جناب امام جعفر صادق
علیہ السلام نے فرمایا یہ کہ شطرنج کھلینا شرک ہے اور شطرنج کھلینے میں جو شخص مشغول ہو اس پر سلام کرنا
گناہ ہے۔ (کنز العرفان: ج ۲ ص ۳۰)

تحريم اشیاء کا عام اصول، ضرر نفع کے تناسب حکیمانہ نظر

يُسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (۲۱۹) (بقرہ)

اے رسول تم سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو تم ان سے
کہو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور (کچھ) فائدے (بھی) ہیں۔ مگر ان کی برائی ان کے نفع
سے بڑھکر ہے۔

شراب، قمار، جوئے کی حرمت پر تو پہلی ہی آیت سے پوری روشنی پڑ چکی تھی لہذا یہ
آیت مخصوص اس غرض سے یہاں پیش نہیں کی ہے کہ ان محترمات کی حرمت واضح کیجائے بلکہ ان
میں سے ان اشیاء کی حرمت کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے جو تحريم اشیاء کے متعلق
شریعت اسلام کا عام بنیادی اصول قرار پاتی ہے، اشیاء مذکورہ کے متعلق یہ بھی فرمایا یہ کہ ان
میں افراد انسان کے لئے منافع بھی ہے، مگر ان کا ضرر بہ نسبت ان کے نفع کے بہت بڑا ہے
اور ان کی وجہ تحریم یہی ہے۔ اس بیان قرآنی سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ نگاہ شریعت اسلام
اشیاء کے منافع ہی پر نہیں پڑتی۔ بلکہ وہ یہ بھی دیکھتی ہیکہ منافع کے مقابلہ میں ضرر و نقصان کا

تناسب کیا ہے، مگر کسی چیز میں ضرر کا پلہ منافع سے بھاری نظر آتا ہے اور نفع کم و نقصان زیادہ دکھائی دیتا ہے تو اسکو حرام قرار دیتی ہے۔

سود کی تحریم بھی اسی بنیادی نظریہ کے ماتحت ہے

اگر غور فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ نفع و ضرر کے تناسب کا یہ اصول صرف تحریم شراب و قمار ہی پر حاوی نہیں ہے بلکہ، تحریم ربوہ۔ یعنی سودی کا رو بار کی حرمت کی بنا بھی اسی اصول پر قائم کی گئی ہے۔

بے قید زندگی اور آزاد زندگی کی خواہش دنیا کے کسی مخصوص دور مادیت کا حصہ نہیں ہے، بلکہ ہر زمانہ میں اہل دولت و ثروت کے دلوں میں مچلتی رہی ہے۔
حضرت شعیبؑ سے اکابر قوم کا یہ خطاب اسی بی چین خواہش کا نتیجہ تھا۔
قالُواٰ يَا شُعَيْبَ أَصَلَّتْكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نُتُرْكَ مَا يَعْبُدُ آباؤْنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ (ھود: ۲۷)

کیا تمہاری نماز کا تم کو یہ حکم ہیکہ جن (بتوں) کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں انھیں چھوڑ دیجیں یا ہم اپنے اموال میں جو کچھ چاہیں نہ کریں، اس عصر فروغ مادیت میں، سود کی حرمت، کا وعظ سننے والے بہت کم ہونے کی وجہ سے یورپ و امریکہ کی بیش از پیش مادی ترقیوں نے عام نگاہوں کو محصور کر رکھا ہے اگر ان کو سودی کا رو بار کے بغیر تجارت و صنعت و حرفت میں تمدن ارتقا کا مکان محفوظ نظر آئے تو یہ امر حیرت انگیز نہ ہو گا، اور اس میں شبہ بھی نہیں کہ جن ممالک میں سرمایہ داری کا طاغونی نظام چلا یا جا رہا ہے وہاں کی ترقیوں کا راز سود ہی کے

اندر مضمرا ہے، اور سودی کا رو بار ہی کی بدولت سرمایہ داروں کو بام عروج پر پہنچنا نصیب ہوا ہے، مگر دیہہ عبرت کے سامنے ان کی تمدنی ترقیوں کو کوئی قابل رشک مرتبہ حاصل نہیں ہے، بلکہ وہ قابل رشک ہونے سے زیادہ قابل عبرت ہیں، بعض چیزوں کی اچھائی اور برائی کے نتائج فوراً نہیں کھلتے بلکہ اس کے لئے طویل عرصہ تک انتظار درکار ہوتا ہے، اور با بار کثرت سے اعادہ کی احتیاج ہوتی ہے، سود خواری کے نتائج کو عاجلانہ نہیں بلکہ صبر آزماء انتظار کر کے دیکھا جائے تو روزمرہ کے واقعات شاہد بن جاتے ہیں کہ اخلاق انسانی کیلئے زہر قائل اور عامہ ناس کی آسائش و بہبود کیلئے بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

زمانہ حاضرہ عام معاشی تشویش و بے چینی و پریشانی کا دور ہے، سود، دشمن انسانیت سرمایہ داری کا پشت پناہ ہو رہا ہے، دولت و ثروت رفتہ رفتہ سمت کر ایک مخصوص طبقے کا حصہ بن گئی ہے، اور کروڑوں عامہ خلاف قفر و فاقہ کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں، جنکی معاشی تباہ کاریوں کا حل نکالنا اہل عقول و تدبیر کیلئے جوئے شیرلانے کے برابر ہو رہا ہے، ایسے زمانہ میں سودی کا رو بار کی مضرت رسائی پر کاوش استدلال و اشتہاری ضرورت باقی نہیں ہے، عیاں را چیاں؟

ضروریات زندگی کیلئے محتاج عوام کا حال خراب یہ بتا دینے کیلئے کافی ہے کہ وہ نظام معیشت جس کی بنیاد سود خوری پر قائم ہے وہ باطل اور شیطانی نظام ہے اور جس نظام کا یہ انجام ہو کہ دنیادو حصوں میں تقسیم ہو جائے، ایک طرف دنیا کی بے انتہا دولت و ثروت کے مالک سرمایہ دار ہوں اور دوسری طرف بے شمار مغلس و نادر نگے بھوکے بندگان خدا، وہ بے شبهہ ایسا نظام ہے جس کے گناہ اس کی مفتوحیوں سے بہت زیادہ ہیں زمانہ حاضر کے سودی کا رو بار کے بڑے بڑے ادارے جھنپنیں بینک کہتے ہیں کیسے ہی عظیم الشان فوائد کے باعث ہیں، مگر وہ محض چند

سرمایہ داروں۔ ساہو کاروں اور پیشہ ور سود خواروں ہی کے لئے ہیں۔ عوام و غرباً کے لئے نہیں۔ لہذا ان کی خوبیوں سے ان کے عیوب و مفاسد عظیم تر ہیں اسی وجہ سے اسلام ہر قسم کے، سود، خواہ وہ قرض کے لیے دین میں ہو یا تجارتی کاروبار میں، بدترین جرم اور کسب معاش کا خبیث ترین طریقہ قرار دیتا ہے، اور اس کا کلی انسداد اسلام کے نظام معيشت کا عظیم ترین نصب العین ہے، آیات قرآنی و احادیث اس پر شاہد ہیں:-

سود خواری کی شدید مذمت

الَّذِينَ يَا كُلُونَ الرَّبِّيَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ
مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرَّبِّيَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَ حَرَمَ الرَّبِّيَا
فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَانْتَهَىَ فَلَمْ يَمْلِأْ مَا سَلَفَ وَ أَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَ مَنْ عَادَ
فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۲۵) (بقرہ) ۲۷۹ (بقرہ)
الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كُفَّارٍ أَئِيمٍ (۲۶) (بقرہ)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) کھڑے نہ ہو سکیں گے، مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے لپٹ کر منبوط الحواس بنادیا ہو یا اس وجہ سے کوہ کہتے ہیں کہ جیسا خریدو فروخت کا کاروبار ویسا ہی سود کا معاملہ، حالانکہ خدا نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے تو جس کے پاس اس کے پور دکار کی طرف سے نصیحت (ممانت) آئی اور بازا آیا پس اس سے پہلے جو وہ لے چکا تو وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے، اور جو پھر لینے گئے (اور تجارت و سود کے معاملہ کو یکساں بتائیا گا) تو ایسے لوگ جہنم ہیں، (اور) وہ ہمیشہ جہنم میں

رہیں گے۔ خدا سود کو (بے برکت کر کے) مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور خدا نا شکر گزاروں۔ گنہگاروں کو دوست نہیں رکھتا:-

باقی ماندہ سود چھوڑ دو ورنہ خدا اور رسول سے جنگ مول لو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنُينَ
(۲۸) فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأَذْنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ
أُمُوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (۲۹) (بقرہ)

اے ایمان دار و اخدا سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا خدا اور اس کے رسول کے ساتھ اٹھائی کے لئے خبردار ہو جاؤ، اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لئے اصل مال ہیں، نہ تم نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے۔

سود در سود کی ممانعت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرَّبِّيَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ . (آل عمران: ۱۳۰)

اے ایمان والو! سود بڑھا بڑھا کر (سود در سود) نہ کھاؤ، اور خدا سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ

سود کی لین دین کی مذمت

وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ رِّبَّا لَيْرُبُو فِي أُمُوَالِ النَّاسِ فَلَا يُرُبُّو عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُمْ
مِّنْ زَكَاءٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ (روم: ۳۹)

اور اگر تم لوگ جو سود دیتے ہوتا کہ لوگوں کے مال میں ترقی ہو تو وہ خدا کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور تم جو زکوٰۃ خدا کی رضا مندی کے ارادے سے دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ (بارگاہ خداوندی سے صلہ) دوچندی لینے والے ہو۔

(۵) عن ابی جعفر علیہ السلام اخبت مکاسب کسب الربوا.
”امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ذرائع کسب معاش میں خبیث ترین ذرائعہ سود ہے۔“

(الکافی: ج ۵، ص ۱۷۲)

عن علیؑ قال: لعن رسول الله ﷺ الربوا و اکله و بایعه و مشتوبیه و کاتبه و شاهدیه۔ ”حضرت امیر المؤمنینؑ راوی ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے سود، سودخوار، خریدنے والے بیچنے والے، معاملہ سود کے لکھنے والے اور گواہوں سب پر لعنت کی ہے۔“

(من لا يحضره الفقيه: ج: ۳ ص ۲۷۵)

سود کی تحریم کی معاشی حکمتیں اور مصلحتیں

احادیث میں ان اغراض و مصالح کو بھی بصراحت بیان کیا گیا ہے، جن کے پیش نظر سودی کاروبار کی ممانعت و تحریم واقع ہوئی ہے، قرآن مجید کی آیات منقولہ بالا میں جو باتیں اشارہ کی گئی ہیں وہ احادیث میں تصریح امام کور ہیں۔

سامع راوی ہیں: (۱) قلت لابی عبد اللہؓ انی قد رأیت اللہ تعالیٰ قد ذکر الربا فی غیر آیة و کررة مال او تدری لم ذلک قلت لا قال لثلا یمتنع الناس من اصطناع المعروف۔ (الکافی: ج ۵، ص ۱۳۶)

میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کی کہ میں نے یہ دیکھا کہ خدا نے سو

کا تذکرہ کئی آئیوں میں مکمل فرمایا ہے حضرت نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہے؟ میں نے کہا نہیں؟ فرمایا اس غرض سے کہ لوگ باہم بینکی کرنے سے بازندر ہنے گیں۔

**اگر سود کا لینا حلال ہوتا تو لوگ تجارت کا کاروبار چھوڑ دیتے
جس کی عام احتیاج ہے**

(۲) عن هشام بن الحكم انه سأله أبا عبد الله عن علة تحريم الربوا
فقال انه لو كان الربوا حلالاً لترك الناس التجارات وما يحتاجون اليه فحرم
الله الربوا التنفر الناس من الحرام الى الحلال والى الحلال و الى التجارات
من البيع والشراء. (وسائل الشيعة: ج ۱۸ ص ۱۲۱)

ہشام بن الحكم راوی ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے سود کے حرام کئے جانے کی علت پوچھی تو حضرتؐ نے فرمایا اگر سود حلال ہوتا تو لوگ تجارت چھوڑ بیٹھتے اور وہ کاروبار جس کی احتیاج ہے اس واسطے خدا نے سود کو حرام کر دیتا کہ، لوگ حرام سے حلال کی جانب اور کرید و فروخت کے کاروبار کی طرف توجہ کریں۔

**وجوه تحریم ربا کے متعلق
امام رضا علیہ السلام کا مفصل ارشاد**

محمد بن سنان راوی ہیں: ان بن موسی الرضاؑ کتب الیہ فيما کتب من جواب مسائلہ و علة تحريم الربا لما نهى الله عز وجل عنه ولما فيه من فساد الاموال لان الانسان اذا اشتري الدرهم بدرهمين كان ثمن الدرهم درهما و ثمن الآخر باطلًا فلبيع الربا و شرائه وكس على كل حال على المشترى و على البائع فحرم الله عز وجل على العباد الربا بالعلة فساد الاموال .. وعلة

تحريم الربا بالنية لعله ذهب المعروف وتلف الاموال ورغبة الناس في الربح ووتر كهم القرض والقرض صنائع المعروف ولما في ذلك من الفساد والظلم وفناة الاموال. (وسائل الشيعة: ج ۱۸ ص ۱۲۱)

امام رضا علیہ السلام میرے سوالات کے جوابات تحریر فرمائے مجملہ ان کی تحریر کیا کہ سود کی حرمت کی علت یہ ہیکہ خدا نے اس کی ممانعت کی ہے اور یہ وجہ ہیکہ اس میں مال کی خرابی و بر بادی ہے اس لئے کے جب انسان نے دو درہم کے عوض ایک درہم خریدا تو ایک درہم تو ایک کی قیمت قرار پایا مگر دوسرا درہم ضائع ہوا، (اس کا کوئی عوض اس کو نہ ملا) اس لئے کہ سود کی خرید و فروخت بہر حال باعث نقصان ہے اور اس وجہ سے سود مال کے ضائع ہونے کا باعث ہے خدا نے اسے حرام قرار دیا، اور قرض کے معاملات میں سود کے حرام کرنے کی علت یہ ہیکہ اس سے بینکی و احسان کرنے کا جذبہ جاتا رہتا ہے مال تلف اور ضائع ہوتا ہے، بغیر مخت نفع خوری کی رغبت پیدا ہوتی ہے قرض جس کا شمار نہیں میں ہے سود کی لائچ میں لوگ اس کو چھوڑ دیتے ہیں (کوئی کسی حاجت مند کو قرض حسنہ دینے پر تیار نہیں ہوتا، اور اس طرح انسانی ہمدردی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے) اور سوداں لئے بھی حرام کیا ہے کہ اس میں فساد و ظلم ہے اور مال کی ناحق بر بادی ہے۔

مندرجہ بالا آیات و احادیث کا خلاصہ

ان آیات و احادیث میں جو باتیں مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(الف) محبت و مروت و ہمدردی و انسانوں کی مستحکم بنیادوں پر انسانی معاشرت کی تعمیر دین اسلام کا عظیم ترین نصب اعین ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد انسان دوسرے کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے، حاجمendoں کی حالت زار پر انسانی احساسات ابھریں اور وہ ان کی حاجت روائی

کی طرف ہاتھ بڑھائے سودخواری کی ذہنیت اس کے برعکس حاجمendoں کی مجبوری سے اپنا اپنا مفاد حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے، اور بالآخر انسانی مروت و ہمدردی و احسان کے جذبات مردہ ہو جاتے ہیں۔ سود کی تحریر میں مقصد شریعت اسی قسم کے بدترین جرائم کا سد باب کرنا ہے۔

(ب) عادت سودخواری کے ساتھ محبت مال و طمع بھی ترقی کرتی ہے، اور اسکی ترقی کی نسبت سے اصول اخلاق و ہمدردی انسانی کے احساسات ختم ہوتے جاتے ہیں، اور آخر کار انسان اخلاق فاضلہ اور انسانیت اعلیٰ اوصاف سے محروم اور مال و دولت کے خمار بدمست ہو جاتا ہے، اور شرف انسانیت کھو دیتا ہے، اور اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص مجنون و مخبوط ہو جائے، ممکن ہیکہ وہ اپنی اس حالت کو عقمندی کا شمرہ تصور کرتا ہے، مگر دراصل وہ پاگل پن ہے، مال و دولت کی محبت میں شرف انسانیت کو نیچ دینا خبط و جنون نہیں تو اور کیا ہے، چونکہ اکثر نفسیاتی ملکات پختہ اور ناقابل زوال ہو جایا کرتے ہیں، اس لئے ان کا اثر آخرت کی زندگی میں بھی نمایاں ہو تو محل تجنب نہ ہونا چاہیے ممکن ہے کہ قرآنی تمثیل، „کما یقول الذين يتبخبط الشيطان من الممس (سورہ بقرہ) اسی بات کی جانب اشارہ ہو۔ اور اسی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہو جو اس کی بد اخلاقی و بد کرداری کے نتیجے کے طور پر اخنوی زندگی میں پیدا ہوگی۔

(تفسیر زبدۃ البیان میں ہے صفحہ ۲۳۱)

والحاصل انهم لا يقومون من قبورهمالی المحسرون بسبب الربوا
وزرره و ثقله عليهم قياما مثل قيام صحيح العقل بل مثل قيام المعجabin
فيسقطون تارة و يمشون على غير الاستقامة اخرى ولا يقدرون على
القيام اخرى.

حاصل یہ کہ وہ لوگ محشر میں اپنی قبروں سے سود کے وباں اور بوجھ کی بدولت اس

طرح نہیں اٹھیں گے جس طرح درست ہوش و عقل والے اٹھتے ہیں۔ بلکہ پاگلوں کی طرح اٹھیں گے گڑپڑیں گے اور بھی لڑکھراتے چلیں گے اور بھی اٹھ بھی نہ سلیں گے۔
 (ج) جو انسان ایک درہم (یا ایک روپیہ) تو ایک درہم (یا ایک روپیہ) کی قیمت ہوتا ہے اور دوسرے کی قیمت ضالع ہو جاتی ہے، اس کو اس کے عوض میں کچھ نہیں ملتا اور بالعکو ایک درہم (یا ایک روپیہ) مفت ہاتھ آتا ہے، اس میں نہ اس کے اصل درہم (روپیہ) کا کوئی دخل ہوتا ہے، اور نہ محنت کا کوئی اثر۔

(د) یہ ایک حقیقت ثانیہ ہیکہ تجارت و صنعت کو معاشی نظام کے رکن اعظم کی حیثیت حاصل ہے، اور انھیں پیسوں کی بدولت عامہ خلاق کی رفائیت کے سامان اور معاشی خوشحالی کے وسائل ہو یا ہو سکتے ہیں اور تمدن کی ترقی اس سے وابستہ ہے، اور ان ذرائع سے موash حاصل کرنے میں آدمی کو محنت اور مشقت کی حاجت ہوتی ہے، برکس اس کے سودی کاروبار میں بے محنت روپیہ ملتا ہے، اب اگر معاشی نظر میں معاملہ سود کے ذریعہ کسب معاش کی اجازت دیدی جائے۔ تجارتی کاروبار کی مشقت و صنعت و مفت کی محنت و تکلیف برداشت کرنے کی طرف رجحان باقی نہ رہے گا، مفت نفع خوری اور آسان طریقہ سے روزی کمانے کی ترغیب ہو گی، اور اس طرح دنیا کا معاشی نظام اتر ہو جائے گا، کیونکہ منافع خلق اللہ تجارت و صنعت و حرفت سے وابستہ ہیں، دنیوی کاروبار بغیر ان کے چلنہیں سکتے۔

(ه) خلق و مردوں و ہمدردی انسانی کے شریفانہ احساسات کا جہاں یہ تقاضا ہیکہ قرض کے ذریعہ سے حاجمندوں کی امداد و امدادی کی ترغیب دی جائے، وہاں یہ بھی ضروری ہیکہ قرض کی لین دین کو پر منفعت کاروبار اور ذریعہ کسب معاش بننے نہ دیا جائے، کیونکہ اس کے دو بدترین نتیجے، ظلم و فنا، اموال، یقینی ہیں، (جنکی جانب حدیث مندرج بالا میں توجہ دلائی ہے) سودی کاروبار کے رواج کی صورت میں ایک طرف غریب حاجمند کو قرض لینا و شوار ہو جاتا ہے، اور

جو لوگ قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، وہ آخر کار ظالم سماں ہو کاروں کی ہوں نفع خوری اور حریصانہ مظلوم کا شکار ہو جاتے ہیں، دوسری طرف ہوا پرست مسروپین کی عادت فضول خرچی کو سہارا ملتا ہے بے جایش و عشرت اور فضول نام و نہود پر اڑانے کے لئے روپیہ بسہولت حاصل ہونے لگتا ہے، پیشہ ور سود خوار سماں ہو کار املاک و جائداد کے مالکوں کو روپیہ بحسب طلب آسانی قرض دیدتے ہیں، اور آخر کار صرف وہی روپیہ فضول مسافر میں ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ امیروں کی ذاتی املاک و جائداد کو بھی اپنے ساتھ کھینچ لے جاتا ہے، بالخصوص مسلمان زمیندار، جاگیرداروں اور صاحب دولت و ثروت گھرانوں کے سودی قرضوں کی بدولت تباہی و بربادی کی عبرت خیز و حسرت ناک مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔

اسلامی نظام نے سودی کاروبار کی روک تھام کے لئے اس قسم کے مظالم اور فاءِ اموال کے تباہ کن واقعات کا کلیتی سد باب کر دیا۔ اور قرض کے معاملات کو باہمی ہمدردی اور حسن سلوک، موساہدة و احسان کے اعلیٰ اخلاق احساسات کی حدود تک محو کر دیا۔ اور بغیر معاوضہ قرض دینے کو عظیم الشان کارخیر کردار شریفانہ قرار دیکر اس کی جانب ترغیب و تعریف میں بڑا اہتمام فرمایا۔ اور قرضداروں کے ساتھ قرض خواہوں کی طرف سے واقع ہونے والی ہر خلاف مردوں و انسانیت بدسلوکی کا انسداد کر دیا۔

قرض سے اعانت کرنیکی ترغیب

من ذاالذى يقرض الله قرضاً حسناً ويضاعفه له اضعافاً كثيرة والله يقبض وَيَسْطُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ (بقرہ: ۲۴۵)

(۲) إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قُرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفُهُ لَكُمْ وَيَغْفِرُ لَكُمْ (۷۱)

وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے تاکہ خدا اس کے مال کو اس کے واسطے کئی گناہ بڑھادے اور خدا ہی تنگدست کرتا ہے اور وہی رزق کی کشاش عطا کرتا ہے، اگر تم خدا کو قرضہ حسنہ دو گے تو وہ اسکو تمہارے واسطے دگنا کر دیگا، اور تم کو بخش دیگا۔ (سورہ تغابن: ۱۷)

حدیث ہنویٰ ہے، (۳) من شکیٰ الیه اخرہ المسلم فلم يقرضه حرم اللہ عزو جل علیہ الجنۃ یوم یجزی المحسنین (وسائل الشیعہ: ج ۱۶ ص ۳۹۰) جس کے پاس اسکا بارادر مسلم اپنی تنگدستی کی شکایت لایا اور اس نے اسے قرض نہ دیا تو خدا اس کو جنت سے اس دن محروم رکھے گا جس میں نیکوکاروں کو جزا دیگا۔

**تنگدست و نادار قرضدار کو مہلت دینا چاہئے
اور قرض کو معاف کر دینا بہتر ہے۔**

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةً فَنِظِرْهُ إِلَى مَيْسَرٍ وَأَنْ تَصَدِّقُوا خَيْرُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (بقرہ: ۲۸۰)

اگر (تمہارا قرضدار) تنگدست ہو تو اس کو خاصلی تک مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ بہتر ہے کہ اصل بھی بخش دو۔

**قانون شرع اسلام میں
تنگدستی و ناداری کے حدود قرض میں سامان خوارک، لباس - مسکن
خادم صرف نہ کیا جائے**

کنز العرفان میں ہے: والمراد بالمعسر عندنامن يعجز عن اداء ماعليه من الدين ولا يحسب عليه قوت يومه ودست ثوبه ودارسكناه وخدمة المعتاد فان ذلك لا يجب صرفه في الدين فإذا تحقق العجز عمما عدا ذلك

**وجب الانظار و حرم المطالبة والحبس ومع القدرة تحمل المطالبة
ويجوز الحبس قال لى الواحد يحل عقوبته والتى المطل والعقوبته الحبس.**
(کنز العرفان: ج ۲ ص ۸۰)

معسر سے مراد ہمارے نزدیک وہ آدمی ہے جو اپنا قرض ادا کرنے سے عاجز ہو روز کا خوارک، کپڑے، مکان، اور خادم جس کی عادۃ احتیاج ہوتی ہے یہ چیزیں محسوب نہ ہو گی اور ان کو موجود ہوتے ہوئے ”معسر“ یعنی نادار و تنگدست قرار دیا جائے گا۔ ان چیزوں کا قرض میں صرف کرنا واجب نہیں بلکہ ان چیزوں کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ ہونے سے اس کا عجز ثابت ہو تو اس کو مہلت دینا واجب ہو گا، اور مطالبة قرض اور اسے قید کرنا حرام ہو گا، اور بلکہ وہ ادائے قرض پر قدرت رکھتا ہو تو مطالبة حلال اور قید کرنا جائز ہو گا، جناب رسالت مآبؑ نے فرمایا ہے کہ ادائے قرض کی قدرت رکھنے والا مٹول کرے تو اس کو سزا قید کرنا حلال ہو گا۔

قرض دینا تصدق کرنے سے بہتر ہے

عن أبي عبد الله قال النبي الف درهم اقرضها مرتين احب الى من ان اتصدق بها امرة وكمالا يحل لعزيزيك ان يمطلق وهو معسر فكذا لا يحل لك ان تعسره اذا علمت انه معسر۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۸ ص ۳۳۸)

حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مردی ہے کہ جناب رسالت مآبؑ نے فرمایا کہ میں ایک ہزار درهم کو اگر دو دفع کر کے قرض دوں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ یکبارگی تصدق کر دوں اور جس طرح تمہارے قرضدار کیلئے جائز نہیں ہے کہ خوشحال ہوتے ہوئے ادائے قرض میں ٹال مٹول کرے اسی طرح تمہارے لئے بھی حلال نہیں ہے کہ اس کی تنگدستی کا حال

معلوم ہوتے ہوئے اس پر سختی کرو۔

حاجتمندوں کیلئے قرض لینا جائز ہے اور
بے ضرورت قرض لینا مکروہ ہے
بعض صورتوں میں حرام بھی ہے

جہاں حاجتمندوں کیلئے قرض کی لین دین کو حسن سلوک و کرم اخلاق کا بلند ترین مرتبہ
قرار دیا ہے وہاں بے ضرورت قرض لینے کی ممانعت بھی کی ہے اور بعض حالات میں قرض لینا
حرام بھی قرار دیا ہے۔

کنز العرفان میں ہے، ابا حاتم السد انه لانه اماما قد يضطر الانسان اليه
فی معاشه فتكون سایحة ولا نبی اسند ان و کذا علی علیه السلام و جماعة
من الائمه عليهم السلام نعم هو من غير ضرورة مکروہ لقوله صلى الله عليه وسلم
سلم ایاکم والدین فانه مذلة بالهار و مهمة باللیل و قدیحوم اذالم یکن له ما
یقضیه به فانه خدیعه ویقوی عندي اذالم یکن البائن مطلقا على حالة
والا فالکراهة شدیة و قبول الصدقة له اولی من الاستدامة .

قرض لینا اس لئے مباح ہے کہ انسان اپنے معاش کے بارے میں کبھی اس کا محتاج
ہوتا ہے لہذا اسکو جائز ہونا چاہئے۔ اور اس لئے کہ خود جناب رسول نے قرض کیا اور اسی طرح
حضرت علی اور ائمہ یہاںم السلام بھی قرض لیتے تھے، البتہ بے ضرورت قرض لینا مکروہ ہے کیونکہ
جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ تم قرض سے پچھو کیونکہ وہ دن میں باعث ذلت و رات کو باعث
فلک مندی ہوا کرتا ہے اور جب ادا کرنے کا ذریعہ اپنے پاس نہ ہو تو ایسی صورت میں قرض لینا
حرام ہے اس لئے کہ وہ فریب ہے، اور میرے (یعنی صاحب کتاب فاضل مقدار کے)

زدیک قول قوی یہ ہے کہ ایسے نادر و مغلص کا قرض لینا حرام اس وقت ہوگا جبکہ قرض دینے والا
اسکی ناداری و بے مالگی کے حال سے نادا قف ہو، ورنہ مکروہ ہوگا، اور کراہت شدید ہوگی ایسے
آدمی کے لئے صدقہ قبول کرنا قرض لینے سے بہتر ہے۔

قرض کی مذمت، کفر و قرض

بے ضرورت دونوں برابر ہیں

حدیث نبویؐ میں ہے: اعوذ بالله من الكفر الدین قیل یا رسول الله أیعدل
الدين بالکفر قال نعم؟ (بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۱۳۱)

آنحضرتؐ نے فرمایا، میں کفر و قرض سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس پر کسی نے کہا یا
رسول اللہ آپ کو قرض کو کفر کے برابر ہراتے ہیں تو فرمایا، ہاں ایسا ہی ہے۔

راہ خدا میں شہید ہو جانا ہر گناہ کا کفارہ ہے سو اقرض کے

عن ابی جعفر علیہ السلام قال کل ذنب یکفرہ القتل فی سبیل الله
الا الدین لا کفارۃ الا ادائہ و یقضی صاحبہ او یغفو الذی لہ الحق

حضرت محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں شہید ہونا
ہر گناہ سے پاک کر دیتا ہے سو اقرض کے کہ اس کا کفارہ صرف اس کا ادا کرنا ہی ہے یا تو شہید
ہونے والے کی طرف سے اسکا کوئی ساتھی (یا وارث) ادا کرے یا جس کا حق ہے وہ معاف
کر دے۔ (من لا یحضره الفقیہ: ج: ۳ ص ۳۷۸)

ادانہ کرنے کی نیت سے قرض لینے والا چور ہے

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا: من استدان دینا فلم یتوی قضائے کان بمنزلة السارق . (تهذیب الاحکام: ج ۲، ص ۱۹۱)

جس نے قرض لیا اور ادا کرنے کا ارادہ نہ تھا تو وہ شخص گویا چور ہے۔

غنى کی ٹال مٹول ظلم ہے

حدیث نبوی ہے، مطل الغی ظلم۔ ادائے قرض میں غنى کی ٹال مٹول ظلم ہے۔

ناداروں کے جائز قرضے کا ادا کرنا حکومت اسلام کے ذمہ ہے
اس کیلئے خاص انتظام

جن قرضداروں کیلئے قرض ادا کرنا ممکن نہیں ان کی گلو خلاصی و سبکدوشی کیلئے مرات خیر میں
مخصوص حصہ فرا دیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤْلَفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيْضَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيْمٌ حَكِيمٌ (التوبہ: ۶)

مال صدقات تو بس فقیروں اور ناداروں کا حق ہے، اور ان لوگوں کا جو (زکوہ وغیرہ کی وصول کے) کارندے ہیں اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلب کی گئی ہے اور غلاموں کی (غلام کے پھندے سے) گلو خلاصی میں اور قرضداروں کا جو خود ادا نہیں کر سکتے یہ حقوق (خدا کی طرف سے فرض قرار دئے گئے ہیں، اور خدا بڑا صاحب علم اور حکمت والا ہے۔

ارشاد الہی میں، غارمین، سے
کون لوگ مراد ہیں

کنز العرفان میں ہے۔ الغارمون و هم الذین رکبتهم الديون فی غير معصية بل فی نفقة واجبة او معاش مباح۔

غارمین سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر بار قرض ہو گا مگر خدا کی معصیت میں نہیں بلکہ نفق واجبة یعنی ان لوگوں کی ضرورتوں میں جن کا نفقة ان پر واجب ہے یا یا نفقہ مستحب یعنی ان جو لوگوں کے متعلق جن کی مالی امداد مستحب ہے یا معاشر مباح یعنی ان اسباب معيشت میں جو شرعاً مباح قرار دیئے گئے ہیں۔

اس سے پہلے اس بات کا تذکرہ گذرا کہ مفلس قرضداروں کے جائز قرضوں کا ادا کرنا خدا کی طرف سے رسول و امام کی ذمہ داریوں میں داخل کیا گیا ہے،

نادار کا قرض ادا کرنا فریضہ امام ہے

حدائق ناضرہ میں ہے: المفهوم من جملته من الاجار انه متى لم يتمكن المديون من اداء الدین و وجب على امام ان يودى عنه من سهم الغارمين اذا كان قوله انفق ما اشد انه في طاعة او في مباح فلو انفاقة في معصية لم يكن له ذلك۔

حدیث سے یہ بات سمجھی گئی ہے کہ جب قرضدار اپنا قرض ادا نہ کر سکے گا تو امام پر واجب ہو گا ”سم غارمین“، (وہ حصہ جو بنا بر حکم قرآنی قرضداروں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے) سے ادا کریں بشرط کہ قرضداروں نے روپیہ طاعت خداومباح کاموں میں خرچ کیا ہو۔ پس اگر خدا کی نافرمانی میں خرچ کیا گیا ہو گا تو اس کا ادا کرنا امام پر واجب نہ ہو گا۔

نظام اسلامی کی طرف مشترک
کاروبار کی رہنمائی

قرآن و حدیث کے منقولہ بالاشواہد سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ تمدن کی ترقی درمنفعت اور خوشحالی کو عام بنانے کے لئے زراعت و تجارت صنعت و حرفت کو فروغ دینا اسلامی نظام کا عظیم الشان نصب اعین ہے اب صرف یہ بتادینارہ گیا ہے کہ نظام اسلامی صرف انفرادی کاروبار ہی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اجتماعی کاروبار کی راہیں بھی کھولتا ہے اس کے ماتحت زمانہ حاضرہ کے بینکوں اور کاپیٹیو سوسائٹیوں کے ایسے سودی کاروبار کے ادارے تو قائم نہیں کئے جاسکتے مگر وہ تعاون ”علی البر والتوئی“ کے قرآنی اصول پر مشترک کاروبار کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور امداد باہمی کے سچے جذبے کے پیش نظر ایسے اجتماعی ادارات و مجالس (سوسائٹیوں) کے قیام کی راہیں کھلی رکھیں جو سرمایہ دار اور غریب عامل دونوں کے واسطے یکساں مفید ہو سکتے ہیں، فقہ اسلامی کے ابواب عقود و معاملات میں اس طرح کے صحیح وسائل معاش کی تفصیلات مذکور ہیں، اس مختصر مضمون میں انکی گنجائش نہیں نکل سکتی، لہذا بعض کی طرف اشارہ کردینے پر قاعبت کر لینا مناسب ہے۔

شرکت عنان یا شرکت اموال

انما تصح بالاموال و يتساوى الشریکان في الربح والخسران مع تساویه ولو كان لاحد هما زيادة كان له من الربح بقدر راس ماله ولذا عليه من الخسارة ولو شرا لاحد هما زدة في الربح مع تساوى المالين او التساوى في الربح والخسران مع تفاوت المالين قيل تبطل الشركة اعني الشروط التصرف الموقوف عليه وقول تصح الشركة والشرط الاول اظهر.

(شرعی الاسلام: ج ۶ ص ۳۷۵)

ہمارے نزدیک صرف شرکت اموال صحیح ہے اور جبکہ دونوں شرکیں مال برابر کی

شرکت رکھتے ہوں تو نفع و نقصان میں بھی مساوی ہوں گے، اور اگر کسی ایک کام زیادہ ہو گا تو نفع میں اس کا حصہ بقدر اس کے اور ان اعمال کے ہو گا اور اس پر خسارہ بھی اسی نسبت سے محسوب ہو گا اور اگر معاملہ شرکت میں باوجود دونوں کے مالوں کی برابری کے ایک شرکت کے واسطے نفع کی زیادتی یا باوجود مالوں میں تفاوت ہو نیکے نفع و نقصان میں برابری کی شرکت کی جائے تو (اس صورت میں صحت معاملہ شرکت میں اختلاف ہے) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شرکت باطل ہو جائے گی یعنی شرط و تصرف اس پر موقوف ہے دونوں باطل ہوں گے اور بعض فقہاء کا قول ہے کہ شرکت صحیح ہو گی اور اول (یعنی بطلان شرکت) اظہر ہے۔

حدیث میں ہے: ان کان رب حافه و بینہ ما و ان نقصانا فعليهمما.

(وسائل الشیعہ: ج ۹ ص ۶)

اگر نفع ہو گا تو دونوں کے درمیان تقسیم ہو گا اور اگر نقصان ہو گا تو اس میں بھی دونوں شرکیں رہیں گے۔

مضاربة

حدائق ناضرہ میں ہے: ہی عقد شرعی لتجارت الانسان بمال غیرہ بحصة من الربح.

”مضاربة“ ایک شرعی معاملہ ہے جس میں ایک شخص دوسرے کے مال سے نفع کے ایک حصہ کے عوض تجارت کرنا ہے۔

جو اہر الكلام میں ہے۔ المضاربة دفع الانسان الی غیرہ مالا ليعمل فيه بحصة من ربحه.

”مضاربة“ یہ ہے کہ انسان کچھ مال بغرض تجارت کسی کو دے اور مقابل عمل نفع میں

کوئی حصہ اسکا مقرر کرے۔

ان تعریفوں سے ظاہر ہوا کہ ”مضاربہ“، ارباب دولت و مال اور غریب و نادار کے تعاوون سرمایہ و محنت کے اشتراک عمل و مقصد اور اس ذریعے سے امداد باہمی کے اعلیٰ نصب لعین کو حاصل کرنے کیلئے بہترین طریقہ ہے اور یہ ایک ایسا تجارتی معاملہ ہے۔ جس میں ایک طرف سرمایہ اور مال و متنازع ہوتا ہے اور دوسری طرف عمل و محنت ہوتی ہے اور منافع میں حسب قرارداد تراضی طرفین اشتراک عمل ہوتا ہے ایک شخص اپنے سرمایہ سے ایسے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے جو دیانت کے ساتھ تجارتی کاروبار کا سلیقہ ہونے کے باوجود نادار اور بے سرمایہ ہے اور وہ اپنی محنت و سلیقہ عمل سے مالک سرمایہ کی منفعت کا باعث ہوتا ہے۔

اجارہ محنت و مزدوری

حدیث منقولہ بالا میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: وَمَا وَجَهَ الْأَجَارَةَ فَقُولَهُ عَزَّوَ جَلَّ ... نَحْنُ قَسْمَنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفْعَنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ ذَرَجَاتٍ ... الْآیَة (زخرف: ۳۲)

(وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۱۰۳)

وسائل معاش میں طریقہ اجارہ کا تذکرہ اس ارشاد خدادندی میں ہے: نحن قسمنا بینہم، یا آی مبارکہ اس سے پہلے زیر بحث آچکی ہے بیہاں اس کے معنی مراد پر مزید روشنی ڈالنا مقصود نہیں ہے صرف اس قدر گذارش کافی ہے کہ ارشادِ بانی میں ان وسائل معاش کی طرف نہایت جامع و پرمument الفاظ میں توجہ دلائی گئی ہے جن کا تعلق غدمت، مزدوری، محنت و اجرت سے ہے فقة اسلام کے باب میں، باب اجارہ، کوڑی اہمیت حاصل ہے ازیں جو تفصیلات مذکور

ہیں ان کا بیہاں ترک کر دینا نگزیر ہے اس مقام پر چند احادیث پیش کی جاتی ہے جن سے ظاہر ہو جائیگا کہ انسان کی محنت و عمل کی اسلام کی نظر میں کتنی عظیم قدر و قیمت ہے۔

کام لینے سے پہلے اجرت طے کر لیا کرو

حدیث میں ہے: نہیٰ رسول اللہ ان یستعمل اجيرا حتى یعلم ما اجرته، جناب رسول خدا صلم کا حکم ہے اجرت معلوم کر لینے سے پہلے کسی اجیر (مزدور) سے کام نہ لیا جائے۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۱۰۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلا یستعملن اجيرا حتى یعلم ما اجرته۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۱۰۲)
جو آدمی خدا اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے اسے ہرگز کسی اجیر سے کام نہ لینا چاہئے جب تک یہ نہ معلوم کر لے کہ اسکی اجرت کیا ہوگی۔

مزدور کی اجرت اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ادا کردو

حدیث نبوی میں ہے: اعط الاجير حقه قبل ان یجف عرقہ۔
مزدور کا حق اس کا پسینہ خٹک ہونے سے پہلے ادا کردو۔

(مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۹)

مزدور کے حق اجرت میں ظلم کر نیوالا ملعون ہے، خدا اس کو نہ بخشمے گا

نیز آنحضرت کا ارشاد ہے:

(۱) ملعون من ظلم اجیر اجرہ۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۹)

(۲) ان الله خافر كلی ذنب الامن حجد مهرا او اختصب اجيرا

جس نے مزدور کی اجرت کے بارے میں ظلم کیا وہ ملعون ہے۔

(مستدرک الوسائل : ج ۱۳ ص ۳۱)

خدا ظاہری گناہ کا بخششے والا ہے مگر دو شخصوں کو معاف نہ کریگا، ایک، جس نے عورت سے مہر کا انکار کیا، دوسرا، جس نے مزدور کی اجرت مار لی۔

جناب رسول خدا صلم مزدوروں کی حمایت میں

ان النبیٰ قال ثلاثة انا خصيمهم يوم القيمة . رجال تاجر اجيرا

فاستوفی منه ولم يوف اجره . (مستدرک الوسائل : ج ۱۳ ص ۳۱)

جناب رسول نے فرمایا کہ بروز قیامت میں تین قسم کے لوگوں کا فریق مقابل بنوں گا (ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں) جو مزدور سے کام لے کر اجرت پوری نہیں دیتے۔“

چرخاوہ کھدر

ختمنے مضمون میں اس بات کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ زمانہ حاضرہ میں چرخے اور کھدر کو روانج دینے میں عظیم الشان جدوجہد کی جا چکی ہے اسکی افادی حیثیت کا تجربہ بھی ہو چکا ہے، مگر اس کو زمانہ حاضر کے مترقبے کی مفترضہ دورانیش لیڈر کی جدت طرزی نہ سمجھنا چاہیئے، وہ کوئی نئی تحریک نہ تھی بلکہ تیرہ صد یوں سے اسلام کے نظام اقتصادی میں اس کو نمایاں جگہ حاصل ہے اور اسکی اہمیت کے لئے صرف مندرجہ ذیل احادیث و اخبار کافی ہیں:

**سوت کا تنے کی ہدایت عورت کے لئے
یہ گھر بیلوں کا مسب سے بہتر ہے**

(۱) قال رسول الله صلی الله علیہ وآلہ: نعم شغل المرأة

المؤمنة المغزل

جناب رسالتہاب صل اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ مومنہ عورت کا بہتریں مشغله چرخا ہے۔
نیز حدیث نبویؐ ہے، (۲) عملو هن العزل، عورتوں کو سوت کا تنا سکھاؤ۔

جناب فاطمہ زہراء صلوات اللہ علیہا کے چرخہ کی عظمت و اہمیت

جناب سید رضی الدین علی بن طاؤس نے کتاب لہوف میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:
(۳) قال يزيد لعلى بن الحسين عليهما السلام اذكر حاجاتك
الثلاثة وعدتك بقضائهن (الى ان قال) قال والثانية ما نزد علينا ما
اخذ منا (الى ما قال) وانما طلبت ما اخذ منا لان مغزل فاطمة بنت محمد
صلی الله علیہ و آله (مستدرک الوسائل)

یزید نے حضرت امام زین العابدین علی بن احسین علیہما السلام سے کہا کہ وہ تین
حاجتیں مانگو، جس کے پورا کرنے کا میں نے وعدہ کیا ہے: (اماً نے مجملہ ان کے یہ بھی فرمایا کہ
میری جو چیزیں جھینیں ہیں ان کو واپس کر دے اور میں ان چیزوں کو اس وجہ سے مانگتا ہوں کہ
اس میں حضرت فاطمہ زہرا کا چرخا بھی ہے۔



خاتمة کلام

اس مضمون میں اسلام کے نظام معيشت و اقتصاد کا جو منحصر و مجمل خاکہ پیش کیا گیا ہے اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ نہ نظام سرمایہ داری ہے اور نہ نظام اشتراکیت و اشتہالیت، بلکہ بنیادی طور پر ان سب سے جدا ایک معتدل نظام ہے جس کے وسیع دامن میں ان کی تمام خوبیاں موجود ہیں، اور تمام خرابیاں اور بے اعتدالیاں اس سے خارج ہیں، فطرت کے دباؤ نے مخفف دنیا کا رخ اسی منح اعتدال و مسلک اقتصاد کی جانب موڑ دیا ہے، ذہنیت سرمایہ داری اب محنت کش غریبوں کی مفاد سے ڈچپی اور احساس ہمدردی کی نمائش کرنے لگی ہے اور طبیعت اشتراک حق اور تفاوت درجات معيشت کے خلاف جنگ میں اعتدال پسندی کی طرف مائل ہے، یہ تدریجی انقلاب ذہنیت و استحالہ طبیعت اس حقیقت کو ناقابلِ اشتباہ بنارہا ہے کہ نظام اسلامی ہی مکمل، معتدل و فلاح یافتہ ہے اور وہ دن توقعات کے حدود سے باہر نہ ہونا چاہئے جس میں ساری مخفف دنیا اسی منح اعتدال و اقتصاد پر گامز نظر آئے اور ارشادِ بانی ہے:

**هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الَّدِينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ
المُشْرِكُونَ** (سورہ توبہ: ۳۳)

کا مضمون واقعہ اور حقیقت بن کر نگاہوں کے سامنے آجائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

تمام شد

ہرست کتاب

| صفحہ نمبر | نمبر شمار | مضمون |
|---|-----------|--|
| ۱۱-۵ | ۱- | ایک نظر ----- تعارف |
| ۱۵ | ۲- | اسلام کا معاشی نظام |
| قبل ظہور اسلام عرب کی دینی و معاشی ابتری، اور اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ | ۳- | حضرت جعفر طیاری کی تقریر |
| ۱۶ | ۴- | حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا بیان |
| ۱۷ | ۵- | اسلام ایک قابل عمل نظام ہے جو عملی دنیا میں کامیاب ہو چکا ہے |
| ۱۹ | ۶- | قرآنی تعلیمات سے روگردانی کا انجام |
| ۲۰ | ۷- | عالم اسلام کے انقلاب ذہنیت اور اس کے متانج کی بابت آنحضرت گی خبر غیب |
| ۲۱ | ۸- | چند بنیادی باتیں جن پر اسلامی نظام معيشت کا سمجھنا موقوف ہے |
| ۲۲ | ۹- | اسلام مذہب عمل ہے، عمل اس کا عین حقیقت ہے |
| ۲۳ | ۱۰- | سارا ایمان عمل ہے |
| ۲۴ | ۱۱- | تمام اعضاء و جوارح کا ایمان میں حصہ ہے |
| ۲۵ | ۱۲- | اسلام کے نزدیک مفہوم عبادت بہت وسیع ہے |
| ۲۵ | ۱۳- | اپنے بچوں کو پیار کرنا کبھی عبادت ہے |
| ۲۶ | ۱۴- | پیاس سے جانوروں کو پانی پلانا بھی عبادت ہے |
| ۲۶ | ۱۵- | اسلام مذہبِ عدل و اعتدال اور انسان کا قدر بیمترین مذہب ہے |
| ۲۷ | ۱۶- | دنیا میں تبلیغ اسلام کی غرض قیام عدل و انصاف ہے |

- ۴۹۔ نہ موم دنیا کی تصویر
۴۹۔ دنیا کا قابل مرح پہلو
۵۰۔ دنیا آخرت کی اچھی مددگار ہے
۵۰۔ پرہیزگاری کے لئے دولت اچھی مددگار ہے
۵۱۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے
۵۱۔ طلب دنیا کے پاک مقاصد ذاتی نفع کے ساتھ دوسروں کی منفعت کا خیال
۵۱۔ کسب دنیا کے اعلیٰ مقاصد جو اس کو طلب آخرت بنادیتے ہیں
۵۲۔ زہد کی تعریف اور اس کی حقیقت
۵۳۔ زہد کا حاصل قرآن کے دلکشیوں میں ہے
۵۳۔ خدا کی طرف سے حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لینے کی مذمت
۵۵۔ مال کو ضائع کرنا یا حلال کو حرام کر لینا زہد نہیں ہے
۵۵۔ اگر مقصود رضاۓ خدا ہو تو انسان دنیا و مافیہا لے کر بھی زاہد ہو سکتا ہے
۵۶۔ حرام سے بچنا زہد ہے
۵۸۔ انسان دولت کمانے اور خرچ کرنے میں پیش خدمت سول ہوگا
۶۰۔ اسلام نظام معيشت کا دوجلوں میں خلاصہ۔ پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کر
۶۳۔ زمین اور اس کی پیداوار میں تمام انسانوں کا حق برابر ہے
۶۶۔ وہ پیداوار زمین مباح الاصل ہے جو ذریعہ معاش انسان بن سکتی ہے
۶۸۔ حلال و حرام کا فلی اصول۔ وہ چیزیں اور کسب معاش کے وہ طریقے حرام ہیں جن سے بدن و روح میں فساد پیدا ہوتا ہے۔
۷۸۔ لفظ ”طیب“ کے معنی
۷۹۔ اسلام کے نزدیک معاشریات تابع اخلاق ہیں نہ کہ اخلاق تابع معاشریات
۷۱۔ کسب معاش کی باعتبار حکم شرعی پانچ فتمیں

- ۲۸۔ انسان کے لئے کوئی نظام معاشی مناسب ہوگا
۲۸۔ انسان کی حقیقت کیا ہے
۲۹۔ انسان حیوان ہے کر بھی غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بن سکتا۔
۳۰۔ حیوانیت و انسانیت کے حدود
۳۱۔ عالم کے غیر متعین نظامات معيشت کی دو قسمیں
۳۲۔ صرف اسلام کا کائنات معاشی متعین اور مطابق فطرت انسانی ہے
۳۳۔ اعمال انسانی کی بنیاد و قسم کے نظریہ ہیں نظریہ الماد والمنہجی اور نظریہ خدا پرستی
۳۵۔ اعمال انسانی کی بنیاد و قسم کے نظریہ ہیں نظریہ الماد والمنہجی اور نظریہ خدا پرستی
۳۵۔ نظریہ مادیت والخدا اور نظریہ خدا پرستی کے متعلق مفصل بیان قرآنی بشكل مکالمہ
۳۸۔ انسان کا مقصد اہم خوف و حزن سے نجات ہے اور وہ صرف زبانی ہدایت نامہ سے پورا ہو سکتا ہے
۳۹۔ اسلام کے نظام معاشی کا مختصر خاکہ انسان کا خدا سے تعلق
۴۰۔ انسان تہائیں پیدا کیا گیا
۴۰۔ اگرچہ انسان دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے مگر دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے
۴۱۔ دنیا و مافیہا میں تصرف کی دو ضروری شرطیں
۴۲۔ دنیوی زندگی سلسلہ حیات کی ایک کڑی ہے۔
۴۳۔ دنیا بھی انسان کی اور آخرت بھی
۴۴۔ پرہیزگاروں کا دو گناہ سہ
۴۵۔ خدا کو بھونے کا انجمام ضيق معيشت ہے
۴۶۔ ربط دنیا و آخرت کے متعلق اسلامی نقطہ خیال
۴۷۔ حقیقت و ماہیت دنیا
۴۸۔ مقصود اور طریقہ تخلیق پر دنیا کے مدد و مدد اور مذموم ہونے کا مدار ہے
۴۹۔ دنیا کی دو قسمیں ہیں

- ۷۶۔ دنیا چھوڑ دینے والوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی، اصحاب رسول گا ایک نصیحت خیر واقعہ ۸۲
- ۷۷۔ ارشادِ نبوی، سوال کرنا، بھیک مانگنا بہت برآ کام ہے ۸۳
- ۷۸۔ جو مسلمان لوگوں سے سوال کرے گا خدا اس کے آنکھوں کے درمیان یہ لکھ دے گا ۸۳
کہ یہ شخص تا قیامت فقیر ہے گا
- ۷۹۔ ایک درسوال کا کھوٹا فقیری کے ستر (۷۰) دروازوں کے کھلنے کا باعث ہوتا ہے ۸۳
- ۸۰۔ لکھریان چن کر بیچنا اور اس سے اپنا رزق حاصل کرنا سوال کرنے سے بہتر ہے ۸۳
- ۸۱۔ ہمارا پیر و وہ آدمی ہے جو بھوکا مر جائے مگر بھیک نہ مانگے ۸۵
- ۸۲۔ ایک جماعت انصار کا بہترین طرز عمل۔ اتباع امریٰ کا اعلیٰ نمونہ ۸۵
- ۸۳۔ بھیک مانگنے والے کی لوگوں کی لائق قول نہیں ۸۶
- ۸۴۔ دکانداری و تجارت کی ہدایت ۸۶
- ۸۵۔ تجارتی کاروبار اپنی پیشہ بناؤ ۸۷
- ۸۶۔ تجارت و دستکاری ۸۷
- ۸۷۔ صنعت و حرفت کی ترقیب ۸۷
- ۸۸۔ جب مومن صاحب حرفت نہیں ہوتا تو دین فروشی کرتا ہے اور دین ہی کو ذریعہ ۸۸
معاشر بناتا ہے۔
- ۸۹۔ زراعت پرورش حیوانات و باغبانی ۸۹
- ۹۰۔ کاشتکاری و باغبانی ۹۰
- ۹۱۔ خدا کو سب سے زیادہ پسند پیشہ کاشتکاری ہے ۹۱
- ۹۲۔ باغبانی ۹۲
- ۹۳۔ سیرت نبوی و سیرت دیگر پیشوایان اسلام ۹۳
- ۹۴۔ روایات مندرجہ بالا کے مضمین کا خلاصہ ۹۴
- ۹۵۔ اجرت کے کاموں سے تجارت بہتر ہے اور اس کا سبب ۹۵

- ۷۶۔ تذکرہ ایمان و تقویٰ و صلاح کا مریں تکرار کی مصلحت ۵۹
- ۷۷۔ ایک دوسرے کامال نا حق نہ کھایا کرو ۶۰
- ۷۸۔ معاشی جدوجہد کی اہمیت اسلام کی نظر میں طلب معاش فریضہ ہے اور بہترین ۷۵
- عبدالت
- ۷۹۔ عیال کے لئے روزی کمانے میں محنت کرنے والا را خدا میں جذاکرنے والے کا ہمسر ہے ۷۶
- ۸۰۔ مددوں سرمایہ داری، حلال طریقے سے اغراضِ صحیحہ کے لئے مال جمع کرنا چاہیے ۷۶
- ۸۱۔ صدرِ حجی اور شفاوت کا دُگنا اجر ۷۷
- ۸۲۔ طلبِ دنیا کے اعلیٰ مقاصد درسوال سے بے نیاز ہونا اور ہمسایہ پر مہربانی کرنا ۷۷
- ۸۳۔ اپنے دست و بازو کی محنت سے کما کر کھانے والا ثواب انبیاء حاصل کرے گا۔ خدا ۷۸
- ۸۴۔ اس پر نظرِ محنت کرے گا اور کبھی اس پر عذاب نہ ہوگا ۷۸
- ۸۵۔ مرد کا سب خدا کا محبوب ہے ۷۸
- ۸۶۔ دنیا کے کام طرح کرو کہ گویا تمہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اور کار آخہ اس طرح کرو کہ گویا کل ہی مرنا ہے ۷۸
- ۸۷۔ سب سے بڑا اجر اس آدمی کا ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے دوڑھوپ کرتا ہے ۷۹
- ۸۸۔ جو شخص عیال کو ضائع کر دیتا ہے، ان کی خدمت نہیں کرتا وہ ملعون ہے ۸۰
- ۸۹۔ روزی کمانے میں کاہلی کی نہمت ۸۰
- ۹۰۔ بے صبری اور کاہلی سے بچو ۸۰
- ۹۱۔ ارشادِ نبوی۔ جو آدمی منہ کھولے خدا سے روزی کے لئے دعائیں مانگتا ہے اور طلب رزق نہیں کرتا اس کو میں دشمن رکھتا ہوں ۸۰
- ۹۲۔ جس آدمی کو روزی کمانے میں شرم نہیں آتی اس کا بارہ کا دل مسروار عیال خوشحال رہتے ہیں۔ ۸۱
- ۹۳۔ جو شخص گھر میں بیٹھا رزق کی دعا کیں مانگتا ہے اور طلب رزق کے لئے نہیں نکلتا ۸۱
- ۹۴۔ اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی

- ۹۶۔ "أصول اجمائی فی الطلب" تھیصل رزق کے لئے سعی و محنت کے عدہ طریقے ۹۳
اختیار کرو
- ۹۷۔ اصول اجمائی فی الطلب کا خلاصہ ۹۳
- ۹۸۔ طلب رزق کے معتدل حدود ۹۳
- ۹۹۔ حریفانہ مقابلہ و مفارحت کے خیال سے بطریق حلال تھیصل دولت و مال بھی ۹۵
باعث غضب الٰہی
- ۱۰۰۔ پرہیزگاری و خوش کرداری کا افراؤش رزق میں دخل ہے ۹۶
- ۱۰۱۔ ملکی معاش اور زوال نعمت کے اسباب ۹۷
- ۱۰۲۔ افراؤش رزق حسن نیت سے وابستہ ہے ۹۷
- ۱۰۳۔ توکل بھی وسعت رزق کا ذریحہ ہے ۹۷
- ۱۰۴۔ حکم طلب معیشت اور حکم توکل میں ضریب نہیں ۹۸
- ۱۰۵۔ تدیر کے بعد تقدیر پر بھروسہ، سعی عمل کے بعد توکل ۹۸
- ۱۰۶۔ حقیقت توکل کے متعلق ارشاد بنوی ۹۹
- ۱۰۷۔ حقیقت "توکل" خدا کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ بے عمل بن جانا ۱۰۰
- ۱۰۸۔ اصول توکل کا حاصل اور ثمرہ ۱۰۲
- ۱۰۹۔ بخل کی ندمت ۱۰۳
- ۱۱۰۔ طول اہل کی ندمت ۱۰۵
- ۱۱۱۔ حررض و طبع نہ کرو ۱۰۶
- ۱۱۲۔ قطع حرم کی ندمت صدر حرمی نہ کرنا موجب لعنت خدا ہے ۱۰۶
- ۱۱۳۔ صدر حرمی کا تاکیدی حکم ۱۰۷
- ۱۱۴۔ قطع حرم باعث تغیل فنا اور سلب نعمت ہے ۱۰۷
- ۱۱۵۔ صدر حرمی نہ کرنے سے مال شریروں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے ۱۰۸

- ۱۰۸۔ اگر بد کار لوگ بھی صدر حرمی کرتے ہیں تو اس سے ان کی مال و دولت میں زیادتی ۱۱۶
ہوتی ہے
- ۱۰۹۔ سرکشی اور دنیا کو آخرت پر مقدم کرنے کا انجام۔ مذموم سرمایہ داری کے نتائج ۱۱۷
- ۱۱۰۔ مذموم سرمایہ داری کے کرشمے اور اس کا انجام بد ۱۱۸
- ۱۱۲۔ اصول قناعت: ۱۱۹
- ۱۱۳۔ صرف مال میں رعایت اصول اقتصاد و اعتدال ۱۲۰
- ۱۱۴۔ فضول خرچی کی ممانعت ۱۲۱
- ۱۱۵۔ اسراف و اقتصاد کے حدود ۱۲۲
- ۱۱۶۔ اقتصاد اور اسراف ۱۲۳
- ۱۱۷۔ زندگی کا سب سے کامیاب طریقہ ۱۲۴
- ۱۱۸۔ سرمایہ دار اذہنیت کی تاریخ بہت قدیم ہے ۱۲۵
- ۱۱۹۔ عہد طالوت کے سرمایہ داروں کا قبول اطاعت سے انکار ۱۲۶
- ۱۲۰۔ ہر پنجمیر کی نبوت ماننے سے اسکے زمانہ کے ایروں نے انکار کیا ۱۲۷
- ۱۲۱۔ عہد رسالت آب کے سرمایہ داروں کی غور و ذہنیت ۱۲۸
- ۱۲۲۔ زبان وطن کو انسانی شرافت و کرامت میں دخل نہیں وجہ شرافت و مدار کرامت ۱۲۹
لتقویٰ ہے
- ۱۲۳۔ مغلسوں اور غربیوں کی اخلاق حالات بلند رکھے والے ہدایات ۱۳۰
- ۱۲۴۔ ارشاد علوی، عوام کی رضا مندی خواص کی خوشنودی پر مقدم ہے ۱۳۱
- ۱۲۵۔ رہنمایان اسلام کیلئے خدا کے مخصوص احکام و ہدایات، سادہ سے سادہ طرز زندگی ۱۳۲
اختیار کریں۔ شاہانہ طریقے اختیار نہ کئے جائیں
- ۱۲۶۔ آداب شاہانہ کی ممانعت ۱۳۳
- ۱۲۷۔ حکومت الہیہ کے نمائیدوں کے مخصوص فرائض ۱۳۴

| | | |
|-----|---|-----|
| ۱۳۹ | ریاء شرک اصغر ہے | ۱۵۳ |
| ۱۴۰ | چھپی ہوئی خیرات کی فضیلت | ۱۵۵ |
| ۱۴۱ | انپی ضرورت سے بچا ہو امال غریبیوں پر خرچ کرو | ۱۵۶ |
| ۱۴۲ | حد اعتماد کا خیال رکھو، راہ خدا میں خرچ کرو مگر ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ | ۱۵۷ |
| ۱۴۳ | خیرات میں سب مال و سرمایہ خرچ کر کے خود محتاج نہ بخواہ | ۱۵۸ |
| ۱۴۴ | ملکہ ایثار اخلاق کا بلند ترین درجہ کمال ہے | ۱۵۹ |
| ۱۴۵ | خیرات کرنیکی وصیت کیجاۓ | ۱۶۰ |
| ۱۴۶ | جو کار خرچ و صی کے ذریعے مقصود ہو وہ جیتے ہی خود کر جاؤ۔ | ۱۶۱ |
| ۱۴۷ | ماعون یعنی روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء کے دینے میں بخل کی شدید نہ مرت | ۱۶۲ |
| ۱۴۸ | ”ماعون“ کی تعریف | ۱۶۳ |
| ۱۴۹ | اسلام کا اصول تقسیم دولت قانون ”تقسیم بالسویہ“ | ۱۶۴ |
| ۱۵۰ | تقسیم بالسویہ کی اہمیت شارع اسلام کی نظر میں | ۱۶۵ |
| ۱۵۱ | اصول تقسیم مساوات کے متعلق حضرت امیرؐ کا نقطہ نظر | ۱۶۶ |
| ۱۵۲ | حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی نظر میں دنیا کی معاشی پریشانی کا سب سرمایہ کی | ۱۶۷ |
| ۱۵۳ | غیر مساوی تقسیم ہے | |
| ۱۵۴ | اسلام کا مقدمہ انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے | ۱۶۸ |
| ۱۵۵ | وہ اصول معيشت جو مناسب حال انسان ہو سکتا ہے | ۱۶۹ |
| ۱۵۶ | اسلام کا عام اصول۔ انسان کی تدریجی تیمت اس کا حسن عمل ہے | ۱۷۰ |
| ۱۵۷ | نظام اسلامی کے اساسی نظریات | ۱۷۱ |
| ۱۵۸ | اسلام کی انسان کو ایسی اقتصادی مسابقت کی اجازت نہیں دیتا جو دوسروں کیلئے | ۱۷۲ |
| ۱۵۹ | باعث ضرر ہو | |
| ۱۶۰ | فقراء اور افلاس مٹانا اسلام کا عظیم ترین مقصد ہے | ۱۷۳ |

| | |
|-----|--|
| ۱۳۵ | حاکم بصرہ کے نام جناب امیر کا ایک پر زور فرمان اور ایک مالدار کی دعوت قبول کرنے پر ملامت و چشم نمائی |
| ۱۳۶ | حضرت امیرؐ نے زمانہ خلافت میں نہ گھر بنا یا نہ کسی کو کوئی جا گیر دی: |
| ۱۳۷ | حضرت امیر المؤمنین کا سادہ سادہ طرز زندگی |
| ۱۳۸ | شاہانہ تعظیم و حوال کی شدید ترین مخالفت ذات پسندی کی ذہنیت و غلامانہ رسول کا سداب |
| ۱۳۹ | اسلامی تعلیمات کا در عمل مسلمانوں کی طرف سے حضرت رسالت مآبؐ کی چند پیشیگوئیاں جو واقع ہو چکیں |
| ۱۴۰ | اسلامی نظام معيشت مال و زر کی ذخیرہ اندوزی کو بدترین جرم قرار دیتا ہے |
| ۱۴۱ | ضرورت سے زیادہ زر و مال تمہیں اس لئے نہیں دیا گیا کہ اسکے خزانے میں جمع کر کو |
| ۱۴۲ | اسلام کا عام معاشی اصول دولت کی گردش صرف دولتمندوں کے طبقے میں محدود نہ رہنے پائے۔ |
| ۱۴۳ | زرو مال کی خرچ کی بابت تاکیدی احکام |
| ۱۴۴ | محتجوں کی مالی امداد کی عظمت کا اظہار |
| ۱۴۵ | کارخیر کی اہمیت |
| ۱۴۶ | بخل کی نہ مرت |
| ۱۴۷ | ماں باپ کے حقوق |
| ۱۴۸ | مالی امداد کے مستحق اور ان کے درجات |
| ۱۴۹ | خوددار غریبوں پر خاص نظر عنایت |
| ۱۵۰ | انسانی حقوق دوسرے کارخیر پر مقدم ہیں |
| ۱۵۱ | کس قسم کی چیزوں کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہئے |
| ۱۵۲ | اپنے احسانوں کو احسان جتا کر اور دکھدیکر برپا نہ کرو |
| ۱۵۳ | پچھی خیرات کی اعلیٰ مثال |

- ۱۸۷۔ امیر ریاست اسلامی کے مخصوص فرائض اور ذمہ داریاں
 ۱۸۸۔ کس قسم کے دیون کا ادا کرنا حاکم شرح کا فرض ہے
 ۱۸۹۔ خود کاشت کرنے کی ہدایت
 ۱۹۰۔ قانون مزارعہ
 ۱۹۱۔ مالک زمین کا مطالبہ صرف اس کی زمین کے پیداوار سے متعلق ہوگا
 ۱۹۰۔ اسلام کا قانون مزارعہ نظام جا گیر داری نہیں یہ کاشتکاروں کا حامی اور نظام عدل و مساوات
 ۱۹۱۔ کسانوں کے حقوق کا تحفظ، وقت وفات شارع اسلام کی وصیت کا شتکاروں پر ظلم
 ۱۹۲۔ نہ ہونے پائے مقررہ لگان سے زیادہ رقم وصول نہ کی جائے بیگار کی ممانعت
 ۱۹۱۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کافرمان کاشتکاروں کی حمایت میں بیگار اور نزران کی ممانعت
 ۱۹۳۔ خراج کی وصولیابی میں جبرا نہ طریقوں کی ممانعت
 ۱۹۳۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کافرمان عمال خراج کے نام عام کسانوں کے حق میں لاٹائی ہمدردی
 ۱۹۴۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کافرمان مالک اشتر کے نام
 ۱۹۵۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کافرمان ان غیر مسلم زمینداروں کے نام جتنی زمینوں پر سے اسلامی افواج گذرنے والی تحسیں
 ۱۹۶۔ معادن کے اقسام و احکام
 ۱۹۷۔ معادن ظاہرہ
 ۱۹۸۔ معادن باطنہ
 ۱۹۸۔ چند ضروریات زندگی جن کو اسلام نے اشتر کی سرمایہ قرار دیا ہے
 ۱۹۹۔ تجارت کی اہمیت و ضرورت اور اسکے شرعی احکام
 ۲۰۲۔ معاملہ تجارت کی نیاد تراضی ترقیں پر ہونی چاہئے

- ۱۷۸۔ حاجتمندوں کی قسمیں اور انکی امداد کا مکمل بندوبست
 ۱۷۹۔ سرمایہ داری و اشتراکیت کا اسلام سے موازنہ
 ۱۷۶۔ قرآن مجید اور معاشیات
 ۱۷۷۔ وجہ امارت و وسیلہ حکومت
 ۱۷۸۔ طرز حکومت کے متعلق اسلام کا عام نظریہ، اسلام کی پسندیدہ حکومت
 ۱۷۹۔ اسلام کی نظر میں قبل نفرت حکومت کے اوصاف
 ۱۸۰۔ اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول تعاون علی البر و انتقامی وجہ عمارة، یعنی زمین کی آبادی کے ذریعہ سے معاش حاصل کرنا
 ۱۸۱۔ زمین اور زراعت
 ۱۸۲۔ دوسروں کے ثراث محنت پر دست درازی کا سدباب کرنے والے اصول
 ۱۸۳۔ زمین کے اقسام اور ان کے احکام پہلی قسم "موات بالاصالة"
 ۱۸۴۔ معاشیات میں مسلمان و کافر کا فرق نہیں
 ۱۸۵۔ زمین کی دوسری قسم
 ۱۸۶۔ زمین کی تیسرا قسم
 ۱۸۷۔ زمین کی چوتھی قسم
 ۱۸۸۔ ممالک مفتوح کی آراضی کے متعلق نظریہ اشتر اک، ارض خراج کا حکم
 ۱۸۹۔ ارض خراج کی ملکیت کی خاص نوعیت
 ۱۹۰۔ آراضی مفتوح سابق کاشتکاروں کے قبضے میں رکھی جائیگی، مقدار خراج کی بابت اسلام کا منصفانہ نظریہ
 ۱۹۱۔ غیر مسلم کاشتکاروں کے ساتھ رعایت
 ۱۹۲۔ لگان و مالکداری زمین کی اجرت ہے اس کی تعین کا شتکار کی رضا مندی پر موقوف ہے
 ۱۹۳۔ ایک ضروری امر کی توضیح

- ۲۲۲۔ زمانہ قحط میں ذخیرہ خوراک فروخت کر دینا مستحب ہے راشنگ کے طریقے کی ۲۳۳۔ رضا کارانہ ترغیب
- ۲۲۳۔ سیرت آئمہ اسلام ۲۳۵۔ شراب اور قمار کی حرمت
- ۲۲۴۔ تجارت مسکرات کی ممانعت
- ۲۲۵۔ جوئے کی تمام قسمیں حرام ہیں ۲۳۸۔ تحریم اشیاء کا عام اصول، ضرورت کے ناسب حکیمانہ نظر
- ۲۲۶۔ سود کی تحریم بھی اسی بنیادی نظریہ کے ماتحت ہے ۲۳۹۔ باقی ماندہ سود چھوڑ دو ورنہ خدا رسول سے جنگ مول لو
- ۲۲۷۔ سود خوری کی شدید مذمت
- ۲۲۸۔ باقی ماندہ سود چھوڑ دو ورنہ خدا رسول سے جنگ مول لو
- ۲۲۹۔ سود در سود کی ممانعت
- ۲۳۰۔ سود کی لین دین کی مذمت
- ۲۳۱۔ سود کی تحریم کی معاشی حکمتیں اور مصلحتیں ۲۳۲۔ اگر سود کا لینا حالل ہوتا تو لوگ تجارت کا کاروبار چھوڑ دیتے جس کی عام اخیان ہے
- ۲۳۳۔ وجہ تحریم ربا کے متعلق امام رضا علیہ السلام کا مفصل ارشاد
- ۲۳۴۔ مندرجہ بالا آیات و احادیث کا خلاصہ
- ۲۳۵۔ قرض سے اعانت کرنیکی ترغیب
- ۲۳۶۔ تنگدست و نادار قرضدار کو مہلت دینا چاہئے اور قرض کو معاف کر دینا بہتر ہے
- ۲۳۷۔ قانون شرع اسلام میں تنگدستی و ناداری کے حدود۔ قرض میں سامان خوراک، لباس۔ مسکن خادم صرف نہ کیا جائے
- ۲۳۸۔ قرض دینا تصدق کرنے سے بہتر ہے

- ۲۰۳۔ حق کی لین دین شرط تجارت ہے
- ۲۰۴۔ تجارت میں بد معاملگی نہ ہونے پائے
- ۲۰۵۔ آدب تجارت کی بابت تجارت کو حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی ہدایتیں ارشاد نبوی: تاجر کو پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے
- ۲۰۶۔ چند آداب تجارت ارشاد نبوی میں
- ۲۰۷۔ آدب تجارت کے متعلق امام جعفر صادق کی ہدایات
- ۲۰۸۔ کم تو نہ کی مذمت
- ۲۰۹۔ وزن کسب پورا ہوگا
- ۲۱۰۔ غبن حرام ہے
- ۲۱۱۔ شرط بیع یہ ہے کہ مقدار شیع معلوم و معین ہو
- ۲۱۲۔ تاجروں کیلئے قسمیں اور دستکاروں کے لئے آج کل کے جھوٹے وعدے تباہی کے باعث ہیں
- ۲۱۳۔ حد سے سوانح خوری کی شدید مذمت
- ۲۱۴۔ خبر غریب کا ایک آئینہ جس میں ہمارے زمانہ کے حالات کی تصویریں نظر آتی ہیں
- ۲۱۵۔ ہر چھوٹے بڑے ایمروغریب کے ساتھ یکساں معاملہ ہونا چاہئے
- ۲۱۶۔ کسی کو دوسرا کے معاملے میں دخل نہیں دینا چاہئے
- ۲۱۷۔ بخش حرام ہے
- ۲۱۸۔ سامان غذا کی ذخیرہ اندوزوی "احکار" کی حرمت و کراہت
- ۲۱۹۔ احکار کی مذمت
- ۲۲۰۔ احکار کی مدت کا تعین
- ۲۲۱۔ حضرت امیر کافر مان "احکار" کی ممانعت، ذخیرہ اندوزوں کو سزا دو
- ۲۲۲۔ سال بھر خوراک جمع کر لینا پسندیدہ کام ہے

۲۵۳۔ حاجتمندوں کیلئے قرض لینا جائز ہے اور بے ضرورت قرض لینا مکروہ ہے بعض صورتوں میں حرام بھی ہے

- ۲۵۴۔ قرض کی نہ ممکن، کفر و قرض بے ضرورت دونوں برابر ہیں
- ۲۵۵۔ راہ خدا میں شہید ہو جانا ہرگز کا کفارہ ہے سوا قرض کے ادا نہ کرنے کی نیت سے قرض لینے والا چور ہے
- ۲۵۶۔ غنی کی بیان مثول ظلم ہے
- ۲۵۷۔ ناداروں کے جائز قرض خی کا ادا کرنا حکومت اسلام کے ذمہ ہے اس کیلئے خاص انتظام
- ۲۵۸۔ ارشاد الہی میں، غاریبین، سے کون لوگ مراد ہیں
- ۲۵۹۔ نظام اسلامی کی طرف مشترک کار و بار کی رہنمائی
- ۲۶۰۔ شرکت عنان یا شرکت اموال
- ۲۶۱۔ مضاربة
- ۲۶۲۔ اجراء محنت و مزدوری
- ۲۶۳۔ کام لینے سے پہلے اجرت طے کر لیا کرو
- ۲۶۴۔ مزدور کی اجرت اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ادا کر دو.
- ۲۶۵۔ مزدور کے حق اجرت میں ظلم کرنیوالا ملعون ہے، خدا اس کو نہ بخشنے گا
- ۲۶۶۔ جناب رسول خدا صلح مزدوروں کی حمایت میں چ خاوندہر.
- ۲۶۷۔ سوت کا تنے کی ہدایت عورت کے لئے، یہ گھر یلو کام سب سے بہتر ہے
- ۲۶۸۔ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے چند کی عظمت و اہمیت
- ۲۶۹۔ خاتمه کلام

منابع

- ۱۹۔ حدائق الناظرہ
- ۲۰۔ کنز العمال
- ۲۱۔ تحف العقول
- ۲۲۔ کنز العرفان
- ۲۳۔ المحجة البيضاء
- ۲۴۔ مجموعۃ الورام
- ۲۵۔ مشکاة الانوار
- ۲۶۔ بحار الانوار
- ۲۷۔ جامع السعادات
- ۲۸۔ سفينة البحار
- ۲۹۔ مستدرک سفينة البحار
- ۳۰۔ جامع الاخبار
- ۳۱۔ المکاسب
- ۳۲۔ شرائع الاسلام
- ۳۳۔ المقنع
- ۱۔ قرآن مجید
- ۲۔ تفسیر صافی
- ۳۔ تفسیر نور الشقین
- ۴۔ جمع البیان
- ۵۔ نهج البالغہ
- ۶۔ شرح نهج البالغہ
- ۷۔ الكافی
- ۸۔ شرح اصول کافی
- ۹۔ تهذیب الاحکام
- ۱۰۔ من لا يحضره الفقيه
- ۱۱۔ فروع الكافی
- ۱۲۔ شرح فروع کافی
- ۱۳۔ وسائل الشیعہ
- ۱۴۔ مستدرک الوسائل
- ۱۵۔ مستدرک المسائل
- ۱۶۔ لثالي الاخبار
- ۱۷۔ عدة الداعی
- ۱۸۔ کنز العمال